بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِسلام عالمگیر دین

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِسلام عالمگیر دین

مرتب:

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	اسلام عالمگیر دین	3
2	اسلام ایک امن پسند دین	6
3	اسلامی تمدن	10
4	اسلام کا قانون (قصاص ودیت)	12
5	اسلام کا نظام صدقات (زکوٰۃ ،عشر،صدقہ،فطرانہ،قربانی اور نفاق فی سبیل اللہ)	15
6	اسلام میں فتنہ،فساد اور دہشت گردی کی ممانعت	24
7	علم،عالم اور علما کی ضرورت	32
8	اسلام میں تعلیم کی اہمیت	34
9	کامیاب زندگی گزارنے کا راز (اسلامی تعلیمات)	38
10	اسلام میں توبہ کا تصور	42
11	والدین کے ساتھ حسن سلوک (حصّہ اول)	51
12	والدین کا ادب (حصّہ دوئم)	55
14	اولاد کی تربیت	58
15	اسلام اور آدابِ زندگی	62
16	اسلام میں مردوں اور عورتوں میں برابری کی نوعیت	78
17	اسلام میں عورت کی عظمت) فضلیت النساء	83
18	اسلام میں ماں کی عظمت	91
19	اسلام میں مدارس کی اہمیت	94
20	حقوق اللہ اور حقوق العباد	96
21	حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی	99
22	پڑوسیوں کے حقوق	102
23	مسجدوں کا احترام	105
24	جو مکانات ذکر اللہ،تعلیم قرآن اور تعلیم دین کے لئے مخصوص ہوں وہ بھی مسجد کے حکم میں ہیں۔	107
25	سوال وجواب	108
26	دین اسلام	113

اسلام عالمگیر دین

دین اسلام ایسی خصوصیات کا جامع ہے جن کا دعویٰ کوئی دوسرا دین نہیں کر سکتا مثلاً مکمل دین، محفوظ دین، آخری دین، عالمی دین، دائمی دین، متوازن دین، جامع دین اور فطری دین۔

1۔ مکمل دین:- دین اسلام اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل دین کی صورت میں عطا کیا ہے، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر سوا لاکھ صحابہ کرامؓ کو خطاب فرمایا اور پوچھا کہ ''کیا میں نے تم تک دین کو پہنچا دیا؟'' سب نے بیک زبان ہو کر کہا'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے نہ صرف دین ہم تک پہنچایا بلکہ دین پہنچانے کا حق بھی ادا کر دیا'' یہ سن کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور ارشاد فرمایا: **الھم اشھد، الھم اشھد، الھم اشھد**

ترجمہ: ''اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا''۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 3)

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تمہیں اپنی نعمت سے نوازا۔ اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا''۔

یہود نے جب یہ آیت سنی تو انہوں نے کہا'' اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس آیت کے نازل ہونے کے دن کو یوم عید قرار دیتے''۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' ہمارے لیے تو پہلے ہی اس دن میں دو عیدیں جمع ہیں۔ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن''۔ کیونکہ یہ آیت جمعہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہمیں دین کے مکمل ہونے کی خوشخبری دی۔

2۔ محفوظ دین:- دین اسلام کا محفوظ رہنا ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہوئی ہے۔ جیسا کہ اس نے قرآن پاک سورہ الحجر، آیت نمبر 9 میں فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۞ ترجمہ: "بے شک ہم ہی اس قرآن کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس قرآن کے محافظ ہیں"۔ قرآن پاک کی حفاظت کی ایک صورت اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمائی کہ امت مسلمہ میں ہر زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں حافظ موجود رہتے ہیں۔ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے، یہ اللہ کی صفت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اس طرح اس کی صفات بھی صفت دوام رکھتی ہیں۔ قرآن پاک کے محفوظ ہونے کے متعلق سورہ البروج آیت نمبر 22-21: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ (21) فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (22) ترجمہ: "بلکہ وہ کمال شرف والا ہے قرآن مجید جو لوح محفوظ پر درج ہے"۔

قرآن پاک کے ساتھ ساتھ حامل قرآن اور صاحب قرآن کی حفاظت بھی ضروری تھی اس لیے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (سورۃ الحجر آیت نمبر 94-95)

ترجمہ: ''اے رسول (خاتم النبیین ﷺ) جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لیں۔ اور لوگوں سے آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے"---- اللہ تعالیٰ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا۔ وہ اس نے پورا کیا۔

(ا) سورۃ لہب کے نازل ہونے پر اُم جمیل (ابولہب کی بیوی) سے حفاظت فرمائی۔

(ب) بنو نضیر نے (یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر چکی کا پاٹ گرا کر آپ خاتم النبیین ﷺ کی ہلاکت کا پروگرام بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے عین اسی موقعہ پر آپ خاتم النبیین ﷺ کو اطلاع فرما دی۔

(ج) ہجرت کی رات 10 نوجوانوں کے گھیرے میں سے آپ خاتم النبیین ﷺ بحفاظت نکل آئے اور ان کو خبر تک نہ ہوئی۔

(د) سراقہ بن مالک بن جیشم نے آپ خاتم النبیین ﷺ کا تعاقب کیا تین مرتبہ اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی آخر وہ معافی مانگ کر واپس ہوا۔

3۔ آخری دین:- اسلام کے آخری دین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کو لانے والے پیغمبر آخری ہیں، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی　　　ترجمہ: ''میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔ (ترمذی شریف)

1۔ ایک حدیث پاک میں آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' میری اور سابقہ انبیاء کی مثال ایک محل کی سی ہے۔ اس کو دیکھنے والے اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے کہا جاتا ہے کہ اگر اس محل میں وہ اینٹ لگا دی جائے تو یہ ایک بہت ہی اعلیٰ اور خوبصورت محل ہو۔ پھر فرمایا کہ'' میں اس قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں''۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 3535- صحیح مسلم، حدیث نمبر 5961)

2۔ ایک مرتبہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ'' مجھے سابقہ انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجھ پر نبوت کو ختم کر دیا

گیا۔‘‘(رواہ مسلم،مشکوۃ المصابیح،حدیث نمبر 5748)

3۔ ارشاد فرمایا:’’اے علیؓ میری اور تمہاری مثال موسیٰؑ اور ہارونؑ کی سی ہے لیکن میرے بعد نبی نہیں ہے‘‘۔(مشکوۃ المصابیح،حدیث نمبر 6087)

4۔ حضرت ابوبکرؓ نے مدعیان نبوت (نبوت کا دعویٰ کرنے والے) کے خلاف جہاد کیا۔

5۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:’’اب جو شخص مدعی نبوت سے دلیل نبوت بھی طلب کرے وہ بھی کافر ہے‘‘۔

چونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔اس لیے اسلام سلسلہ دین کی آخری کڑی ہے۔

4۔ عالمی دین ہمہ گیریت:۔دین اسلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہمہ گیریت ہے یہ کسی قوم،کسی قبیلے یا کسی زبان والوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔اس لیے کہ یہ سارے جہاں کے لیے نازل کیا گیا ہے۔اس لیے اس دین کے پہنچانے والے بخلاف باقی انبیاء کے تمام جہانوں کے لیے تشریف لائے۔اللہ تعالیٰ سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 107 میں فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ ترجمہ:’’اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا‘‘

اس طرح سورہ سبا آیت نمبر 28 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ:’’اور ہم نے آپ (خاتم النبیین ﷺ) کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا لیکن اکثر لوگ اِس کو نہیں جانتے‘‘۔

جبکہ سابقہ انبیاء اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور انہوں نے اپنی اپنی قوم ہی کو ڈرسنایا اور نصیحت کی‘‘۔

ان کے لیے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں سورہ الاعراف (آیت نمبر 85,65,59) میں فرماتا ہے

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ (۵۹) وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ط (۶۵) وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا (۸۵)

اسلام کے عالمی دین ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں یعنی جو کام پہلی امتوں میں نبی کیا کرتے تھے اب وہ کام امت مسلہ کے علماء کریں گے۔بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ امت مسلمہ کے ہر فرد کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذمہ دار قرار دے دیا گیا۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ آل عمران،آیت نمبر 104 میں حکم دیتا ہے کہ

ترجمہ: تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو دین سیکھے اور پھر لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے منع کرے۔پھر اس جماعت کی تعریف بھی کی اور فرمایا’’یقینا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں‘‘ایک جگہ اور سورہ آل عمران،آیت نمبر 110 میں فرمایا، ترجمہ:’’تم بہترین امت ہو جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے اور برائی سے منع کرتے ہو‘‘۔

5۔ دائمی دین:۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے قبل تمام انبیاء جتنے احکامات لے کر آئے وہ سب کے سب وقتی تھے،کوئی شریعت بھی اپنے اندر صفت دوام نہیں رکھتی تھی۔لیکن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی راہنمائی کے لیے جو اصول وضوابط عنایت فرمائے وہ ہمیشہ کے لیے ہیں۔اسلام قیامت تک کے لیے ہے،آنے والے انسانوں کی ضروریات کے لیے جو جو اصول ممکن ہو سکتے ہیں ان سب کی نشاندہی اسلام نے کردی ہے۔اب رہتی دنیا تک کبھی بھی کوئی زمانہ کوئی دور ایسا نہیں آئے گا جس میں اسلام کے اصول وضوابط ناکافی ہو جائیں یا ناقابل عمل ہو جائیں۔یا اُن میں کسی قسم کی ترمیم یا اضافے کی ضرورت ہو،دین اسلام کے دائمی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کیا گیا،چنانچہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو روانگی کے وقت ان سے پوچھا کہ آپ مسائل کا حل کیسے تلاش کریں گے؟،انہوں نے عرض کیا’’یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ قرآن پاک سے‘‘۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا’’اگر قرآن پاک میں حکم معلوم نہ ہو تو؟‘‘عرض کیا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی سنت سے مسئلہ تلاش کروں گا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا’’اور اگر قرآن وسنت دونوں میں درپیش مسائل کا حل نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟‘‘حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ پھر میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کروں گا اس پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:’’تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے دین کے بارے میں اپنے پیغمبر خاتم النبیین ﷺ اور اس کے قاصد کی سوچ کو ایک کر دیا‘‘----قرآن پاک میں ہے’’کیا یہ کافر لوگ کسی اور دین کے متلاشی ہیں؟ حالانکہ تمام اہل دنیا میں خوشی اور ناخوشی صرف اسی دین کے تابع ہے‘‘۔دین اور اسلام کے دائمی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرب قیامت میں ایک صاحب کتاب نبی یعنی حضرت عیسیٰؑ تشریف لائیں گے اور اپنی کتاب انجیل کے بجائے تمام باتوں میں اسلام کے اصولوں کو اختیار کریں گے۔یعنی دوبارہ آنے کے بعد وہ چالیس سال زندہ رہیں گے اور اس چالیس سالہ زندگی میں شادی، اولاد،عبادت ہر معاملے میں انجیل کے بجائے اسلام کے احکامات کی پیروی کریں گے۔

6۔ متوازن دین:- دین اسلام کی ایک بہت بڑی خصوصیت متوازن ہونا ہے۔ اسلام کی ہر صفت، ہر حکم میں ایک توازن درجہ کمال پر ہوتا ہے۔ مثلاً خرچ میں توازن، کاموں میں توازن، عبادت میں اعتدال، آواز تلاوت میں توازن، کھانے میں توازن، تعلیمات میں توازن، تعلقات میں توازن۔

1۔ خرچ میں توازن:- سورہ الفرقان، آیت نمبر 67 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

ترجمہ: ''اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں''۔

2۔ کاموں میں توازن:- اسلام بتاتا ہے کہ ہمارے اپنے جسم کا بھی ہم پر حق ہے اس لیے ہر کام میں توازن برقرار رکھا جائے۔

3۔ عبادت میں اعتدال یا توازن:- 1۔ تین صحابہؓ نے آپس میں عہد کیا ایک نے کہا "میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا"، دوسرے نے کہا کہ "میں ہمیشہ ساری رات عبادت کروں گا"، تیسرے نے کہا کہ "میں شادی نہیں کروں گا" تاکہ عبادت میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو'۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا:

ترجمہ: ''میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور میں نے شادیاں بھی کی ہیں'' (یعنی میری اقتدا کرو)۔

2۔ حضرت عبداللہ بن عمرو العاصؓ روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے منع فرمایا اور تین دن میں ختم کرنے کی اجازت دی اور ارشاد فرمایا کہ تین دن سے پہلے ختم کرنے والا قرآن میں تدبر نہیں کر سکتا۔

3۔ حضرت زینبؓ نے اپنے کمرے میں چھت سے رسی باندھی ہوئی تھی۔ عبادت کے وقت اس سے اپنے سر کے بال باندھ لیتی تھیں، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس رسی کو اتارنے کا حکم دیا اور فرمایا ''جب نیند آئے سو جاؤ جب طبیعت میں نشاط ہو تو عبادت کرو''۔

4۔ آواز تلاوت میں توازن:- حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تلاوت میں آواز بہت پست اور حضرت عمرؓ کی بہت بلند تھی۔ ارشاد فرمایا کہ ''اے ابو بکرؓ قدرے اونچی آواز سے تلاوت کیا کرو اور اے عمرؓ قدرے پست آواز سے تلاوت کیا کرو''۔

5۔ کھانے میں توازن:- آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اتنا کھاؤ جو تمہیں اٹھائے پھرے، اتنا نہ کھاؤ جو تمہیں اٹھانا پڑے''۔

6۔ تعلقات میں توازن:- ارشاد فرمایا کہ ''نہ اتنا تر بنو کہ نچوڑ لیے جاؤ اور نہ اتنا خشک ہو کہ توڑ لیے جاؤ''۔

7۔ جامع دین:- اسلام ایک جامع دین ہے اس میں کسی قسم کی کوئی کمی، کوئی نقص، کوئی سقم نہیں پایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے فرامین اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے تمام ارشادات، آپ خاتم النبیین ﷺ کے تمام افعال، آپ خاتم النبیین ﷺ کے تمام ارشادات، آپ خاتم النبیین ﷺ کے تمام اوصاف و خصائص جمع کر لیے گئے، اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی کوئی ادا ایسی نہیں جو ضبط تحریر میں نہ لائی گئی ہو۔

حضرت عائشہؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کا رات کو سونے سے پہلے سرمہ لگانے کی تفصیل تک بتائی ہیں کہ کس آنکھ میں کتنی مرتبہ سرمہ لگاتے تھے۔

شمائل ترمذی کا مطالعہ کیا جائے تو اس حد تک تفصیلات ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ریش مبارک میں ظاہر ہونے والے سفید بال بھی درج ہیں۔

8۔ فطری دین:- اسلام کے اصول و ضوابط ایسے فطری ہیں کہ ہر شخص ہر زمانے میں بلا تکلف اس پر عمل کر سکتا ہے۔ مثلاً ہم اگر عیسائیت کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ دولت مند شخص کا آسمانوں کی بادشاہت میں داخلہ ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا۔ یہ اصول خلاف فطرت ہے۔ اسلام کا اس کے مقابلے میں یہ اصول رہا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور مال میں سے دوسروں کے حقوق پورے کرتا ہو اس کے پاس اگر پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو قابل مذمت نہیں---اس طرح جین مت کا اصول ہے کہ کسی جاندار کو تکلیف نہ دی جائے، حتیٰ کہ منہ پر کپڑا باندھ لیا جائے تاکہ سانس کے ساتھ کوئی جرثومہ اندر جا کر ہلاک نہ ہو جائے۔ یہ اصول فطرت کے خلاف اور ناقابل عمل ہے۔ پھر گوشت کا استعمال اور گوشت کا کھانا انسانی فطرت میں داخل ہے اس سے کیسے بچا جائے گا؟

بدھ مت: -روزنامہ جنگ 3 جنوری 1989 میں گورو رجنیش نے ایک بیان میں کہا کہ موجودہ دور میں گوتم بدھ کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہے اس لیے کہ یہ خلاف فطرت اور بہت تکلیف دہ ہیں انہوں نے مزید کہا "دن میں ایک مرتبہ کھانا کھانا اور رات میں تکیہ کے بجائے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر سونا بہت مشکل امر ہے۔''

اس کے برعکس اسلام کی معاشرتی زندگی، نکاح و طلاق کے احکامات، لین دین، تجارت کے اصول، عبادت کے ضابطے، علم و تعلم کے خطوط سب کے سب عین فطرت کے مطابق ہیں۔ جو شخص ان اصولوں کو حرز جان بنا لیتا ہے۔ اس کی نہ صرف دنیا کی زندگی کامیاب رہتی ہے جبکہ اس زندگی میں پاکیزگی اور آخرت میں رضائے الٰہی اور نجات ممکن ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "جو کوئی بھی خواہ مرد ہو یا عورت عمل صالح بجا لائے گا ہم اسے حیات طیبہ عطا فرمائیں گے"۔ (یعنی دین و دنیا کی سرخروئی)۔

اسلام ایک امن پسند دین ہے

اسلام امن وسلامتی اور محبت ومروت کا دین ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق وہی شخص مسلمان ہے جس کے ہاتھوں مسلم وغیر مسلم سب بے گناہ انسانوں کی جان و مال محفوظ رہیں۔انسانی جان کا تقدس وتحفظ شریعت اسلامی میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔کسی بھی انسان کی ناحق جان لینا اور اسے قتل کر دینا فعل حرام ہے بلکہ بعض صورتوں میں یہ موجب کفر بن جاتا ہے۔اسلام صرف مسلم ریاست کے مسلمان شہریوں کے جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت کی ہی ضمانت نہیں دیتا ہے بلکہ شریعت اسلامیہ میں مسلم ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے حقوق مسلم شہریوں ہی کی طرح ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی قوانین میں مسلم اور غیر مسلم شہری قصاص اور دیت میں برابر ہیں۔

غیر مسلموں کو مسلم معاشرے میں مکمل شخصی اور مذہبی آزادی حاصل ہے۔غیر مسلم شہریوں، غیر مسلم سفیر اور ان کی املاک وعبادت گاہوں کو مکمل تحفظ حاصل ہے۔ اسی طرح غیر مسلم تاجروں کے جان و مال کا تحفظ بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔لہٰذا اسلام کسی طور بھی پُر امن مسلم اور غیر مسلم شہریوں کو قتل کرنے، لوٹ مار کرنے، یا انہیں کسی بھی قسم کی ایذاء رسانی کی اجازت نہیں دیتا۔ انسانی جان کی عزت وحرمت پر اسلامی تعلیمات میں کس قدر زور دیا گیا ہے۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دوران جنگ بھی اسلام میدان جنگ میں بچوں، عورتوں، بوڑھوں، بیماروں، مذہبی راہنماؤں اور تاجروں کو بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ہتھیار ڈال دینے والے گھروں میں بند ہو جانے والے یا کسی کی امان میں آجانے والے لوگوں کو بھی قتل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی عامۃ الناس کا قتل عام کیا جاسکتا ہے۔عبادت گاہوں، عمارتوں بازاروں یہاں تک کہ کھیتوں، فصلوں اور درختوں کو بھی تباہ نہیں کیا جاسکتا۔غیر مسلم عالمی طاقتوں کی ناانصافیوں اور بلا جواز کاروائیوں کے ردعمل کے طور پر پُر امن غیر مسلم شہریوں اور غیر ملکی سفارت کاروں کو قتل کرنا یا انہیں حبس بے جا میں رکھنا قطعاً جائز نہیں۔جو ایسا کرتا ہے اس کا اسلام اور پیغمبر اسلام خاتم النبیین ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔

اسلام صرف مذہب ہی نہیں ایک مکمل دین ہے۔اسلام نے جہاں زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ضابطہ دیا ہے۔وہاں معاشرے کی اجتماعیت کے تحفظ کا اہتمام بھی کیا ہے۔اس کے لیے ریاستی اداروں کے حقوق وفرائض طے کر دیئے گئے ہیں۔مسلم ریاست کے جملہ شہریوں کو ریاستی قوانین اور اصول وضوابط کا پابند بنایا گیا ہے۔انہی ضابطوں میں سے ایک یہ ہے کہ مسلم ریاست اور معاشرے کو امن اور بقائے باہمی کا نمونہ ہونا چاہیے۔اس لیے مسلم ریاست کے خلاف ہتھیار اٹھانے، اس کے نظم اور اتھارٹی کو چیلنج کرنے اور اس کے خلاف اعلان جنگ کرنے کی اسلام میں سخت ممانعت ہے اور اس پر اجماع امت ہے اور کسی مسلک میں بھی اس میں اختلاف نہیں۔جہاں تک کسی بدکردار مسلمان حکمران یا حکومت کو راہ راست پر لانے کے لیے جدوجہد کا تعلق ہے تو وہ ہرگز منع نہیں ہے۔

مسلح جدوجہد اور بغاوت کی ممانعت سے مراد یہ نہیں کہ برائی کو برائی نہ کہا جائے اور اسے روکنے کی کوشش نہ کی جائے یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض ایمانی کو ترک کر دیا جائے۔احقاقِ حق اور ابطالِ حق مسلمانوں پر واجب ہے۔اسی طرح اصلاح معاشرہ اور ابلیسی قوتوں کا مقابلہ دینی فرائض میں سے ہے۔ حکمرانوں اور نظام حکومت کو اصلاح کے لیے انہیں ظلم وستم اور فسق وفجور سے روکنے کے لیے تمام آئینی، سیاسی، جمہوری اور قانونی پر امن طریقے اپنانا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔کلمہ حق کی بلندی اور بحالی نظم وعدل کے لیے، انفرادی، اجتماعی، تنظیمی اور جماعتی سطح پر تمام کاوشیں بروئے کار لانا فرائض دین میں سے ہے۔اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے اور دوسروں کو بھی امن وعافیت کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔اسلام کے دین امن وسلامتی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کے لیے نام ہی اسلام پسند فرمایا۔

لفظ اسلام۔۔سَلَم یا سَلْم سے ماخوذ ہے جس کے معنی امن وسلامتی اور خیر وعافیت کے ہیں۔اسلام اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے سراسر امن (Peace) ہے۔گویا امن و سلامتی کے معنی لفظ اسلام کے اندر ہی موجود ہیں۔لہٰذا اپنے معنی کے اعتبار سے ہی اسلام ایک ایسا دین ہے جو خود بھی سراپا سلامتی ہے اور دوسروں کو بھی امن وسلامتی، محبت اور رواداری اعتدال اور توازن اور صبر وتحمل کی تعلیم دیتا ہے۔قرآن وحدیث میں اگر مسلم اور مومن کی تعریف تلاش کی جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے نزدیک مسلمان صرف وہ شخص ہے جو تمام انسانیت کے لیے پیکر امن وسلامتی ہو اور مومن بھی وہی شخص ہے جو امن و آشتی تحمل، برداشت، بقاء باہمی اور احترام آدمیت جیسے اوصاف سے متصف ہو۔یعنی اجتماعی سطح سے لے کر انفرادی سطح تک ہر کوئی اس سے محفوظ و مامون ہو۔

دین اسلام کے تین درجات

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے دین اسلام کے تین درجات بیان فرمائے۔

(1) اسلام　(2) ایمان　(3) احسان

حضرت عمرؓ ابن خطاب سے روایت ہے کہ ایک روز اچانک جبرائیل علیہ السلام بہ صورت انسان رسول خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو زانو مودب بیٹھ گئے اور پوچھا "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ بتائیے کہ اسلام کیا ہے''؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد خاتم النبیین ﷺ اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اگر صاحب استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو"۔حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا کہ "آپ خاتم النبیین ﷺ نے صحیح فرمایا ہے"۔ پھر حضرت جبرائیلؑ نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ایمان کیا ہے''؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر"۔حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا "آپ خاتم النبیین ﷺ نے سچ فرمایا"، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا ''احسان کیا ہے''؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور یہ کیفیت نہیں بن پاتی تو اس طرح عبادت کرے کہ اللہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے"۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا "سچ فرمایا آپ خاتم النبیین ﷺ نے"۔ یہ سوال کر کے حضرت جبرائیلؑ چلے گئے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بتایا کہ ''یہ حضرت جبرائیل تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے''۔(بخاری شریف، مسند احمد)

اسی طرح قرآن مجید میں بھی باری تعالیٰ نے مختلف مقامات پر دین اسلام کے یہ تین درجات بیان فرمائے ہیں۔

1۔ دین اسلام کے پہلے درجے ''اسلام'' کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے (سورہ المائدہ آیت نمبر 3)

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا''۔

2۔ دین اسلام کے دوسرے درجے ''ایمان'' کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے (سورہ الحجرات آیت نمبر 14)

ترجمہ: ''دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، آپ خاتم النبیین ﷺ فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہاں یہ کہو کہ اسلام لائے ہو۔ ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا ہے''۔

3۔ دین اسلام کے تیسرے درجے ''احسان'' کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے (سورہ النساء پارہ 4 آیت نمبر 125)

ترجمہ: ''اور دین اختیار کرنے کے اعتبار سے اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟ جس نے اپنا روئے نیاز اللہ کے آگے جھکا دیا اور وہ صاحب احسان بھی ہوا''۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے تینوں درجات بالترتیب اکٹھے بیان فرمائے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے (سورہ المائدہ آیت نمبر 93)

ترجمہ: ''ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اس (حرام) میں کوئی گناہ نہیں جو وہ (حکم حرمت اترنے سے پہلے) کھا پی چکے جبکہ وہ (بقیہ معاملات میں) بچتے رہے اور (دیگر احکام الٰہی پر) ایمان لائے اور اعمال صالحہ پر عمل پیرا رہے۔ پھر (احکام حرمت کے آجانے کے بعد بھی ان سب حرام اشیاء سے) پرہیز کرتے رہے اور (ان کی حرمت پر صدق دل سے) ایمان لائے، پھر صاحب تقویٰ ہوئے اور (بالآخر) صاحبان احسان (یعنی اللہ کے خاص محبوب و مقرب و نیکوکار بندے) بن گئے اور اللہ احسان والوں سے محبت فرماتا ہے''۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین اسلام کی وہ تعلیمات جو اعمال اور احکام کے ساتھ ہے ''اسلام'' کے ذیل میں آتی ہیں۔ ان سے مسلمانوں کی ''عملی اور اخلاقی زندگی'' وجود میں آتی ہے۔ اور دین اسلام کی وہ تعلیمات جن کا تعلق ''عقائد اور نظریات'' کے ساتھ ہے وہ ''ایمان'' کے ذیل میں آتی ہیں اور ان سے انسانی زندگی کا فکری اور نظریاتی پہلو تشکیل پاتا ہے۔ جبکہ دین اسلام کی وہ تعلیمات جن سے ''اعلیٰ قلبی کیفیات اور روحانی احوال'' نصیب ہوتے ہیں وہ ''احسان'' کے ذیل میں آتی ہیں ان تعلیمات سے بندہ مومن کی اخلاقی و روحانی تطہیر ہوتی ہے اور اس کے قلب و باطن کا روحانی ارتقا ہوتا ہے جو فی الحقیقت اسلام اور ایمان کا مقصد اور مدعا ہوتا ہے۔ ان تینوں مراتب کا ذکر اگر لغوی اور اصطلاحی حوالے سے کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان تین مراتب کا امن و امان اور سلامتی کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

1۔ لفظ اسلام کا لغوی معنی اور تحقیق

لفظ اسلام مصدر ہے اور سَلِمَ یَسْلَمُ، سَلَامًا وَسَلَامَۃً'' سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 208)

ترجمہ: ''دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔

یہاں السلم کا معنی ابوعمرؓ نے اسلام کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ حدیث: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں'' (کتاب الایمان، ترمذی، سنن)

امام راغب اصفہانیؒ کہتے ہیں کہ ''السلم'' اور ''السلامۃ'' کے معنی ظاہری اور باطنی آفات سے پاک ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ﴿ؕ۸۹﴾ (سورۃ الشعرا ، آیت نمبر 89)

ترجمہ: ''مگر وہی شخص (نفع مند ہوگا) جو اللہ کی بارگاہ میں سلامتی والے بے عیب دل کے ساتھ حاضر ہوا"۔

باری تعالیٰ نے خود اپنا ایک نام ''السلام'' فرمایا ہے۔ جس کے معنی بھی اللہ تعالیٰ کا ہر عیب، نقص، اور فنا سے پاک ہونا ہے۔ اسم الٰہی ہونے کے باعث یہ لفظ اپنے اندر سلامتی، حسن، بھلائی، خیر کے تمام معنی رکھتا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کا شعار ملاقات سلام کو بنا دیا گیا ہے، یعنی جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو اسلام علیکم کہہ کر امن وسلامتی کی دعا اور پیغام دیتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے ہر قسم کے شر، فساد، سرکشی اور دشمنی سے برات (بے زاری) کا اظہار کرتے ہیں۔

لفظ ایمان کا لغوی معنی اور تحقیق

لفظ ایمان اَمِنِ، یَامَنُ امناً، و اُمناً و اُمَانَۃً و اُمَنَۃً سے مصدر ہے۔ اس کے معنی بھی اسلام کی طرح امن و امان ہی کی کامل ولایت ہے۔ امن خوف کی ضد ہے اور حضرت مجاہدؒ سمیت کئی طرق سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''الامین'' مروی ہے۔ اسی طرح المومن کا اسم الٰہی ہونا تو خود قرآن پاک میں آیا ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی اپنے اولیاء کو خوف سے امان دینے والا۔ سورہ قریش میں بھی مذکور ہے۔

ترجمہ: ''پس انہیں چاہیے کہ اس گھر (خانہ کعبہ) کے رب کی عبادت کریں (تا کہ اس کی شکر گزاری ہو) جس نے انہیں بھوک (یعنی فقر و فاقہ کے حالات) میں کھانا دیا (یعنی رزق فراہم کیا) اور (دشمنوں کے) خوف سے امن بخشا (یعنی محفوظ و مامون زندگی سے نوازا)''۔

ایمان اور امن لغت عرب میں دو طرح آتے ہیں اس طرح لفظ مومن کے دو معنی ہوئے۔ خود امن پانے والا اور دوسروں کو امن فراہم کرنے والا قرآن پاک میں اللہ نے حرم مکہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ (سورہ العنکبوت، آیت نمبر 67)

ترجمہ: ''اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم (کعبہ) کو جائے ایمان بنا دیا ہے''۔

اور پھر کعبۃ اللہ کی نسبت ارشاد فرمایا کہ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 125)

ترجمہ: ''اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے لیے رجوع (اور اجتماع) کا مرکز اور جائے امان بنا دیا''۔ پس ثابت ہوا کہ دین کے دونوں درجے اسلام اور ایمان کلیتاً امن و امان اور عافیت وسلامتی کا تقاضہ کرتے ہیں۔ ذیل میں ایمان کے مذکورہ بالا معانی کی تائید میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

1۔ امام نسائی اور احمد بن حنبل، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے مومن کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ''مومن وہ ہے کہ جس کے پاس لوگ اپنے خون (یعنی جان) اور مال کو محفوظ سمجھیں''۔ (نسائی)

2۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 153)

3۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو نہ ستائے اور جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ جو اللہ اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہے وہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے''۔ (صحیح بخاری شریف، حدیث نمبر 6018)

لفظ احسان کا لغوی معنی اور تحقیق

لفظ احسان، حَسَنَ، حَسُنَ، یَحۡسُنُ، حُسۡناً سے ثلاثی مذید کا مصدر ہے۔ اس کے معنی حُسن و خوبصورتی، خیر و خوبی، نیکی، اچھائی اور بھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ آیت نمبر 83 میں ارشاد فرماتے ہیں

وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا

ترجمہ: ''اور عام لوگوں سے (بھی نرمی اور خوش خلقی کے ساتھ) نیکی کی بات کہنا''

اس طرح والدین کے ساتھ احسان کے طرزِ عمل کا حکم بھی ان الفاظ کے ساتھ دیا گیا ہے۔(سورہ العنکبوت، آیت نمبر 8)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ط(سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 8)

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین سے نیک سلوک کا حکم فرمایا''۔

الغرض ہر معاملے میں حُسن، خوبصورتی، شفقت، بھلائی اور رحمت ملحوظ خاطر رہنی چاہیے، اس پورے طرزِ عمل کو حَسنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مسلمانوں کو دنیا اور آخرت میں ''حسنہ'' طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے۔(سورہ بقرہ، آیت نمبر 201)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

ترجمہ: ''اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں (بھی) بھلائی عطا کر اور آخرت میں (بھی) بھلائی سے نواز اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: (سورہ رحمن، آیت نمبر 60)

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝

ترجمہ: ''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں''۔

باری تعالیٰ نے اپنے ناموں کو بھی ''حسن'' کی طرف منسوب کر دیا ہے۔(سورۃ الاعراف، آیت نمبر 180)

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

ترجمہ: ''اور اللہ ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام نام ہی نہایت حُسن والے ہیں۔ ایک اور جگہ سورہ بقرہ آیت نمبر 195 میں فرمان الٰہی ہے۔

ترجمہ: ''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان شعار رہو، بے شک اللہ صاحبان احسان سے محبت کرتا ہے''

فرمان قرآن کے بعد اس نفس مضمون کے حوالے سے کچھ احادیث

1۔ ترجمہ: حضرت شداد بن اوسؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں احسان کو فرض کیا ہے، جب تم قتل کرو تو احسن طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح سے ذبح کرو۔ اور ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ چھری کو اچھی طرح سے تیز کرے اور اپنے ذبح ہونے والے جانور کو آرام دے (صحیح مسلم)

2۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان سے پیش آئے (ابن ماجہ)

3۔ حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، گناہ کے بعد نیکی کیا کرو۔ (نیکی گناہ کو) وہ اسے مٹا دے گی اور لوگوں سے اخلاق حسنہ کے ساتھ پیش آیا کرو'' (ترمذی)

4۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''مومن حسن اخلاق کے ذریعے دن کو روزہ رکھنے والے اور راتوں کو قیام کرنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے''۔ (سنن ابی داؤد)

5۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، جب کسی کو تنگ دست دیکھتا تو اپنے خادموں سے کہتا اس سے درگزر کرو شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے، پس اللہ نے اسے معاف کر دیا''۔ (سنن ابی داؤد)

خلاصہ کلام

لفظ اسلام، ایمان اور احسان پر تفصیلی بیان کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ یہ تینوں الفاظ اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے سراسر امن و سلامتی، خیر و عافیت، تحمل و برداشت، محبت، الفت، احسان، شعاری اور احترام آدمیت کی تعلیم دیتے ہیں۔ پس دین اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو خود بھی سراپا سلامتی ہے اور دوسروں کو بھی امن و سلامتی، راحت و رحمت، اعتدال و توازن اور صبر و تحمل کی تعلیم دیتا ہے۔ گویا مسلمان صرف اور صرف وہ ہے جو تمام انسانیت کے لیے بلکہ تمام بنی نوع، تمام جاندار کے لیے پیکر امن و سلامتی ہو اور مومن بھی وہی شخص ہے جو امن و آشتی، تحمل و برداشت، بقائے باہمی اور احترام آدمیت جیسے اوصاف سے متصف ہو اور محسن وہ ہے جس میں نہ صرف اسلام اور ایمان دونوں کے روحانی ثمرات اور باطنی احوال جمع ہوں بلکہ وہ دوسروں کے لیے نفع بخش اور فیض رسانی کا باعث بھی ہو۔ مختصر یہ ہے کہ اسلام اپنے وسیع معنوں میں ایک ایسا دین ہے جس میں اجتماعی سطح سے لے کر انفرادی سطح تک ہر کوئی محفوظ اور مامون ہو جاتا ہے۔

اسلامی تمدن

اسلام نے دنیا میں دو راستے پیش کئے ہیں۔ گویا اسلام دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔

ایک اقترابات دوسرے ارتفاقات۔

اقترابات کا مطلب یہ ہے کہ وہ راستے جن سے آدمی اللہ کا قرب اور نزدیکی پیدا کر سکے۔ اس کی نزدیکی کا مطلب ہے کہ ہم اس سے مناسب اور مضبوط تعلق پیدا کر لیں۔ خدائی اوصاف ہمارے اندر نفوذ کریں تا کہ ہمیں خلافت اور نیابت خداوندی کا مقام حاصل ہو۔ اس چیز کا نام اسلام میں اقترابات ہے یعنی قرب خداوندی پیدا کرنے کا ذریعہ کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے عبادات، نماز، روزہ، زکوۃ، حج رکھی گئی ہیں۔

دوسری چیز ارتفاقات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باہمی میل جول، لطف مدارت، تمدن وتعاون اور مدنیت اور شہریت کے اصول اور طریقے ہمارے سامنے ہوں کہ کس طرح ہم دنیا کی زندگی گزاریں۔ دنیا میں جیسے مساجد بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، گھر بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بازار بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ ارتفاقات کے شعبے ہیں۔

ایمان کے دو شعبے ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے قاصد اور بھیجے ہوئے قانون کی عظمت

2۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت اور مدارات اور رحم وکرم

اس لیے علم کی بھی دو قسمیں ہیں۔

1۔ ایک بدنی زندگی کا علم

2۔ ایک روحانی زندگی کا علم

بدنی زندگی کے نیچے: یہ تمام شعبے آتے ہیں جیسے کھانا، پینا، گھر بنانا، بازار وغیرہ

روحانی زندگی کے نیچے: یہ شعبے آتے ہیں کہ اللہ کے آگے کیسے جھکا جائے؟ اس کو راضی رکھنے کے لیے کون کون سے راستے اختیار کئے جائیں؟

ہر سو سال کے بعد قوم کی ذہنیت بدل جاتی ہے۔ ایک نسل ختم ہو جاتی ہے دوسری نسل آتی ہے۔ دنیا میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ نظریات بدلتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے بھی یہ خبر دی ہے کہ ہر سو سال کے بعد ہم مجدد بھیجیں گے جو دین کو نکھار دیں گے اور اس کی تجدید کریں گے۔ اس طرح اگر قوم میں تصوف کا غلبہ ہوا تو صوفی منش لوگ سامنے آئیں گے تو صوفیانہ انداز میں تحریریں لکھیں گے جیسے محی الدین ابن عربیؒ اور امام غزالیؒ وغیرہ۔ ان لوگوں نے تفسیریں لکھیں۔

ایک زمانہ عقل پرستی کا آیا تو ایسے مجدد پیدا ہوئے جنہوں نے قرآن اور حدیث کو عقلی رنگ میں پیش کیا۔ امام رازیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور امام غزالیؒ وغیرہ نے بھی یہ کام کیا کہ عقلی اصول پر تفسیریں لکھیں۔ ایک زمانہ آیا کہ طبعیات کا غلبہ تھا تو مجدد حضرات نے طبی رنگ میں قرآن کو پیش کر دیا۔ یہ قرآن پاک کی جامعیت ہے کہ قرآن پاک ایک ایسا حسین چہرہ ہے کہ اسے جیسا لباس پہنا دو اتنا ہی حسین معلوم ہوتا ہے۔ جس رنگ کی کوئی قوم یا طبقہ سامنے آتا ہے وہ اسی رنگ میں اپنے آپ کو سامنے کرتا ہے۔ اسلام میں یہ جامعیت ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ دنیا کے طبقات اور دنیا کی قوموں کی ذہنیت الگ الگ ہو وہ سب کے لے پیغام بنے اور سب کی نفسیات کی رعایت نہ کرے۔ اس میں ایسے جامع اصول موجود ہیں کہ یہ ضرور رعایت کرتا ہے۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ سوال کرنے والے اجمالی سوال نہ کریں۔ جن جن معاملات میں وہ مبتلا ہوں ان معاملات کو تفصیل سے واقعاتی رنگ میں پیش کریں۔ یوں نہ پوچھیں کہ فلاں چیز جائز یا نہیں جائز۔ بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ انشورنس جائز ہے یا نہیں؟ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ ناجائز ہے۔ اسلام کے اصول کے خلاف ہے۔ سود بھی ناجائز، انشورنس بھی ناجائز، بیمہ کرانا بھی ناجائز اور فلاں چیز بھی حرام۔ لیکن جب ان واقعات کی تفصیل پیش کریں گے مجموعی پہلو سامنے آئیں گے تو حکم میں گنجائش نکلے گی۔ بلا شبہ اسلام میں شراب ناجائز ہے۔ خاص حالات میں اسلام کی تفصیلات پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن یہ حکم تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی ایسا مریض ہو کہ ڈاکٹر کہہ دیں کہ یہ اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا جب تک شراب نہ پیے۔ تو اسلام نے اسے شراب پی کر جان بچانے کی اجازت دے دی ہے۔ اس لیے سرد ممالک میں نمونیہ کے مریضوں کو برانڈی وغیرہ دے کر ان کی جان بچالی جاتی ہے۔ اس طرح خنزیر اسلام میں بالکل نجس العین ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے اس کا گوشت پوست ہی نہیں۔ اس کا جو ہر بھی ناپاک ہے۔ یہ ناجائز اور ممنوع ہے لیکن اگر کوئی مر رہا ہو

فاقہ ہواور اس کے پاس اِس کو کھا کر جان بچانے کے سوا کچھ نہیں تو ایسے وقت میں اسلام کی طرف سے اسے اجازت ہوگی کہ وہ خنزیر کا گوشت کھا کر اپنی جان بچالے۔

کفر کا کلمہ کہنا اسلام کو ختم کر دیتا ہے۔اس طرح شرک کا کلمہ ہے،لیکن اگر کوئی شخص تلوار لے کر کسی مسلمان کی گردن پر کھڑا ہو کر کہے کہ کفر کا کلمہ کہہ ورنہ ابھی تیری گردن اڑادوں گا تو اسلام اجازت دیتا ہے کہ دل میں ایمان پر ڈٹے رہو اور زبان سے کفر کا کلمہ کہہ کر جان بچالو۔اس سے اندازہ ہوا کہ ایک شے اپنی ذات سے بالکل ممنوع ہوتی ہے لیکن حالات کے سامنے آجانے سے اس میں گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔یہ صورت خواہ انفرادی ہو یا قومی ہو۔اسلام میں گنجائش نکلتی ہے۔اسلامی قانون میں لچک ہے۔یہ اعتدال کا مذہب ہے۔یہ افراط وتفریط کا مذہب نہیں ہے۔یہ ایک درمیانی نکتہ پر ہے۔جس میں دونوں طرف کی رعایت نکلتی ہے یعنی مسئلے دو ہی ہیں ایک ''دیانت'' کا ہے جس میں عبادات آتی ہیں۔ایک ''معاشرت'' کا ہے جس میں تجارت ومعاملات، نکاح وطلاق، زمین کی خریداری، ٹھیکہ، کرایہ داری، محکمہ قضا مقدمات، فوجداری اور دیوانی عدالت وغیرہ آتی ہیں۔اسلام نے ان سب کے اصول بتائے ہیں جو معتدل ہیں اور جامع بھی ہیں۔ہر قوم کے جذبات کو اپیل کر سکتے ہیں لیکن جب قوم اس کی طرف متوجہ ہو یا خود سمجھے یا سمجھنے کی کوشش کرے یعنی سیکھے ہوئے سے پوچھ کر اس پر عمل کرے مگر شرط یہ ہے کہ تفصیل سے پوچھیں تو جس طرح استفتاء اور سوال کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ فکر کے ساتھ واقعات سامنے رکھیں اس طرح مفتیوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ سارے واقعات کے ایک ایک پہلو کو سامنے رکھ کر حکم لگائیں۔صرف اجمالی ذکر نہ کریں۔تفصیلی واقعات کو سامنے رکھ کر فتویٰ صادر کریں۔پھر ہم اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید رکھ سکتے ہیں کہ اس میں ایسی گنجائش نکلیں گی کہ قوم اپنے مفاد سے بھی محروم نہیں ہوگی اور ناجائز اور حرام کا ارتکاب بھی نہیں کرے گی۔

****

اسلام کا قانون (قصاص ودیت)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سورۃ البقرہ آیت نمبر 179 میں فرمایا وَلَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ ترجمہ: ''اے عقل والو قصاص کے اندر تمہاری زندگی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے عقل والوں کو سوچنے کی دعوت دی ہے کہ وہ عقل سے کام لیں۔ اسلام نے قصاص و دیت کے لیے بڑا حکیمانہ قانون بنایا ہے۔ قتل کی دو بڑی قسمیں ہیں۔

1۔ **''قتل عمدٌ''** یہ وہ قتل ہے جو قاتل نے قصداً کیا۔ اس کی سزا اسلام میں ''النفس بالنفس'' ہے۔ یعنی جان کے بدلے جان۔ اسی کو قصاص کہتے ہیں۔

2۔ **''قتل خطاءً''** اس قتل میں قاتل نے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا، غلطی سے ایسا کام کر بیٹھا اور ایک جان چلی گئی۔ اس قتل میں قصاص نہیں آتا۔ یعنی جان کے بدلے جان نہیں لی جاتی بلکہ خون بہا لیا جاتا ہے۔ یعنی مال کی بہت بڑی مقدار وصول کی جاتی ہے اس کو دیت کہتے ہیں۔

قصاص کے انگریزی اور اسلامی قانون میں فرق:

اب تک سزائے قتل کے سلسلے میں ہمارے ملک میں انگریز دور کا ملعون قانون نافذ تھا وہ یہ تھا کہ کسی نے دوسرے کو قتل کر دیا تو وہ حکومت کا مجرم ہے۔ مقتول کے وارثوں کا مجرم نہیں ہے۔ انگریزی قانون میں یہ ایک بنیادی غلطی تھی جبکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ یہ مقتول کے وارثوں کا مجرم ہے جس نے مقتول کے وارثوں پر ایک قیامت برپا کر دی۔ کسی ماں کی گود کو ویران کر دیا۔ کسی گھر کے چراغ کو بجھا دیا، کسی گھر کے سہارے کو ڈھا دیا، کسی بچے کو یتیم کر دیا، کسی عورت کو بیوہ کر دیا۔ تو اصولی طور پر تو یہ مجرم وارثوں کا مجرم ہے جب مجرم مقتول کے وارثوں کا ہے تو جان کے بدلے جان لینے کا حق بھی انہی مقتول کے وارثوں کا ہوگا۔ جو وہ حکومت کے ذریعے سے لیں گے۔ لہٰذا مقدمہ عدالت میں جائے گا اور عدالت پوچھے گی کہ تم قصاص لینا چاہتے ہو یا نہیں۔ اگر مقتول کے وارث یہ کہیں کہ ہم قصاص لینا چاہتے ہیں یعنی جان کے بدلے جان لینا چاہتے ہیں تو قاتل کو پھانسی دے دی جائے گی۔ اور اگر مقتول کے وارث قصاص کے بجائے صلح پر راضی ہو جائیں۔ یعنی مال لے کر قاتل کی جان بخشی کر دیں تو یہ بھی جائز ہے۔ دونوں فریقوں کی رضامندی سے جتنے مال پر بھی صلح ہوگی وہ مال مقتول کے وارثوں کو مل جائے گا۔ اور مقتول کے وارثوں کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کسی مال کے بغیر ہی قاتل کو معاف کر دیں۔ قرآن پاک کی ترغیب بھی یہی ہے کہ معاف کرنے والے کو بے حد ثواب ہے۔ (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 41 , 40 اور 43) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ (مفہوم) اگر تم معاف کرو گے تو ہمارے پاس تمہارے لیئے بے حد خاص انعامات ہیں لیکن چونکہ تمہارے دل میں غم ہے۔ انتقام کی آگ سلگ رہی ہے اور تم برداشت نہیں کر پا رہے ہو اور چاہتے ہو کہ قصاص لو۔ تو تمہیں قصاص لینے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر معاف کر دو تو بہت ہی اچھا ہے۔

یہ ہے اسلام کا قانون یعنی اگر مقتول کے وارثین قاتل سے مال لے کر اس کی جان بخشی کر دیں یا کسی مالی معاوضے کے بغیر ہی معاف کر دیں تو دونوں خاندانوں کی دشمنیاں ختم ہو جائیں گی بلکہ قاتل کا خاندان جب یہ دیکھے گا کہ مقتول کے غم زدہ خاندان نے ہمارے اوپر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ ہمارا چشم و چراغ بچ گیا اور اس کے باوجود ہمیں معاف کر دیا ہے تو ہمیشہ کے لئے اس خاندان کے بے دام غلام بن جائیں گا۔ محبتیں پروان چڑھیں گی، عداوتیں ختم ہو جائیں گیں اور اگر مقتول کے وارثین نے قصاص لے لیا تو برابر۔ برابر معاملہ ہو جائے گا کہ ایک جان ادھر سے گئی اور ایک جان ادھر سے گئی۔ لیکن انگریزی دور کا قانون دیکھئے اس قانون میں یہ ہے کہ قاتل حکومت کا مجرم ہے۔ مقتول کے وارثوں کا مجرم نہیں ہے۔ گویا جو گھر تباہ ہوا اس کا مجرم نہیں ہے پھر عدالت میں مقدمہ جاتا ہے۔ برسوں تک مقدمہ چلتا ہے۔ سفارشیں چلتی ہیں، رشوتیں چلتی ہیں، پیشیوں پر پیشیاں پڑتی ہیں اور فرض کیا پھانسی کا حکم ہو جائے تو صدر مملکت سے رحم کی اپیل کی جاتی ہے اور صدر کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ معاف کرے یا قصاص لے، یا جیل میں عمر قید دے یا جرمانہ کرے تو وہ بھی حکومت کے خزانے میں گیا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گھر برباد ہوا مقتول کے وارثوں کا اور معاف کرے صدر مملکت یا جرمانہ جائے حکومت کے خزانے میں یہ کہاں کا انصاف ہے؟

اس نظام میں اکثر رشوت دے کر سفارش کر کے رحم کی اپیل کر کے قاتل چھوٹ جاتے ہیں تو مقتول کے وارث جب بھی اس قاتل کو اپنے سامنے یوں دندناتا دیکھیں گے تو ان کے خون کھولیں گے۔ دشمنیاں پیدا ہوں گی پھر ایک قتل کی وجہ سے دسیوں بیسیوں قتل ہوتے ہیں۔ انتقام کی آگ سلگتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ نسل در نسل جاری رہتا ہے۔ عرب میں جب اسلام آیا تو اس وقت وہاں بھی یہی کیفیت تھی کہ خون کا سلسلہ نہیں رکتا تھا۔ خاندانی دشمنیاں بڑھتی چلی جاتی تھیں۔ لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے

ہی رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں (سورۃ البقرہ آیت نمبر 179) قصاص کا قانون نازل کیا اور فرمایا وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ "قصاص کے اندر تمہاری زندگی ہے اے عقل والو"۔ قصاص میں بظاہر تو ایک آدمی یعنی قاتل کی جان جاتی ہے لیکن درحقیقت پورے معاشرے کو اس سے زندگی ملتی ہے اور عداوتیں ختم ہوتی ہیں۔

دیت کا قانون:

اسلامی ملک میں اگر کسی مسلمان نے کسی فرد کو چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو عمداً قتل کر دیا تو قصاص آئے گا اور اگر جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تو خون بہا آئے گا۔ اسلام نے غیر مسلم کو بھی تحفظ دیا ہے۔ اسلام میں انسانی جان کی بڑی قدر و قیمت ہے اگر کافر بن کر رہتا ہے تو جان و مال کی حفاظت کرنا ہماری شرعی ذمہ داری ہے۔ دیت کا قانون شریعت نے یہ مقرر کیا ہے کہ یا تو سو اونٹ مقتول کے وارثوں کو دلوائے جائیں یا سو اونٹ کی قیمت دلوائی جائے۔ ایک اونٹ کی قیمت آج کل 7 ہزار ہو تو سو اونٹوں کی قیمت 7 لاکھ ہوگی۔ تو ایک جان کا خون بہا سات لاکھ روپے ہوا۔ انگریز کے ظالمانہ قانون میں قاتل کو جیل میں ڈال دیا، عمر قید کر دی یا لاکھوں روپے جرمانہ کر دیا جرمانہ حکومت کے پاس گیا مقتول کا گھرانہ تو بے چارہ ختم ہی ہو گیا۔ نہ کمانے والا رہا نہ بیوی بچوں کو پالنے والا رہا نہ بچوں کی تعلیم و تربیت کرنے والا ہے۔ بچے تعلیم کہاں سے لیں گے؟، ایسے بچے جب جوان ہوں گے تو ان کے دلوں میں اپنے معاشرے کے خلاف بغاوت کے جذبات ہوں گے۔ کہ ہمیں معاشرے نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ ہماری ماں ہمارے خاندان کی کسی نے خبر ہی نہ لی۔ ایسے لوگ بڑے ہو کر معاشرے کے بدترین افراد بنا کرتے ہیں۔ زیادہ تر ڈاکو، چور باغیانہ جذبات رکھتے ہیں اور ڈاکے ڈالتے ہیں، چوریاں کرتے ہیں اور دوسرے جرائم کرتے ہیں تو ایک طرف مقتول کا خاندان برباد ہوا اور جرائم کے راستے پر آ گیا۔ دوسری طرف قاتل کو جیل میں ڈال دیا اس کا خاندان بھی برباد ہو گیا۔ اگر معافی ہو گی تو دشمنیاں اور عداوتیں بڑھتی گئیں۔

قانون دیت اسلام کا ایک عادلانہ قانون ہے کہ قتل خطاء میں قاتل نے اگر جان بوجھ کر قتل نہیں کیا۔ مگر لاپرواہی سے کام لیا جس سے ایک انسانی جان چلی گئی اور اس کے گھر پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ لہٰذا دیت کی وہ بھاری رقم اس خاندان کو دلوا کر اس خاندان کو تباہ ہونے سے بچایا جاتا ہے۔ تاکہ اس خاندان کے بچے یہ محسوس کریں کہ معاشرے نے ہمارے دکھ درد میں ہمارا ساتھ دیا ہے۔ بیوہ کو بھی سہارا ملا اور خاندان والوں کے دلوں سے عداوت ختم ہوئی۔ شریعت کی رو سے قاتل کو دیت لے کر رہا کر دیا جاتا ہے۔ اب وہ کمائے گھر والوں کو پالے، ان کو تعلیم تربیت دے اور محتاط ہو کر زندگی گزارے۔ اسلام کا قانون ایک لچک دار قانون ہے۔ اس میں ہماری زندگی ہے اور عقل والوں کو اس میں اپنی عقل دوڑانے کے لیے کہا گیا ہے۔

اب دیکھئے شریعت کا یہ قانون ہے کہ سو اونٹ دو یا ان کی قیمت یا پھر ایک ہزار دینار اور سونے کے ایک ہزار دینار بھی بڑی رقم ہے۔ اس لیے تیسری شق شریعت کے قانون میں یہ ہے کہ حکومت کو اختیار ہے کہ چاندی کے حساب سے دیت مقرر کر دے۔ چاندی کا قانون یہ ہے کہ دس ہزار درہم یا اس کی قیمت ادا کی جائے۔ یہ رقم بہت کم ہے کیونکہ آج کل ایک ہزار درہم چاندی کی قیمت تقریباً باون روپے تولہ کے حساب سے ڈیڑھ لاکھ روپے سے کچھ کم ہے۔ بازار میں قیمت میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے جتنی قیمت گھٹے گی یا بڑھے گی دیت کی قیمت میں کمی بیشی اسی حساب سے ہوتی چلی جائے گی چاندی کی قیمت بڑھ جائے گی تو دیت کی رقم بھی بڑھ جائے گی۔ چاندی کی قیمت گھٹ جائے گی تو دیت کی رقم بھی گھٹ جائے گی۔ آج کل تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار روپے بنتے ہیں تو کہاں اونٹوں کے حساب سے سات لاکھ روپے اور کہاں چاندی کے حساب سے ایک لاکھ چالیس ہزار تو موجودہ زمانے میں علماء کرام سے مشورے کے بعد چاندی کے حساب سے دیت مقرر کی گئی ہے۔ قاتل کے خاندان کی مالی حالت دیکھ کر زیادتی کر دی جاتی ہے۔ ورنہ یہ رقم دینی قاتل کے خاندان پر کچھ بھاری نہیں ہوتی۔ یہ بات ہوئی صرف ایک قانون کی۔ اسلام میں اسی طرح مالیات کا قانون، سٹے، جوئے اور سود کو ختم کرنے کے قانون ہیں اور ان میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ شریعت نے دیت کے قانون میں ایک اور آسانی بھی رکھی ہے۔ یعنی دیت کی ادائیگی میں بڑی حکیمانہ تدبیر اختیار کی گئی ہے۔ جس کے ذریعے دیت دینے والے کے لیے آسانی بھی پیدا کی گئی اور معاشرے کی تطہیر کا خود احتسابی نظام بھی تشکیل

دیا۔شریعت نے قتل خطاء کا قانون یہ بنایا کہ چونکہ قاتل نے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا ہے بلکہ لا پرواہی کا ارتکاب کیا ہے اس لیئے اس کی جان کے بدلے جان نہیں لی جائے گی بلکہ (جرمانہ) یعنی دیت کی ادائیگی لازمی ہوگی۔اور دیت کی ادائیگی میں یہ سہولت پیدا کردی کہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تنہا قاتل ہو بلکہ یہ ادائیگی اس کی ''عاقلہ'' پر آئے گی۔عاقلہ ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا مطلب یہ سمجھ لیجئے کہ ایک ایسی جماعت، تنظیم، انجمن، قبیلہ، یا خاندان یا ایسی برادری جس سے وہ قاتل حمایت حاصل کرتا ہے۔یا حمایت حاصل کرنے کی توقع کرتا ہے اس جماعت کو عاقلہ کہتے ہیں مثلاً کسی ڈرائیور سے ایسا ہوا تو اگر وہ ڈرائیور کسی ٹریڈ یونین سے ہے تو اس پر بوجھ آئے گا اور ہر فرد سے تھوڑی تھوڑی رقم لے کر دیت کی رقم ادا کی جائے گی۔اور قاتل احسان مند ہوگا۔آئندہ احتیاط کرے گا۔دوسرے ڈرائیور محتاط ہوجائیں گے اسی کا نام خود احتسابی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے عقل والوں کو غور کرنے کے لیے کہا ہے تو فقہا کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر قاتل کوئی ایسا شخص ہے کہ اس کا کوئی عاقلہ ہی نہیں ہے مثلاً کوئی تنظیم، کوئی قبیلہ، برادری یا کوئی ٹریڈ یونین اس کی نہیں ہے تو دیت کی پوری رقم ایسے قاتل سے تین سال کی مدت میں وصول کی جائے گی۔اب اگر فقہا کے مطابق وہ قاتل غریب ہے اور اتنی رقم دینے کے قابل نہیں ہے تو اس کا ایک اور راستہ بھی کھلا ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے تو زکوٰۃ کے فنڈ سے اس کی رقم ادا کی جاسکتی ہے تاکہ وہ دیت ادا کرسکے اور اگر فرض کیا وہ مستحق زکوٰۃ نہیں (یعنی شیعہ، قادیانی، یہودی کوئی بھی ہے) تو اس صورت میں حکومت اس کی طرف سے دیت ادا کرے گی۔تاکہ کسی مسلمان کا خون رائیگاں نہ جائے اور یوں نہ کیا جائے کہ مقتول مکھی یا مچھر کی طرح ختم ہوگیا اور فریاد سننے والا کوئی نہ تھا یہ ہے اسلامی نظام اور اسلامی قانون نے کچھ نہ کیا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ملک میں اسلامی نظام اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی توفیق کامل عطا فرمائے۔(آمین)

****

اسلام کا نظام صدقات (زکوۃ،عشر،صدقہ،فطرانہ،قربانی اور انفاق فی سبیل اللہ)

غربت کا خاتمہ اور مال کے خرچ کرنے کی افادیت

ایمان کے دو شعبے ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور بھیجے ہوئے قانون کی عظمت۔

2۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت، مدارت اور رحم و کرم۔

ایک بدنی زندگی کا علم اور ایک روحانی زندگی کا علم۔

1۔بدنی زندگی کے نیچے: یہ تمام شعبے آتے ہیں جیسے کھانا پینا، گھر بنانا، بازار وغیرہ آنا جانا۔

2۔روحانی زندگی کے نیچے: یہ شعبے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے آگے کیسے جھکا جائے؟ اس کو راضی رکھنے کے لیے کونسے راستے اختیار کئے جائیں؟

ہر سو سال کے بعد قوم کی ذہنیت بدل جاتی ہے۔ایک نسل ختم ہوتی ہے دوسری آ جاتی ہے۔تبدیلیاں ہوتی ہیں، نظریات بدلتے ہیں، عروج و زوال اقوام کی زندگی کا حصہ ہوا کرتے ہیں۔لیکن اسلامی تاریخ میں یہ حقیقت بھی سنہری حروف سے لکھی جاتی ہے کہ سیاسی طور پر تباہ ہو جانے کے باوجود اسلامی نظام نے مسلم اُمہ کو بکھرنے نہیں دیا۔سیاسی شکست کے باوجود بطور نظام حیات یہ اسلام کی فتح تھی۔کسی بھی نظام کو اس وقت تک قبول کیا جاتا اور اس کی پاسداری کی جاتی ہے جب تک اس کے ذریعے معاشرے اور عامتہ الناس کو اپنے مسائل کا حل ملتا رہے اور معاشرے میں سکون رہے۔یعنی زمانے کے ارتقا کے ساتھ ساتھ نظام کا ارتقا بھی ضروری ہے۔ بصورت دیگر قوانین پرانے ہوتے چلے جاتے ہیں اور نظام ترک کر دیا جاتا ہے۔ اسلام کے صدیوں پر محیط غلبہ اور تمکن کی بنیادی وجہ اسلام کا یہی ارتقائی مرحلہ تھا۔

اُس دور کے علماء بیک وقت علوم دینیہ و جدیدہ کے ماہرین ہوا کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ ایسے گراں قدر آئمہ و مجتہدین پیدا ہوئے۔جن کی کاوشوں سے اسلام بطور متحرک اور قابل عمل نظام حیات کے جانا اور مانا گیا۔بعد کے ادوار میں اسلام کا یہ اجتہادی اور ارتقائی پہلو قائم نہ رہ سکا۔زمانہ اپنی رفتار سے آگے بڑھتا رہا مگر اسلامی قوانین جامد ہوتے چلے گئے۔تعلیم کو دینی اور دنیاوی اصطلاحات کے دو دائروں میں تقسیم کر دیا گیا۔اس طرح اسلامی معاشرہ ایسے علماء فضلا و سکالرز پیدا کرنے میں ناکام رہا جو بیک وقت علوم دینیہ و جدیدہ پر دسترس رکھتے ہوئے اجتہاد کے ذریعے اسلامی نظام زندگی کو زمانے کی رفتار سے ہم آہنگ رکھ سکتے۔اس طرح عامتہ الناس کی زندگیوں میں اس اسلامی نظام کا دخل بھی گھٹتا چلا گیا۔کیونکہ معاشرے کو تو اپنے مسائل کے حل درکار ہوتے ہیں۔اسلام دشمن قوتوں نے یہ تاثر دینا شروع کر دیا کہ احکام شریعت دور حاضر میں (معاذ اللہ) قابل عمل اور لائق نفاذ نہیں رہے۔معاشرے کا تعلیم یافتہ طبقہ ان خیالات سے متاثر ہوتا چلا گیا۔چونکہ جہاں دینی مدارس کے علماء جدید مسائل سے ناواقف تھے وہاں جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی دین کی روح سے نا آشنا تھا۔لیکن اگر ہم غور کریں اور دین کی تھوڑی بہت سمجھ بوجھ بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں تو ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ اسلام دین فطرت ہے۔اس کی تمام تر تعلیمات فطرت کی صحیح صحیح عکاسی کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی تمام تر ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس دین کو انسان کی فلاح و بہبود کے لیے تجویز کیا ہے۔یہ دین انسان کی حیثیت کا صحیح صحیح تعین کرتا ہے اور انسان کی راہنمائی کا ضامن ہے۔یہ زندگی کی مثبت تعمیر کرتا ہے۔یہ تمام انسانوں کو اصولی اور ٹھوس معلومات فراہم کرتا ہے۔اس دین کا اصل مصدر قرآن پاک ہے اور تشریحی مصدر سنت رسول خاتم النبیین ﷺ ہے۔قرآن پاک اور سنت رسول خاتم النبیین ﷺ انسان کی عظمت اور بزرگی کے امین ہیں۔

دین اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو خود بھی سراپا سلامتی ہے اور دوسروں کو بھی امن و سلامتی، اعتدال و توازن اور صبر و تحمل کی تعلیم دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بھرے نظام دنیا میں کسی کو مراتب دنیا سے بہت نوازا ہے اور کسی کو کم اور کسی کو اس سے بھی کم اور یقیناً اس طرح کسی کو ''عقل'' کسی کو "عقل منیب اور کسی کو عقل سلیم" عطا فرمائی۔اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں دین اسلام سے آگاہی کا شعور بخشا۔ہماری عقل کے مطابق نظام دنیا کو برقرار رکھنے کے لیے مراتب کی یہ کمی بیشی ہی ٹھیک تھی ورنہ یہ حال ہوتا کہ:

میں بھی رانی تو بھی رانی
کون بھرے گا پانی؟

اگر سب ایک جیسے ہو جاتے تو نظام دنیا کا چلنا ناممکن تھا۔لیکن آئین قادر مطلق نے اسلامی معاشرے میں ایسے نظام ضروری قرار دیئے جن پر اگر پورے طور پر

عمل کیا جائے تو اسلامی معاشرہ، عدل وانصاف اور خوش حالی سے بھر جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان گھر میں پیدا فرمایا۔ اسلام امن وسلامتی، محبت اور مروت کا دین ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھوں مسلم اور غیر مسلم سب بے گناہ انسانوں کی جان و مال محفوظ رہیں۔ شریعت اسلامیہ میں مسلم ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق مسلم شہریوں کی طرح ہیں۔ بحیثیت انسان ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اسلامی معاشرے میں دوسروں کی مدد کرنے اور ان کا خیال رکھنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔ معاشرے کی خوشحالی اور انسانیت کی بقا کے لیے اسلام میں اللہ تعالیٰ نے جو مراعات دیں ہیں وہ ہمیں اور کسی مذہب میں نظر نہیں آتیں۔ جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔ زکوٰۃ، صدقہ، صدقہ فطر، انفاق فی سبیل اللہ، قربانی وغیرہ۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ ایک اہم اسلامی عبادت ہے۔ اس میں ایک طرف زکوٰۃ دینے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور دوسری جانب غربا اور مساکین کی حاجت پوری کی جاتی ہے۔ زکوٰۃ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نماز کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس لیے زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ البقرہ آیت نمبر 43, 83, 110 اور 179) میں فرمایا و اقیمو الصلوٰۃ و اتو الزکوٰۃ ''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو''۔ یعنی ایک جانی عبادت اور دوسری مالی عبادت۔ آخرت کے طلب گار پر اس کی زکوٰۃ میں چند ایک ذمہ داریاں ہیں۔

1۔　پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مقصد کیا ہے؟ اور یہ تین چیزیں ہیں۔

1۔　اپنی محبوب چیز کے نکالنے سے اللہ کی محبت کا امتحان　2۔　بخل سے پاک ہونا　3۔　مال کی نعمت کا شکر ادا کرنا

2۔　دوسری ذمہ داری: پوشیدہ طور پر مدد کی جائے (زکوٰۃ دی جائے) تاکہ دکھاوے میں نہ شمار ہو جائے۔ کیونکہ ''ریا'' (دکھاوے) سے عمل برباد اور نیکی ضائع ہو جاتی ہے۔

3۔　تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ مدد کر کے مال دے کر احسان نہ جتلایا جائے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ ادا کرنا عبادت ہے۔ یہ نعمت مال کا شکر ادا کرنا ہے۔ تو پھر دینے والے اور لینے والے کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہتا۔

4۔　چوتھی ذمہ داری یہ کہ یہ نیکی پوشیدہ طور پر کی جائے، نیکی کرنے میں جلدی کی جائے اور اس نیکی کو بہت ہلکا سمجھا جائے۔

5۔　پانچویں ذمہ داری یہ کہ دیتے وقت اچھا مال دیا جائے کیونکہ جو آج دیا جائے گا وہ کل قیامت کے دن مل جائے گا۔

6۔　چھٹی ذمہ داری یہ ہے کہ مستحق آدمی کو زکوٰۃ دینا ہے جس میں ترتیب وار غریب، پرہیز گار، عبادت گزار، عالم اور تبلیغ کرنے والے۔ قرابت دار، عیال دار، محصور، بیمار، مسکین (محتاج جن کے پاس کچھ نہ ہو، جن میں بوڑھے بیمار شامل ہیں) فی سبیل اللہ جن لوگوں کا مال یا سواری ہلاک ہو جائے یا مجاہدین یا حاجیوں کی جماعت سے بچھڑ جائے۔ اس طرح طالب علم زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ ابن سبیل جن کے پاس اپنے وطن میں مال ہے لیکن اب غیر وطن میں ان کے پاس مال نہیں یعنی مسافر غریب، یا ایسا مسافر جس کا مال غیر وطن میں کھو گیا اور وہ لوگ جو زکوٰۃ وصول اور تقسیم کرنے والے ہیں۔ اب دیکھئے کہ زکوٰۃ کس طرح وصول کی جاتی ہے اور کس طرح دی جاتی ہے کہ کسی انسان کی عزت نفس پر آنچ تک نہیں آنی چاہیے۔ صحابہ کرامؓ میں سے اکثر کا زکوٰۃ دینے کا طریقہ یہ تھا کہ جب مستحق شخص نماز پڑھتے وقت سجدے میں جاتا تو چپکے سے ان کے پیر کے نیچے رقم (تھیلی میں ڈال کر) رکھ دی جاتی۔ اس طرح دینے والے نے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔ لینے والے کی مدد بھی ہو گئی اور وہ کسی کا زیر بار بھی نہیں ہوا۔

تمام مسلمانوں کو یہ بات بتا دی گئی ہے کہ اگر زکوٰۃ معاشرہ میں پوری پوری ادا کر دی جائے تو معاشرہ میں کوئی فرد محتاج نہیں رہے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے غریبوں کا مال بھی امیروں کے گھر اتار دیا ہے تاکہ نظام دنیا چلتا رہے۔ سب ایک جیسے ہو جائیں گے تو کاروبار دنیا کیسے چلے گا؟

اسی طرح عشر ہے شرعاً زمین کی پیداوار سے زکوٰۃ نکالنے کو عشر کہتے ہیں''۔ اور یہ مقدار پوری زرعی پیداوار کا دسواں حصّہ ہے۔ یہ بھی محتاجوں کی مدد میں استعمال ہونے والی رقم ہے۔

اسلام میں دوسروں کی امداد کی ایک صورت صدقہ ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "صدقہ کرو اگر چہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی جو کچھ ہے دینے میں جھجک نہ محسوس کرو، گو کہ بہترین چیز دینے کا اجر اپنی جگہ مسلم ہے لیکن محتاج تو ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کا بھی محتاج ہو سکتا ہے"۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ہر روز صبح ہوتے ہی تم میں سے ہر شخص کے جوڑ پر ایک صدقہ ہے، تو اس کے لیے ہر نماز کے بدلہ ایک صدقہ (کا ثواب) ہے، ہر روزہ کے بدلہ ایک صدقہ (کا ثواب) ہے، ہر حج ایک صدقہ ہے، اور ہر تسبیح ایک صدقہ ہے، ہر تکبیر ایک صدقہ ہے، اور ہر تحمید ایک صدقہ ہے، اس طرح رسول اللہ خاتم

النبیین ﷺ نے ان نیک اعمال کا شمار کیا پھر فرمایا "ان سب سے تمہیں بس چاشت کی دو رکعتیں کافی ہیں"۔(سنن ابی داؤد)

بریدہؓ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اور ہر جوڑ کے بدلے صدقہ کرنا اس پر لازم ہے۔'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "اللہ کے نبی اتنی طاقت کون رکھتا ہے "؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''مسجد سے بلغم کو صاف کر دینا، راستہ سے کسی تکلیف کو دور کر دینا (صدقہ ہے)، پس اگر تو نہ پائے تو چاشت کی دو رکعتیں تیرے لیے کافی ہیں۔'' (مشکوۃ المصابیح)

صدقہ میں ہم جانور، مال، کپڑے، سب کچھ دے سکتے ہیں اور یہ مال جانور اور کپڑے غیر مسلم کو بھی دیئے جا سکتے ہیں گو یا اس مد میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار چیزیں صدقہ جاریہ میں شمار کی جاتی ہیں یعنی جن کا ثواب ہمیشہ جاری رہتا ہے اور دینے والے کو پہنچتا رہتا ہے مثلاً مسجد بنانا، مدرسہ بنوا دینا، مسافر خانہ بنوا دینا، کنواں بنوانا، ہسپتال بنوا دینا، یتیم بچوں کی پرورش کرنا، یتیم بچوں کو تعلیم دلوا دینا۔ صدقہ جانوروں اور پرندوں حتیٰ کہ دریا کی مچھلیوں تک کی خبر گیری کے لیے ہوتا ہے۔ کوئی چیز جانوروں کو ڈال دی، گوشت چیل کووں کو ڈال دیا، دانے پرندوں کو، بھورے چیونٹیوں کو اور اسی طرح دریا میں مچھلیوں کو آٹے کی میٹھی گولیاں بنا کر ڈالی جا سکتی ہیں اور یہ تمام جانور، پرندے، چیونٹیاں اور مچھلیاں سب کی سب صدقہ کرنے والوں کو دعائیں دیتے ہیں۔ کہ ''یا اللہ جس طرح ان انسانوں نے ہمارا خیال کیا تو بھی ان کا خیال کرنا''۔

اس طرح اسلام میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کی بھلائیاں جانوروں، پرندوں، چیونٹیوں اور مچھلیوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرنے پر بھی موقوف کی ہیں۔ یہاں سے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ صدقہ سے نہ صرف انسان بلکہ باقی مخلوق بھی فائدہ اٹھاتی ہے۔

صدقہ فطر کیا ہے؟

اسی طرح ایک چیز ہے کہ صدقہ فطر، رمضان المبارک میں روزوں کی برکتوں اور نعمتوں سے فیض یاب ہونے کے بعد رمضان المبارک کے اختتام پر روزوں کا صدقہ دیا جاتا ہے جسے صدقہ فطر یا عرف عام میں فطرانہ کہتے ہیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "روزے کی عبادت اس وقت تک زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک مسلمان صدقہ فطر ادا نہیں کر لیتا ''۔(مسلم، جامع ترمذی)

اسلام کے اس مد میں خرچ کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک میں بھوک اور پیاس کی مشقت برداشت کرنے کے باعث ہمدردی اور مواخات (بھائی چارہ) کے جوجذبات پروان چڑھتے ہیں انہیں عید الفطر کے موقع پر جب مسلمان مسرت و شادمانی اور خوشی و انبساط کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اچھے اچھے کھانے، نئے نئے کپڑے بنواتے ہیں اور اپنے بچوں کی خواہشات پوری کرتے ہیں معاشرے کے نادار، مظلوم، مفلوک الحال اور غریب افراد کو بھی انسانی ہمدردی کے تحت حسرت و یاس سے بچا کر کسی قدر اطمینان اور ستائش مہیا کی جائے۔ تاکہ وہ بھی معاشرے کے دوسرے افراد کی طرح اپنے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''صدقہ فطر سے نادار، حاجت مندوں کو کھانا مل جاتا ہے''۔ ہمیں حکم ہے کہ ہم عید منانے سے قبل اپنے نادار مسلمان بھائیوں کو بھی عید کی خوشیوں میں شریک کریں تاکہ وہ بھی اپنے دامن میں لیے ہوئے غموں اور پریشانیوں کو بھول کر آسودہ حال مسلمان بھائیوں کے ساتھ نماز عید ادا کر سکیں اور اس مبارک دن کی برکتوں اور سعادتوں سے فیض یاب ہو سکیں۔

تمام مسلمان بھائیوں اور باقی غیر مسلموں کو بھی اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کا درس ہمیں اسلام نے دیا ہے۔ اس کا عملی نمونہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں دیا ہے۔ عید کے دن نبی کریم خاتم النبیین ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے۔

ترجمہ: '' اے اللہ اے ہمارے رب ہم تجھ سے پاک صاف زندگی اور عمدہ موت طلب کرتے ہیں۔ (باری تعالیٰ) ہمارا تیری طرف لوٹنا رسوائی کا لوٹنا نہ ہو۔ باری تعالیٰ ہمیں اچانک ہلاک نہ کرنا، نہ اچانک پکڑنا، نہ ایسا کرنا کہ ہم حق ادا کرنے اور وصیت کرنے سے رہ جائیں، اے ہمارے رب ہم حرام سے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی رسوائی سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ ہم تجھ سے پاکیزہ زندگی، نفس کا غنی، بقا، ہدایت، کامیابی اور دنیا اور آخرت کے انجام کی بہتری طلب کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہم شکوک و شبہات اور آپس میں نفاق، ریا، بناوٹ اور دین کے کاموں میں دکھاوے کے عمل سے پناہ چاہتے ہیں۔ اے دلوں کو پھیرنے والے رب ہمارے دلوں کو ہدایت کی طرف پھیرنے کے بعد ٹیڑھے نہ کر دینا۔ اور ہمیں اپنی طرف سے خاص رحمت عطا فرمانا بے شک تو سب کچھ دینے والا ہے''۔

اگر ہم مندرجہ بالا دعاؤں کے مطابق زندگی بسر کریں تو کیا ہی کہنا۔ اس لیے عید کی خوشیوں کو محض دنیاوی خوشیوں کا محور نہیں جاننا چاہیے۔ بلکہ توشہ آخرت پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت ہے اور توشہ آخرت میں سب سے بڑی بات مخلوق خدا کا خیال رکھنا ہے۔ (یعنی خدمت خلق)

قربانی:

اب ایک عبادت قربانی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا ''اے اللہ محمد خاتم النبیین ﷺ کی امت میں جو لوگ قربانی کریں گے ان کا کیا ثواب ہے"؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" ان کا ثواب یہ ہے کہ ہر بال کے عوض میں 10 نیکیاں عطا کی جائیں گی۔ دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے"۔عرض کیا" الٰہی جب جانوروں کے پیٹ چاک کئے جائیں تو کیا ثواب ہے"؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" (ایسے لوگ جو دنیا میں قربانی کیا کرتے تھے) جب قیامت کے دن ان کی قبر کھلیں گی تو یہ لوگ بھوک، پیاس اور قیامت کی سختیوں سے محفوظ باہر آئیں گے"۔ پھر فرمایا" اے داؤد آپ علیہ السلام نہیں جانتے کہ قربانیاں پل صراط پر سواریاں بنیں گی۔ قربانیاں گناہوں کو مٹاتی اور مصیبتوں کو دور کرتی ہیں۔ قربانیاں مومن کا فدیہ ہیں جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے ذبح فدیہ بنا تھا"۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اچھے جانور قربان کیا کرو، قیامت کے دن یہ ہی تمہاری سواریاں بنیں گے"۔ (تلخیص الحبیر 4/138)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

ترجمہ: ''جس دن پرہیزگار لوگ رحمٰن کی طرف وفد بنا کر اٹھائے جائیں گے۔ پل صراط سے گزرنے کے لیے ان کی سواریاں یہی قربانی کے جانور ہوں گے۔ پھر ان لوگوں کو ایسی اونٹنیاں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا کہ ایسی کسی مخلوق نے نہیں دیکھی ہوں گی۔ ان کے کجاوے سونے کے اور ان کی مہاریں زمرد کی ہوں گی۔ یہ اونٹنیاں ان کو جنت تک لے جائیں گی۔ یہ ان کو جنت کے اتنے قریب پہنچا دیں گی کہ وہ جا کر جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے''۔ (تفسیر سورۃ زمر آیت نمبر 73)

مومن اپنے قربانی کے اس اجر و ثواب کو تو جانتے ہیں لیکن دین سے دوری کے باعث اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ قربانی کا جانور ذبح کر کے اللہ کو راضی نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس جانور کے ذبح کرنے کے قصد کو نہ پہنچا جائے۔ قربانی سے اللہ کی رضا، غریب اور مستحق لوگوں کی مدد کرنا ہے۔ اسی لیے ایک جانور کے تین حصہ کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ ایک پورا حصہ اپنا ، ایک حصہ رشتہ داروں کا اور ایک حصہ صدقہ کا جو صرف غریبوں اور محتاجوں کو دیا جاتا ہے اور جس کا خود کھانا حرام ہوتا ہے ، زیادہ تر دیکھنے میں آتا ہے کہ قربانی خود رکھ لی، رشتہ داروں کو دے دیا اور غربا بیچاروں کے لیے کچھ بچا ہی نہیں اور اگر کچھ دیا تو چھیچھڑے، یا چربی اور ہڈیاں، تو ایسی قربانی میں چاہے کتنا ہی اچھا جانور ذبح کر لیا جائے وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قربانی اپنے لیے کی یا پھر رشتہ داروں کے لیے، غربا و مساکین کو کیا دیا؟ اگر نہیں دیا یا ناقص مال دیا تو ثواب کہاں رہا؟ اور کونسی سواریاں پل صراط پر ان کے لیے ہو سکتی ہیں؟

دین اسلام کا ایک ڈھانچہ ہے، ایک روح ہے۔ ان تمام صدقات کو دیتے وقت ایک مسلمان اگر روح، ایمان سے واقف ہو جائے تو بات بن جاتی ہے لیکن آج کل دین کی تعلیم بس اتنی ہی رہ گئی ہے کہ بچوں کو قرآن پاک ناظرہ پڑھا دیا جائے، بس یہ اس مسلمان کی زندگی بھر کے لیے کافی ہو گیا۔ روح کے اندر ایک سچے مسلمان کا جذبہ ہو تو ہر کام ایمانداری سے کرنے کی عادت پڑ جائے گی۔ اگر ہر مسلمان ایمانداری سے اپنے حصے کی زکوۃ، صدقات اور خیرات نکالے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلم معاشرے کے اندر خوشحالی نہ آ جائے۔ لیکن معاشرے میں بے ایمانی کی ہوا چل نکلی ہے۔ خوف خدا باقی نہیں رہا۔ اگر اللہ کی ذات کو ہر وقت پیش نظر رکھا جائے اور اس زندگی کے بعد کی زندگیوں کو یاد رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کا خیال نہ رکھے۔ لیکن اللہ کا نام صرف آج کل ہماری زبانوں پر ہی ہے۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز ، روزہ ، قربانی و حج
یہ سب باقی ہے مگر وہ باقی نہیں ہے

مسلم معاشرہ کرپشن سے بھر گیا ہے۔ ہمدردیاں ختم ہو گئیں ہیں، لالچ اور ہوس نے ڈیرے جما لیے ہیں۔ معلوم نہیں ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کس کی پیروی کر رہے ہیں، جس طرح ہم زندگی بسر کر رہے ہیں کیا اس طرح زندگی بسر کرنے کی تعلیم آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں دی۔ ہم تو اس قوم میں سے ہیں کہ میدان جنگ میں ایک صحابی کو جان بچانے کے لیے جب پانی پیش کیا تو اس نے دوسرے کی طرف اشارہ کر دیا کہ اسے پلائیں اور جب اس کے پاس گئے تو انہوں نے تیسرے کی طرف اشارہ کر دیا کہ "پہلے اسے پلائیں"۔ جب ان کے پاس پہنچے تو شہید ہو چکے تھے۔ جب دوسرے کے پاس واپس آئے تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے جب پہلے کے پاس گئے تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ضرورت اس امر کی ہے کہ قوم میں وہی جذبہ پیدا کیا جائے، ہمدردی اور اخوت کا وہی جذبہ جس کی تعلیم ہمیں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے دی تھی۔ ہر شخص اپنی اصلاح خود کر سکتا ہے۔ ہماری بے عملی ہمیں ایسے دور میں لے آئے گی کہ خیر و شر خوب اور ناخوب کا امتیاز مٹتا جا رہا ہے۔ ہمیں ہوس نے پارا پارا کر دیا ہے۔ ہم سب راہب بن گئے ہیں۔ راہب اللہ کی ذات میں گم ہوتا ہے۔ لیکن ہم تو اپنی ذات میں مگن کسی کو کسی کی پرواہ نہیں۔ دراصل ہم احکام خداوندی کو نظر انداز کر بیٹھے ہیں۔ ہم نے پیغام پہنچانے والے کے ساتھ ساتھ پیغام بھیجنے والے کو بھی بھلا دیا۔

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام؟
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خرد مند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

ہماری بے حسی، دین کی ناسمجھی، غفلت، ہوس نے ہماری عبادت سے ہمیں غافل کر دیا۔

یہ زکوۃ، یہ صدقات، یہ فطرانہ، یہ قربانی، یہ خیرات یہ کیا ہیں؟ یہ سب ہماری عبادات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارے سجدے کیا دے سکتے ہیں؟ زندگی بھر کئے گئے سجدوں میں سے ایک سجدہ بھی ایسا نہیں جس کو یاد دلا کر ہم یہ کہہ سکیں گے کہ باری تعالیٰ اس سجدہ میں میں 100 فیصد تیری حضوری میں تھا۔ یہ تمام خیرات آئندہ زندگیوں کی جمع پونجی ہے۔ آخرت میں روپے پیسے کا سکہ نہیں چلے گا۔ وہاں نیکی کا سکہ کام آئے گا۔ اگر یہ بات ہم اپنے بچوں کو شروع سے سمجھا دیں کہ قرآن پاک بار بار کہتا ہے کہ ''جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کل کے لیے کیا بھیج رکھا ہے'' (سورۃ حشر آیت نمبر 18)۔ تو بات بن جائے گی۔

ہمیں عمل کی اس دنیا کی طرف معاشرہ کو لانے کی کوشش کرنی چاہیے جس کا نمونہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ چھوڑ کر گئے ہیں۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایک مسلمان دریا کے بہاؤ پر بہنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ اس کی پیدائش کا مقصد تو یہ ہے کہ زندگی کے دریا کو اس راستے پر رواں دواں کر دے جو اس کے ایمان اور اعتقاد میں راہ راست ہے۔ یعنی صراط مستقیم۔ ایک وقت تھا کہ مسلمان سے دنیا کی ہر طاقت ڈرتی تھی۔ یہ اس وقت تھا جب اس کی ''متاع ایمان'' کو کوئی خریدار، خرید نہیں سکتا تھا۔ آج مسلمان ہر قوم سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ آج اس کے دل و دماغ سے ''متاع ایمان'' کی قدر و قیمت نکل گئی ہے۔ ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ عزت کا جھونپڑا (اللہ کے آگے سرخروی) ذلت کے محل سے (دنیا کی ہوس) سے ہزار درجہ بہتر ہوتا ہے۔

اگر باطل کے خوف سے قلم لرزنے لگیں اور دولت کی ہوس اور لالچ تقدس کو پامال کر دے تو اپنے قلم توڑ کر جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جانا چاہیے۔ تاکہ قلم ضمیر کے خلاف کچھ لکھنے میں ملوث نہ ہو جائے۔ اور دجال کو مسیحا اور مسیحا کو دجال لکھنے سے بچ جائے۔ ضمیر زندہ ہو تو بات بن جاتی ہے۔ ضمیر ہی تو وہ طاقت ہے کہ جس کی نہ کوئی ظاہری صورت ہے اور نہ ظاہری آواز۔ شاید یہ آسمانوں سے آنے والے ہاتف کی صدا ہے جو ہمیں ہماری الائشوں اور غفلتوں سے نجات دینے کے لیے آتی ہے۔ ضمیر کی آواز سننا اسے پہچاننا اور اس کے کہے پر عمل کرنا بڑے نصیب کی بات ہے۔ ضمیر اگر مردہ ہو جائیں تو بس اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ شاید آج کل مسلمانوں کے سامنے بھی اندھیرا ہے جس میں نیکی، ہمدردی اور بھلائی کے راستے دکھائی دینا بند ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ضمیر کو زندہ کر دے۔ اگر یہ زندہ ہو گیا تو ہمارے اعمال کی اصلاح ہونی شروع ہو جائے گی اور پھر یہی ضمیر ہمیں حق اور سچ کا راستہ دکھانا شروع کر دے گا۔ جو کامیابی دارین کا اصل راز ہے۔

دین سے ناواقفیت کی وجہ سے مال جمع کرنے کی آفت اور مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی افادیت چونکہ آج کل مسلمانوں کو نہیں ہے۔ اس لیے ہوس مال اور مال جمع کرنے کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔ اور اسی کے لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے ''اگر انسان کے پاس دو وادیاں (جنگل) سونے کی ہوں تو انسان تیسرے کی جستجو کرنے لگتا۔ اور اگر دو پہاڑ کے برابر سونا ہو تو انسان تیسرے کی جستجو کرنے لگتا ہے۔

انسان کا پیٹ بس قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔''۔ اسی طرح قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (سورہ التکاثر آیت 2,1).

ترجمہ: ''غفلت میں رکھا تمہیں بہتات کی کثرت نے یہاں تک کہ قبریں جا دیکھیں''۔

مال بذات خود انسان کے لیے ایک آفت بن جائے گا۔ اگر اس کو جمع کیا جائے اور اگر خرچ کیا جائے تو معاشرہ بھی خوش حال ہو جائے گا اور اس کے افراد بھی اور

اس کے ساتھ ساتھ خرچ کرنے والے کو وہ سکون عطا ہو گا۔ جو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں جن لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے ان کو اندازہ ہو سکتا ہے۔

اب کچھ مال خرچ کرنے کی فضیلت کے بارے میں

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے اپنے دل میں کہا کہ آج رات چپکے سے صدقہ کروں گا۔ چنانچہ رات کو چپکے سے ایک آدمی کے ہاتھ میں مال دے کر چلا آیا۔ صبح کو لوگوں میں آپس میں چرچا ہوا کہ آج رات کوئی آدمی ایک چور کو صدقہ دے کر چلا گیا۔ صدقہ کرنے والے نے اللہ سے کہا" یا اللہ چور پر صدقہ کرنے میں بھی تیرے لیے ہی تعریف ہے۔ میرا مال تھا ہی اس قابل کہ اگر اس سے زیادہ بدحال کو دیا جاتا تب بھی میں کیا کر سکتا تھا"؟ پھر اس نے دوبارہ ٹھانی کہ آج رات پھر صدقہ چپکے سے کرے گا (اس کے خیال میں پہلا تو ضائع ہو گیا) چنانچہ رات کو صدقہ کا مال لے کر نکلا اور اس کو راستے میں ایک عورت کو دے دیا۔ صبح کو چرچا ہوا کہ رات کو کوئی شخص ایک بدکارہ عورت کو صدقہ دے گیا۔ اس نے کہا" یا اللہ تیری ہی تعریف ہے۔ میرا مال تو اس سے بھی کم درجے کے قابل تھا"۔ پھر تیسری مرتبہ ارادہ کیا کہ آج رات پھر صدقہ کروں گا۔ چنانچہ رات کو پھر صدقہ کرنے نکلا اور اس شخص کو مال دے دیا جو خود مالدار تھا۔ صبح کو چرچا ہوا کہ رات کو ایک شخص ایک مال دار کو صدقہ دے گیا۔ صدقہ کرنے والے نے کہا" یا اللہ سب تعریفیں تیرے لیے ہی ہیں۔ چور پر بھی، زنا کرنے والی عورت پر بھی، اور مالدار پر بھی تیری ہی نظر کرم ہے"۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ تیرا صدقہ قبول ہو گیا۔ تیرا صدقہ چور کو اس لیے دیا گیا کہ شاید وہ اپنی چوری کی عادت سے توبہ کرے۔ اور زانیہ کو اس لیے دلوایا گیا کہ شاید وہ زنا سے توبہ کرلے کہ (جب وہ دیکھے گی کہ بغیر منہ کالا کئے ہی اللہ دے رہا ہے تو اپنے فعل سے باز آجائے گی) اور تیسرا صدقہ مال دار کو اس لیے دلوایا تا کہ اس کو بھی عبرت ہو کہ اللہ تعالیٰ کے بندے کس طرح چھپ چھپ کر مال خیرات کرتے ہیں اور وہ بھی رغبت پکڑے۔ اور وہ بھی اپنا مال غریبوں پر صدقہ کرنے لگے (مشکوٰۃ، متفق علیہ)

آج کل کچھ لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مال (خیرات، صدقات یا زکوۃ وغیرہ) کس کو دیا جائے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا کہ کون مستحق ہے اور کون نہیں ہے؟ اس لیے یہ گزارش ہے کہ اگر کمائی حلال اور جائز ذرائع سے ہے تو مال خرچ کرنے میں برکت اور مال خیرات کرنے میں بھی برکت ہوتی ہے۔ اس کے لیے ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک امیر آدمی ایک بزرگ کے پاس آیا اور کہا ''حضور میں نے اپنا بہت سا مال خیرات کرنا ہے، مجھے کوئی مستحق آدمی بتائیے جس کو میں اپنا مال خیرات کر سکوں۔ بزرگ نے جواب دیا برخوردار یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ صبح اٹھو بازار جاؤ اور جو کوئی بھی مال کا طلب گار ہو اسے مال خیرات کردو۔ مال دار نے کہا ''جی بہت اچھا''۔ دوسرے دن صبح کے وقت مالدار بیدار ہوتے ہی بازار میں چلا گیا دیکھا کہ ایک شخص زور زور سے چلا رہا ہے ''لوگو میری مدد کرو میں نے اپنی بیٹیوں کی شادی کرنی ہے، میں محتاج، غریب، عیال دار ہوں اپنے بچوں کا پیٹ پالنے سے قاصر، میں ہر وقت بیمار رہتا ہوں، بیماری میرا پیچھا نہیں چھوڑتی، اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں۔ خدارا میری مدد کرو''۔ بیچارے غریب کی فریادیں دل ہلا رہی تھیں۔

امیر آدمی یہ سب کچھ سن کر اس کے پاس گیا اور اس کو اپنا بہت سا مال خیرات کر دیا۔ شام کے وقت جب یہ امیر آدمی شراب خانے میں شراب پینے کے لیے گیا تو دیکھا کہ وہ منگتا جو صبح دہایاں دے دے کر خیرات مانگ رہا تھا وہ شراب خانے میں اس سے پہلے شراب پی پی کر دھت ہو چکا تھا۔ امیر آدمی ایک سمگلر تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً باہر نکلا اور اس بزرگ کے پاس گیا جس سے اس نے مال خیرات کرنے کے لیے کسی مستحق کے بارے میں سوال کیا تھا اور تمام ماجرہ ان بزرگ سے بیان کر دیا۔ وہ بزرگ بہت ہی نیک آدمی تھے، ٹوپیاں بنا کر گزارہ کیا کرتے تھے۔ پورے دن میں تین ٹوپیاں بناتے اور ایک روپیہ فی ٹوپی اجرت لیتے (اجرت چونکہ کم تھی اور ٹوپی بہترین اس لیے اسی دن وہ ٹوپیاں بک جایا کرتیں)۔ ان تین روپوں میں سے بزرگ ایک روپیہ اپنے لیے رکھتے ایک اپنے والدین کو دے دیتے اور ایک اپنے گلے میں ڈال دیتے کہ "یہ اس کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ میرے جیسی صحت دی ہے اور نہ میرے جیسا ہنر"۔ (یعنی خیرات کے لیئے الگ رکھ دیتے اور جب موقع آتا خیرات کر دیتے)۔

امیر آدمی کی یہ بات سن کر انہوں نے حیرت کا اظہار کیا اور کہا ''اچھا'' چلو برخوردار ہم دیکھتے ہیں یہ کہا اور گلے میں سے خیرات والا روپیہ نکالا اور امیر آدمی کو لے کر بازار پہنچ گئے۔ کچھ دور تک دونوں چلتے رہے پھر دور سے ایک آدمی آتا ہوا نظر آیا جس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا اور اس نے اس تھیلے میں کچھ رکھا ہوا تھا۔ بزرگ نے اس آدمی کو اپنے پاس بلوایا اور ایک روپیہ دکھا کر کہا یہ خیرات کا ہے لینا ہے۔ اس نے فوراً جواب دیا کیوں نہیں اور روپیہ ان بزرگ کے ہاتھ سے لے لیا۔ شکریہ کہا اور چلتا بنا۔ بزرگ نے امیر آدمی سے کہا '' آئیں'' اور اس غریب آدمی کے پیچھے چل دیئے۔ تھوڑی دور جا کر اس غریب آدمی نے تھیلے میں سے کچھ چیزیں نکال کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دی۔ جب یہ امیر آدمی اور بزرگ کوڑے کے ڈھیر پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک مری ہوئی مرغی پڑی ہے۔ بزرگ نے زور زور سے اس غریب آدمی کو پکارا۔ وہ بیچارہ ڈرتا ہوا پیچھے آیا تو بزرگ نے مرغی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟۔ اس نے بتایا کہ "میں ایک ہفتہ سے بیمار ہوں، میرے گھر میں تین وقت کا فاقہ ہے۔ آج میں مزدوری کی غرض سے نکلا تھا لیکن مجھے مزدوری نہ ملی تو میں نے یہ مردہ مرغی اٹھائی اس لیے کہ میرے بچے فاقے سے ہیں اور میرے منتظر ہوں گے۔ تین وقت کے

فاقے پر مردار حلال ہوجاتا ہے۔لیکن اب آپ نے روپیہ دے دیا ہے اس سے میں اپنے بچوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں خرید سکتا ہوں اب یہ مرغی میرے لیے حرام ہوگئی۔اس لیے میں نے اسے پھینک دیا"۔ بزرگ نے کہا" اچھا اچھا جاؤ۔اللہ تمہارا بھلا کرے"۔اس کے بعد وہ بزرگ اس امیر آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ''برخوردار اپنی کمائی ٹٹولو جائز کمائی محنت کے ساتھ کی گئی رزق حلال کی کمائی چونکہ مالک نے اس کمائی کی خیرات قبول کرنی ہے اس لیے اگر ہم آنکھیں بند کرکے بھی دیں گے تو وہ مستحق کے ہاتھ میں ہی جائے گی۔ناجائز حرام مال کی کمائی کی چونکہ خیرات قبول نہیں کی جاتی اس لیے اگر ٹٹول ٹٹول کر بھی دیں گے تو وہ مستحق کے پاس نہیں پہنچے گی''۔

وہ اللہ تعالیٰ مالک کل ہے اس نے سدھارنے کے اور نوازنے کے انداز مختلف رکھے ہیں کسی کو کسی طرح تنبیہہ اور کسی کو کسی اور طرح۔بس اللہ تعالیٰ ہمارے دل کی آنکھ کو کھلا رکھے کہ حقیقت دنیا ہمیں نظر آنے لگے تو بات بن جائے گی۔

حضرت ابن عباسؓ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں ''صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا اور جب کوئی شخص صدقہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ مال فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جاتا ہے (یعنی قبول ہوجاتا ہے) اور جو شخص ایسی حالت میں دست سوال کو بڑھائے کہ بغیر سوال کئے بھی اس کا کام چل سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں''۔(ترغیب)

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ ''میں اپنے کسی بھائی کی ایک سو درہم سے مدد کروں یہ مجھے زیادہ پسند ہے دور کے لوگوں پر بیس درہم خرچ کرنے سے اور میں اس بھائی پر سو درہم خرچ کروں یہ مجھے زیادہ محبوب ہے ایک غلام آزاد کرنے سے (احیاء،اتحاف)

ایک حدیث ہے کہ ''جب آدمی خود ضرورت مند ہو تو وہ مقدم ہے (یعنی اپنی ضرورت پہلے پوری کرے) جب اپنے سے زائد ہو تو اہل عیال (بیوی بچے) مقدم ہیں۔اس سے زائد ہو تو دوسرے رشتہ دار مقدم ہیں۔ان سے زائد ہو تو پھر ادھر ادھر (یعنی غیر لوگوں پر) خرچ کرے۔اس کا مطلب ہے کہ دوسروں کو بعد میں دینا (موخر کرنا) جب ہی ہوسکتا ہے جب اپنے اہل وعیال کو زیادہ ضرورت ہو۔اور اگر اپنے سے زیادہ محتاج دوسرے ہیں۔یا خود باوجود ضرورت کے صبر پر قادر ہے اور اللہ پر اعتماد کامل ہے تو دوسروں کو مقدم کردینا کمال کا درجہ ہے۔

حدیث: حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ ''غریب پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی، یہ دو چیزیں ہوگئیں''۔(مسند احمد، جامع ترمذی)

حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دختر محترمہ کی یہ والدہ جن کا نام قَیلہ یا قُتَیلہ بنت عَبدُ العُزّیٰ تھا وہ مسلمان نہیں ہوئیں تھیں۔اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں طلاق دے دی تھی۔بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ کچھ گھی پنیر وغیرہ لے کر حضرت اسماءؓ سے کسی اعانت کے لیے (مدد کے لیے) آئیں تھیں۔لیکن حضرت اسماءؓ نے ان کو اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دیا تھا اور اپنی علاتی ہمشیرہ عائشہؓ کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آدمی بھیجا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے دریافت کر کے اطلاع دیں۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اجازت فرمادی۔یہ آیت شریفہ اس موقع پر نازل ہوئی۔ (سورہ ممتحنہ، آیت نمبر 8)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا۔جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے انہوں نے نہیں نکالا۔اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے''۔امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ کافر رشتہ دار کی صلہ رحمی بھی مال کے ذریعے ضروری ہے۔

حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''زکوۃ اسلام کا ایک بہت مضبوط پل ہے''۔(الترغیب)

حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اپنے مالوں کو زکوۃ کے ذریعے محفوظ کرلو، اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی سے استقبال کرو''۔(ابوداؤد، طبرانی، بیہقی)

حدیث: حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے "جو شخص تین کام کرے گا اس کو ایمان کا مزہ آجائے گا۔صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کو اچھی طرح جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔زکوۃ کو ہر سال خوش دلی سے ادا کرے (بوجھ نہ سمجھے) اس میں جانوروں کی زکوۃ بھی شامل ہے۔بوڑھا جانور یا خارشی جانور یا بیمار جانور یا گھٹیا جانور نہ دے بلکہ متوسط جانور دے۔اللہ تعالیٰ زکوۃ میں تمہارے بہترین مال نہیں چاہتے۔لیکن گھٹیا مال کا حکم بھی نہیں فرماتے''۔(ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 188) میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور اس مال کو حکام کے ہاں اس غرض سے نہ لے کر جاؤ کہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ بطریق گناہ کے کھا جاؤ جان بوجھ کر''۔ (یعنی نہ رشوت لو اور نہ ہی رشوت اعلیٰ حکام کو کمیشن کا نام لے کر پہنچاؤ)

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''کسی پر ظلم نہ کرو کسی شخص کا مال زبردستی لینا یا اس کی رضا کے بغیر لینا، یعنی جب وہ دل سے دینا نہیں چاہتا لیکن شرماً حضوری میں انکار بھی نہیں کر سکتا جائز نہیں ہے"۔ (مشکوٰۃ)

وفد ہوازن کا ایک قصہ نہایت مشہور ہے کہ جب وہ شکست کھانے کے بعد مسلمان ہو کر حضو پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ غنیمت میں جو قیدی اور مال ان کا لیا گیا ہے وہ انہیں واپس مل جائے تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے بعض مصالح کی بنا پر یہ وعدہ فرما لیا کہ دونوں چیزیں تو واپس نہیں ہوسکتیں۔ ان میں سے ایک واپس ہوسکتی ہے۔ انہوں نے قیدیوں کے واپس مل جانے کی درخواست کی تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے سب مسلمانوں سے جن کا ان پر حق تھا یہ اعلان فرمایا کہ ''میں نے ان کے قیدی واپس کرنے کا وعدہ کر لیا ہے'' تم میں سے جو شخص خوشی خوشی اپنا حصہ واپس دے وہ دے دے اور جو اس کو پسند نہ کرے ہم اس کا بدل اس کو دے دیں گے۔ بھلا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خواہش پر صحابہؓ میں سے کون انکار کرنے والا تھا؟ پورے مجمع نے عرض کیا ہم طیب خاطر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " مجمع میں جمع ہو کر ٹھیک طریقے سے یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ کون خوشی خوشی راضی ہے اور کون شرماً حضوری میں راضی ہے۔ یعنی خوشی سے اجازت ہے اور کس کی نہیں؟ اس لیے تمہارے چودھری تم سے الگ الگ بات کریں اور پھر تمہاری رضا کی مجھے اطلاع کر دیں"۔ (بخاری شریف)

حدیث: حضرت عمرو بن شعیبؓ سے روایت ہے۔ حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ ''اس امت کی اصلاح کی ابتداء (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) یقین اور دنیا سے بے رغبتی سے ہوئی ہے اور اس کے فساد کی ابتداء بخل اور لمبی لمبی امیدوں سے ہوگی''۔ (مشکوٰۃ)

حدیث: ترجمہ: '' حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ " ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے (جس میں مبتلا ہو کر وہ تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتی ہے) میری امت کا فتنہ مال ہے''۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث ہے " آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کسی اور چیز سے نہیں بھر سکتا"۔ (بخاری)

مٹی سے بھرنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی مٹی میں جا کر ہی وہ اپنی ''ھل من مزید'' کی خواہش سے رک سکتا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے تو ہر وقت مال میں اضافہ اور زیادتی کی فکر میں رہتا ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''خدا کی قسم مجھے تمہارے اوپر فقر و فاقہ کا خوف نہیں ہے بلکہ اس کا خوف ہے کہ تم پر دنیا کی وسعت ہو جائے گی۔ جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر ہو چکی ہے۔ پھر تمہارا اس میں دل لگنے لگے گا۔ جیسا کہ ان کا لگنے لگا تھا۔ پھر یہ چیزیں تمہیں بھی ہلاک کر دیں گی۔ جیسا کہ پہلی امتوں کو ہلاک کر چکی ہیں''۔ (مشکوٰۃ)

مال کی خرابی مال کو روک کر رکھنا، خیرات، صدقات یا زکوٰۃ وغیرہ دینے میں بخیلی کرنا، بوجھ سمجھ کر دینا، یا پورا نہ دینا، یا دے کر احسان جتلائے وغیرہ میں ہے۔ اگر مال راہ خدا میں یتیموں، مساکین، حاجت مندوں اور غریب رشتہ داروں اور پڑوسیوں پر خرچ کیا جائے تو وہ مال بربادی کا سبب نہیں بنا کرتا۔

ایک حدیث میں ہے " جو شخص کسی مسلمان کی دنیوی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کی پریشانیاں دور کرے گا اور جو کسی تنگ دست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے گا اللہ اس کیلئے دنیا و آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ دنیا و آخرت میں اسکے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا اور اللہ بندے کی اس وقت تک مدد کرتا رہتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔'' (مسلم)۔

ایک حدیث میں ہے " تین چیزیں ایسی ہیں جن میں کسی شخص کو کوئی گنجائش نہیں۔

1۔ والدین کے ساتھ احسان کرنا چاہیے، مسلمان ہوں یا کافر۔
2۔ جس سے عہد کر لیا جائے اسے پورا کرنا چاہیے، مسلمان ہو یا کافر
3۔ امانت کو واپس کرنا چاہیے۔ مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی۔ (جامع صغیر)

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو وہ شخص بہت محبوب ہے جو اسکے عیال کے ساتھ احسان کرے"۔

اب مخلوق کے اندر مسلمان، کافر، انسان اور حیوان سب شامل ہیں۔ ہر مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا اسلام کی تعلیم ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ جب جانوروں کا یہ حال ہے تو آدمی تو اشرف المخلوقات ہے۔ اس پر احسان اور اچھے برتاؤ کا کیا کچھ اجر ہوگا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "تم زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا" ایک دوسری حدیث ہے "جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا۔ ایک اور حدیث ہے کہ "رحم اس شخص کے دل سے نکالا جاتا ہے جو بدبخت ہو" (مشکوۃ)

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تمام زندگی ساری دنیا کے لیے رحمت تھی۔ حق تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد ہے۔ (سورۃ الانبیا، آیت نمبر 107)

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ: "اور ہم نے آپ (خاتم النبیین ﷺ) کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا"۔

اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے محبوب رسول خاتم النبیین ﷺ کے ارشادات میں مال خرچ کرنے کی ترغیب اس کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ ان کو پڑھ کر اور جان کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ پیسہ اور مال جمع کرنے کی چیز ہے ہی نہیں۔

قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے: (سورۃ الحجرات، آیت نمبر 13)

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ط

ترجمہ: اللہ کے نزدیک تم میں سے پسندیدہ وہ ہے جو تقویٰ میں اعلیٰ ہے۔

اور قرآن پاک کی دوسری سورت کے پہلے ہی رکوع (آیت نمبر 5-1) میں تقویٰ والوں کی صفات بتا دی گئی ہیں۔

ترجمہ: "یہ کتاب (یعنی قرآن پاک) راستہ بتانے والی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو جو غیب پر ایمان لائے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ جو اس کتاب پر اور جو پہلے نازل کی گئی کتابیں سب پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اس صحیح راستہ پر ہیں جو ان کو رب کی طرف سے ملا ہے۔ یہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں۔"

فلاح کو پہنچنا بہت اونچی چیز ہے۔ فلاح کا لفظ جہاں کہیں بھی آتا ہے وہ اپنے مفہوم میں دین اور دنیا دونوں کی بہبود اور کامیابی کو لیے ہوئے ہوتا ہے۔ امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ دنیا کی فلاح ان خوبیوں کو حاصل کر لینا ہے۔ جس سے دنیا کی زندگی بہترین بن جائے اور" یہ بقا اور غنا اور عزت ہیں"۔ اور آخرت کی فلاح چار چیزیں ہیں۔

1۔ وہ بقا جس کو کبھی فنا نہیں　　2۔ وہ تو انگری جس میں فقر کا شائبہ نہ ہو

3۔ وہ عزت جس میں کسی قسم کی ذلت نہ ہو　　4۔ وہ علم جس میں جہل کا دخل نہ ہو۔

جیسا کہ سورہ بقرہ آیت نمبر 5 میں تو اس میں دین و دنیا دونوں کی فلاح آ گئی۔ المختصر اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ، آیت نمبر 177 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: "کمال یہ نہیں ہے کہ تم اپنا (رخ) منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کی طرف بلکہ اصل کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر اور سب پیغمبروں پر اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں مال دیتا ہو۔ اپنے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور غریبوں کو اور مسافروں کو اور (لاچاری میں) سوال کرنے والوں کو اور قیدیوں اور غلاموں کو اور گردن چھڑوانے میں خرچ کرتا ہو اور نماز قائم کرتا ہو اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہو اور پورا کرتے ہیں عہد کو جب اقرار کر لیں اور صبر کرنے والے ہیں سختی، تکلیف اور حالت جنگ میں۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں"۔

قرآن پاک کی یہ آیت ایک اہم ترین آیت ہے۔ اس میں نیکی کا اور ایک مسلمان کی زندگی کا ایک سچے مومن کی صفات کا جامع تصور پیش کر دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ نیکی صرف بندگی اور پرستش کا ہی نام نہیں ہے اور کسی خاص سمت رخ کر کے عبادت کرنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کے نزدیک نیکی "عقیدہ" اور "عمل" دونوں کی درستگی سے پیدا ہوتی ہے اور اس میں ایمان، معاملات، عبادات، اخلاق، اخلاص و ایثار سب کی یکساں حیثیت ہے۔ یعنی درست عقیدہ رکھنے والے، مال قربان کرنے والے، صلوٰۃ و زکوٰۃ پابندی سے ادا کرنے والے، عہد پورا کرنے والے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے والے ہی سچے مسلمان ہیں اور یہی متقی و پرہیزگار ہیں۔

اگر تمام مسلمان اس درجے کو پہنچ جائیں تو مسلم معاشرے سے غربت کا خاتمہ ہو جائے اور پھر تمام مسلم معاشرہ خوشیوں کا گہوارہ بن جائے۔

اسلام میں فتنہ،فساد اور دہشت گردی کی ممانعت

گزشتہ کئی سالوں سے دہشت گردی کی اذیت ناک لہر نے امت مسلمہ کو بالعموم اور پاکستان کو بالخصوص بدنام کر رکھا ہے۔اسی طرح دہشت گردوں کی طرف سے مسلح فساد انگیزی، انسانی قتل و غارت، دنیا بھر میں کسی بے گناہ اور پر امن انسانی آبادی پر خودکش حملے، مساجد، مزارات تعلیمی ادارے، بازار، سرکاری عمارتیں، ٹریڈ سینٹر، دفاعی تربیتی مرکزوں، عبادت خانوں، گاڑیوں اور دیگر پبلک مقامات پر خودکش حملے اور بم باری روز کا معمول بن گئے ہیں۔اور ستم بالائے ستم اس کو جہاد کا نام دے رکھا ہے۔ایسے اقدامات کرنے والے مسلمانوں میں سے ہی اٹھتے ہیں۔اسلامی عبادات کی انجام دہی بھی کرتے ہیں اور ان کی ظاہری وضع قطع بھی شریعت کے مطابق ہوتی ہے۔لہٰذا عام مسلمان ہی نہیں بلکہ بیشتر علما اور دانش ور بھی ایسے افراد اور گروہوں کے بارے میں کچھ سمجھ نہیں پا رہے۔کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

ایسے حالات میں عالم اسلام اور عالم مغرب کے درمیان تناؤ اور کشیدگی بڑھ رہی ہے۔اسلام صرف مذہب ہی نہیں بلکہ ایک مکمل دین ہے اسلام نے جہاں زندگی کے ہر شعبے کے لیے ضابطہ دیا ہے وہاں معاشرے کی اجتماعیت کے تحفظ کا اہتمام بھی کیا ہے۔مسلم ریاست کے جملہ شہریوں کو ریاستی قوانین اور اصول وضوابط کا پابند بنادیا گیا ہے۔انہی ضابطوں میں سے ایک یہ ہے کہ مسلم ریاست اور معاشرے کو امن اور بقائے باہمی کا نمونہ ہونا چاہیے۔اس لیے مسلم ریاست کے خلاف ہتھیار اٹھانے ،اس کے نظم اور اتھارٹی کو چیلنج کرنے اور اس کے خلاف اعلان جنگ کرنے کی اسلام میں سخت ممانعت ہے۔اس عمل کو سخت بغاوت کا نام دیا گیا ہے۔خدانخواستہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو مسلم حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس دہشت گردی اور بغاوت کا قلع قمع کرے تاکہ کسی فرد یا گروہ کو معاشرتی امن تباہ کرنے اور انسانی خون سے ہولی کھیلنے کی جرات نہ ہو۔

اصلاح معاشرہ اور ابلیسی قوتوں کا مقابلہ دینی فرائض میں سے ہے۔دہشت گردی کی تاریخ میں خوارج کا عنصر ناقابل فراموش ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوارج کون تھے؟ ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور کیا موجودہ دور کے دہشت گرد خوارج ہی کا تسلسل ہیں؟

خوارج دین اسلام کے باغی اور سرکش تھے۔ان کی ابتدا عہد رسالت ہی میں ہوگئی تھی۔ان کی فکری تشکیل دور عثمانی میں اور منظم اور مسلح ظہور دور علوی میں ہوا۔ان خوارج کے اعمال اور عبادات اور ظاہراً پابندی شریعت ایسی تھی کہ وہ صحابہ کرامؓ سے بھی بعض اوقات زیادہ عابد اور زاہد محسوس ہوتے تھے لیکن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ اسلام سے کلیتاً خارج تھے۔خوارج مسلمانوں کے قتل کو جائز سمجھتے ،نعرہ اسلامی لا حکم الا اللہ بلند کرتے اور حضرت علیؓ کے خلاف مسلح خروج، بغاوت اور قتل کو نہ صرف جائز سمجھتے تھے بلکہ عملاً اس کے ضمن میں قتل وغارت گری کرتے رہے۔یہی خوارج درحقیقت تاریخ اسلام میں سب سے پہلا دہشت گرد اور نظم ریاست کے خلاف باغی گروہ تھا،نصوص حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ظہور ہر دور میں ہوتا رہے گا۔(ڈاکٹر طاہر قادری)

حسن نیت سے بدی نیکی نہیں بن جاتی:- اگر دہشت گرد جہاد سمجھ کر خون ریزی کرتے ہیں تو ان کی اس نیت سے ان کی دہشت گردی جہاد نہیں بن جائے گی۔قرب الٰہی کی نیت سے کی جانے والی بت پرستی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں رد کر دیا ہے۔اسی طرح دہشت گردوں کا دعویٰ اصلاح بھی قبول نہ ہوگا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 12-11) میں فرمایا:

ترجمہ:''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد بپا نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔آگاہ رہو، یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں مگر انہیں (اس کا) احساس نہیں ہے "۔

اس لیے یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ

1۔نیت کے اچھے ہونے سے فعل حرام جائز نہیں ہو جاتا۔　　　2۔ارادے کے نیک ہونے سے کفریہ فعل درست نہیں ہوسکتا۔

3۔اور مقاصد کے پاک ہونے سے ناپاک فعل طاہر و مطہر نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح جہاد کی نیت اور ارادہ کر لینے سے فساد کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس دین کا نام ''اسلام'' پسند فرمایا۔لفظ اسلام سَلَم یا سِلم سے ماخوذ ہے۔جس کے معنی امن، سلامتی، خیر وعافیت۔لہٰذا اپنے معنی کے اعتبار سے ہی اسلام ایک ایسا دین ہے جو خود بھی سراپا سلامتی ہے اور دوسروں کو بھی امن وسلامتی محبت اور رواداری، اعتدال و توازن اور صبر وتحمل کی تعلیم دیتا ہے۔لفظ ایمان اَمَنًا وَ اَمَنَۃً وَ اَمَنَۃً سے مصدر ہے۔جس کے معنی ہیں امن وامان۔

1۔حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں''۔(مشکوۃ المصابیح،حدیث نمبر 33)

2۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''(السلسلۃ الصحیحۃ ،حدیث نمبر 956)

لفظ اسلام اور ایمان کی لغوی تحقیق سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دین کے دونوں درجے اسلام اور ایمان۔ ہر عمل میں کلیتاً امن وامان اور عافیت وسلامتی کا تقاضہ کرتے ہیں۔امام نسائی اور احمد بن حنبلؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''مومن وہ ہے جس کے پاس لوگ اپنے خون (یعنی جان) اور مال کو محفوظ سمجھیں''۔(جامع ترمذی،حدیث نمبر 2627)

لفظ احسان ''حَسَنَ''،''یَحْسُنُ''،''حُسْنًا'' سے ثلاثی مذید فیہ کا مصدر ہے۔جس کے معنی ہیں حسن،خوبصورتی،خیر، اچھائی،اور بھلائی۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے جب مومن کی تعریف پوچھی گئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:۔

ترجمہ:''مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنے اموال اور جانوں کا محافظ سمجھیں''۔(سنن نسائی،حدیث نمبر 4998)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''یقیناً مومن حسن اخلاق کے ذریعے دن کو روزہ رکھنے والے اور راتوں کو قیام کرنے والوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔(ابن حبان، کتاب حسن اخلاق،ص 16)

اس لیے لفظ اسلام،ایمان اور احسان اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے سلامتی،خیر وعافیت،تحمل و برداشت،محبت والفت اور احترام آدمیت کی تعلیم دیتے ہیں۔دین اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو خود بھی سراپا سلامتی ہے اور دوسروں کو بھی امن وسلامتی،اعتدال وتوازن اور صبر وتحمل کی تعلیم دیتا ہے۔گویا''مسلمان'' صرف وہ شخص ہے جو تمام انسانیت کے لیے پیکر امن وسلامتی ہو اور''مومن'' بھی وہ شخص ہے جو امن وآشتی،تحمل و برداشت بقائے باہمی اور احترام آدمیت جیسے اوصاف کا مالک ہو اور''محسن'' وہ ہے جس میں نہ صرف اسلام اور ایمان دونوں کے روحانی ثمرات اور باطنی احوال جمع ہوں۔ بلکہ وہ لوگوں کے لیے نفع بخشی اور فیض رسانی کا باعث ہو۔

مختصر یہ کہ اسلام اپنے وسیع معنی میں ایک ایسا دین ہے جس میں انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک ہر کوئی محفوظ اور مامون ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کے قتل کی ممانعت اور ان کے جان ومال کا احترام

1۔ مومن کی حرمت کعبہ کی حرمت سے زیادہ:۔ سیاسی فکری یا اعتقادی اختلافات کی بنا پر مسلمانوں کی اکثریت کو کافر،مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہوئے انہیں بے دریغ قتل کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے نزدیک مومن کے جسم وجان اور عزت وآبرو کی کیا اہمیت ہے؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک مومن کی حرمت کو کعبہ کی حرمت سے زیادہ محترم قرار دیا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور فرماتے سنا"(اے کعبہ) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے۔تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے"؟ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے۔مومن کی جان ومال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے"۔ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہیے۔

2۔ مسلمان کی طرف ہتھیار سے محض اشارہ کرنا بھی منع ہے:۔ فولادی یا آتشیں اسلحہ سے لوگوں کو قتل کرنا تو بہت بڑا قدم ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے تو اہل اسلام کو اپنے مسلمان بھائی کی طرف اسلحہ سے محض اشارہ کرنے والے کو بھی ملعون اور مردود قرار دیا ہے۔

1۔حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ کو ڈگمگا دے اور وہ (قتل ناحق کے نتیجے میں) جہنم کے گڑھے میں جا گرے''۔(مشکوۃ المصابیح،حدیث نمبر 3518)

2۔ مسلمان کو قتل اور فساد انگریزی کی ممانعت:۔ قرآن پاک سورہ المائدہ آیت نمبر 32 میں ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ:''جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد (پھیلانے کی سزا) کے (بغیر، ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا''۔

4۔ دوران جنگ کسی شخص کے اظہار اسلام کے بعد اس کے قتل کی ممانعت:۔ حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں جہاد کے لیے مقام حرقہ کی طرف روانہ کیا۔جو قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ ہے۔ہم صبح وہاں پہنچ گئے اور (شدید لڑائی کے بعد) انہیں شکست دے دی۔ میں نے اور

ایک انصاری صحابہ نے اس قبیلے کے ایک شخص کو گھیر لیا۔ جب ہم اس پر غالب آ گئے تو اس نے کہا (لا الہ الا اللہ) انصاری تو اس کی زبان سے یہ کلمہ سن کر الگ ہو گیا لیکن میں نے نیزہ مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ جب ہم واپس آئے تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہو چکی تھی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا'' اے اسامہ تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا؟''۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تم نے کلمہ پڑھنے کے باوجود اسے قتل کر دیا'' حضور پاک خاتم النبیین ﷺ بار بار یہ کلمہ دہرا رہے تھے اور میں افسوس کر رہا تھا کہ کاش آج سے پہلے میں اسلام نہ لایا ہوتا''۔-----امام مسلمؒ نے یہ حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے

ترجمہ: '' حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو بلا کر دریافت کیا '' تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ '' انہوں نے عرض کیا '' یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس نے مسلمانوں کو تکلیف دی' چند صحابہ کا نام لے کر کہا کہ اس نے فلاں فلاں کو شہید کر دیا۔ میں نے اس پر حملہ کیا جب اس نے تلوار دیکھی تو فوراً کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا پھر تم نے اسے قتل کر دیا؟ عرض کیا جی حضور۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' جب روز قیامت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا کلمہ آئے گا تو تم کیا جواب دو گے؟۔ عرض کیا یا رسول اللہ آپ خاتم النبیین ﷺ میرے لیے استغفار کیجئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا جب روز قیامت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا کلمہ آئے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ اور حضور پاک بار بار یہی الفاظ دہراتے رہے کہ روز قیامت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا کلمہ آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے''؟ (مسلم)

حضرت مقداد بن اسودؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے سوال کیا'' یا رسول اللہ یہ فرمایئے کہ اگر (میدان جنگ میں) کسی کافر سے میرا مقابلہ ہو اور میرا ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر جب وہ میرے حملے کی زد میں آئے تو ایک درخت کی پناہ میں آ کر کہہ دے اسلمت اللہ (میں اللہ کے لیے مسلمان ہو گیا) تو کیا میں اس شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر سکتا ہوں؟ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تم اس کو قتل نہیں کر سکتے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے تو کیا میں اس کو قتل نہیں کر سکتا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' تم اس کو قتل نہیں کر سکتے'' اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ اس درجے پر ہو گا جس پر تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے (یعنی حق پر) اور تم اس درجے پر ہو گے جس درجے پر وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا (یعنی کفر پر)''۔

پرامن شہریوں اور بے گناہ مسلمانوں کو قتل عام کرنے والے ظالم اور سفاک دہشت گردوں کو اپنے جارحانہ رویوں اور ظالمانہ نظریات پر ان فرامین رسول خاتم النبیین ﷺ کی روشنی میں ضرور غور کرنا چاہیے کہ حالت جنگ میں موت کے ڈر سے کلمہ پڑھنے والے دشمن کو بھی امان حاصل ہے اور اس کا قتل بھی سخت منع ہے تو کلمہ گو مسلمانوں کو مسجدوں، دفتروں، تعلیمی اداروں اور بازاروں میں قتل کرنا کتنا بڑا جرم ہو گا؟

5۔ دہشت گردوں کی مدد بھی جرم ہے:- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: '' جس شخص نے چند کلمات کے ذریعے بھی کسی مومن کے قتل میں کسی کی مدد کی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لکھا ہو گا '' اللہ کی رحمت سے مایوس شخص''۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 2620-مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر 3484)

6۔ مساجد پر حملے کرنے والے سب سے بڑے ظالم ہیں:- سورہ بقرہ آیت نمبر 114 میں فرمان الٰہی ہے۔

ترجمہ: '' اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام ذکر کئے جانے سے روک دے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرے۔ انہیں ایسا کرنا مناسب نہ تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے''

مساجد کو دہشت گردی کا نشانہ بنانے والوں کے دلوں میں اگر خوف خدا اور فکر آخرت کا ذرہ بھی ہوتا تو کم از کم ان کی وحشت و بربریت سے مساجد (اللہ کے گھر) اور نمازی (اللہ کے مہمان) تو محفوظ رہتے۔ ان لوگوں کا مساجد کو نشانہ بنانا اس بات کا پکا ثبوت ہے کہ ان کا اسلام جیسے پرامن اور سلامتی والے دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسلمانوں کو اذیت دینے اور قتل کرنے کی سزا:-

1۔ حدیث: حضرت عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' مومن کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کے برباد ہونے سے بڑا ہے''۔ (سنن نسائی، حدیث نمبر 3994)

2۔ حدیث: حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری کائنات کا ختم ہو جانا بھی کسی شخص کے قتل ناحق سے ہلکا ہے''۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 2619)

انسانی جان کا قتل مثل کفر ہے:- حضرت قتادہؓ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا بڑھا دی ہے اور اس کا بوجھ عظیم کر دیا ہے۔ یعنی جو شخص ناحق کسی مسلمان کے قتل کو حلال

سمجھتا ہے گویا وہ تمام لوگوں کو قتل کرتا ہے''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے سورہ النساء آیت نمبر 93:

ترجمہ:''اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے کہ مدتوں اس میں رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوگا۔ اور اس پر لعنت کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

امام بخاری حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''تم میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کرنے کے سبب کفر کی طرف نہ لوٹ جانا''۔(بخاری)

گویا کلمہ گو مسلمانوں کا آپس میں قتل عام صریح کفریہ عمل ہے۔

قتل شرک کی طرح ظلم عظیم ہے:۔حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے مومن کے قاتل کی سزا جہنم بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر تمام آسمانوں و زمین والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تب بھی یقیناً اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں جھونک دے گا''۔(مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر 3464)

خون خرابہ کرنا تمام جرائم سے بڑا جرم ہے:۔قتل و غارت گری، خون خرابہ، فتنہ و فساد اور ناحق خون بہانا اتنا بڑا جرم ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کو سب سے پہلے بے نقاب کر کے کیفرِ کردار تک پہنچائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون ریزی کا فیصلہ سنایا جائے گا''۔(سنن نسائی، حدیث نمبر 4001)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے باہمی خون خرابہ اور لڑائی جھگڑے کے تباہ کن نتائج سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ قتل و غارت گری اتنا بڑا جرم ہے کہ اگر کوئی فرد یا طبقہ اس میں ایک مرتبہ ملوث ہو جائے تو پھر اسے اس سے نکلنے کا راستہ نہیں ملے گا۔

امام بخاری کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

''ہلاک کرنے والے وہ امور ہیں جن میں پھنسنے کے بعد نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہو اور ان میں ایک بغیر کسی جواز کے حرمت والا خون بہانا ہے''۔(بخاری، بیہقی، السنن الکبری)

مسلمانوں کو (بم دھماکوں یا دیگر طریقوں سے) جلانے والے جہنمی ہیں:۔سورہ بروج کی آیت نمبر 10 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:''بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دی اور پھر توبہ نہ کی تو ان کے لیے عذاب جہنم ہے'' اور ان کے لیے (بالخصوص) آگ میں جلنے کا عذاب ہے۔ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسرین نے اذیت دینے سے آگ میں جلانا بھی مراد لیا ہے۔ اس معنی کی رو سے خودکش حملوں، بم دھماکوں اور بارود سے عامتہ الناس کو خاکستر کر دینے والے فتنہ پرور لوگ عذاب جہنم کے مستحق ہیں۔

مسلمانوں کو قتل کرنے والے کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی:۔حضرت عبداللہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''جس شخص نے کسی مومن کو ظلم سے (ناحق) قتل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نفلی اور فرض عبادت قبول نہیں فرمائے گا''۔(ابوداؤد، طبرانی، الترغیب والترھیب)

مسلمانوں کو تکلیف دینے والے کے لیے عذاب جہنم ہے:۔سورہ بروج آیت نمبر 10 میں ارشاد ربانی ہے

ترجمہ:''بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دی پھر توبہ (بھی) نہ کی تو ان کے لیے عذاب جہنم ہے اور ان کے لیے (بالخصوص) آگ میں جلنے کا عذاب ہے''۔

حضرت ہشام بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''اللہ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب دے گا۔ جو اس کی مخلوق کو اذیت دیتے ہیں''۔(صحیح مسلم)

خودکشی فعل حرام ہے:۔انسان کی ذاتی زندگی بھی اس کی ذاتی ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اور اس کی امانت ہے۔ اس لیے اسلام نے جسم و جان کے تحفظ کا حکم دیتے ہوئے تمام افراد معاشرہ کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ کسی بھی صورت میں خودکشی Sucide کے مرتکب نہ ہوں۔ اسلام کسی انسان کو خود اپنی جان تلف کرنے کی

اجازت نہیں دیتا بلکہ **فان لجسدک علیک حقا و ان لعینک علیک**

ترجمہ:''تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے'' (صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم)

فرما کر اپنے جسم و جان اور تمام اعضاء کی حفاظت اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے تو کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ خودکش حملوں اور بم دھماکوں کے ذریعے اپنی جان کے ساتھ دوسرے پرامن معصوم شہریوں کی قیمتی جانیں تلف کرنے کی اجازت دے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے خود کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کیا تو وہ دوزخ میں جائے گا اور ہمیشہ اس میں گرتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔ اور جس شخص نے زہر کھا کر اپنے آپ کو ختم کیا تو وہ زہر دوزخ میں بھی اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ جسے وہ دوزخ میں کھاتا ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔ اور جس شخص نے اپنے آپ کو لوہے کے ہتھیار سے ختم کیا تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اس کو اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہے گا"۔ (صحیح بخاری، مسلم، جامع ترمذی، ابوداؤد)

حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنی جان کو کوئی چیز چبھو کر ختم کر لیتا ہے تو وہ دوزخ میں بھی (ہمیشہ) اسی طرح خود کو ختم کرتا رہے گا۔ اس طرح جو شخص اپنے آپ کو گڑھے وغیرہ میں پھینک کر ختم کر لیتا ہے تو وہ دوزخ میں بھی ایسے ہی کرتا رہے گا اور جو شخص اپنی جان کو پھانسی کے ذریعے ختم کرتا ہے وہ دوزخ میں بھی ایسا ہی کرتا رہے گا"۔ (صحیح بخاری، مسند احمد، طبرانی، صحیح مسلم، نسائی، ابوداؤد)

حدیث: حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک فوجی دستہ روانہ کیا اور اس کا امیر انصار کے ایک آدمی کو مقرر کیا پس وہ امیر ان پر کسی چیز سے ناراض ہوگیا اور اس نے کہا کہ کیا نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے تم سب کو میری اطاعت کے لیے نہیں فرمایا تھا؟ انہوں نے جواب دیا ''بے شک فرمایا تھا''۔ امیر نے کہا کہ میرا یہ ارادہ ہے کہ جب تم ایندھن اکٹھا کر لو پھر تم خوب آگ بھڑکا لو تو اس میں داخل ہوجانا۔ چنانچہ انہوں نے ایندھن اکٹھا کیا اور پھر اس میں آگ لگا دی پھر جب اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو کھڑے ہوکر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ آگ سے بچنے کے لیے تو ہم نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اتباع کی ہے۔ پھر کیوں اس میں داخل ہوں؟ وہ لوگ اس کشمکش میں تھے کہ آگ بجھ گئی۔ ادھر امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوگیا۔ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اگر وہ اس کے اندر داخل ہوجاتے تو کبھی بھی اس سے باہر نہ نکلتے کیونکہ اطاعت تو صرف نیک باتوں میں ہے"۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

خودکشی کرنے والے پر جنت حرام ہے:- کم سن نوجوان کی ذہن سازی (Brain Washing) کر کے اور انہیں شہادت اور جنت کے سبز باغ دکھا کر خودکش حملوں کے لیے تیار کرنے والوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے خودکشی کرنے والے کے لیے جہنم کی دائمی سزا مقرر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والوں کے لیے حرمت علیہ الجنۃ فرما کر ہمیشہ کے لیے (ان پر) جنت حرام کردی ہے۔

حدیث: حضرت جندب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تم سے پہلے کے لوگوں میں سے ایک آدمی زخمی ہوگیا۔ اس نے بے قرار ہوکر چھری لی اور اپنا زخمی ہاتھ کاٹ ڈالا جس سے اس کا اتنا خون بہا کہ وہ مرگیا"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میرے بندے نے خودکشی کر کے میرے حکم پر سبقت کی لہٰذا میں نے اس پر جنت حرام کردی"۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)۔

صحیح بخاری میں ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ کسی غزوہ میں مسلمانوں میں سے ایک شخص نے خوب بہادری دکھائی۔ صحابہ کرامؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے سامنے اس کی شجاعت اور ہمت کا تذکرہ کیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے علم نبوت سے انہیں آگاہ فرمادیا کہ ''وہ شخص دوزخی ہے'' صحابہ کرامؓ یہ سن کر بہت حیران ہوئے۔ بالآخر جب اس شخص نے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے خودکشی کرلی تو صحابہ کرامؓ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ خودکشی کرنے والا خواہ کتنا ہی بڑا جری اور بہادر ہو اور وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہی کیوں نہ ہو وہ ہرگز جنتی نہیں ہوسکتا۔ (صحیح مسلم، المسند عبد بن حمید)

غیر مسلموں کے قتل عام اور ایذارسانی کی ممانعت: اسلامی ریاست میں آباد غیر مسلم شہری کو قتل کرنا حرام ہے۔ کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم شہری کو ناحق قتل کرے۔ قرآن مجید سورہ مائدہ آیت نمبر 32 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد (پھیلانے کی سزا) کے (بغیر ناحق) قتل کردیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا''۔

حدیث: حضرت ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو مسلمان کسی غیر مسلم شہری (معاہد) کو ناحق قتل کرے گا اللہ تعالیٰ اُس پر جنت

حرام فرمادے گا۔"(نسائی شریف)

غیر مسلم سفارت کاروں کے قتل کی ممانعت:- قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق بدترین دشمن قوم کا سفارت کار بھی اگر سفارت کاری کے لیے آئے تو اس کا قتل بھی حرام ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ''میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب یہ شخص (عبداللہ بن نواحہ) اور ایک اور آدمی مسلمہ (کذاب) کی طرف سے سفارت کار بن کر آئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان سے فرمایا''کیا تم دونوں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں''۔ انہوں نے اپنے کفر وارتداد پر اصرار کرتے ہوئے) کہا''ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسلمہ (معاذ اللہ) اللہ کا رسول ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے (کمال برداشت اور تحمل سے) فرمایا''میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں''اگر میں سفارت کاروں کو قتل کرنے والا ہوتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا''۔(مگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایسا نہ کیا اور انہیں جان کی سلامتی دی)۔(دارمی،نسائی،مستدرک حاکم)

کتنے افسوس کی بات ہے کہ اسلام کے نام پر دہشت گردی کرنے والے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ان تعلیمات سے صریحاً انحراف برتنے کے باوجود خود کو مجاہدین اسلام سمجھتے ہیں۔

غیر مسلم مذہبی رہنماؤں کے قتل کی ممانعت:- حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب اپنے لشکروں کو روآنہ کرتے تو حکم فرماتے" دھوکا نہ دینا،نقوش کی بے حرمتی نہ کرنا،بچوں اور پادریوں کو قتل نہ کرنا''۔(مسند احمد،مسند ابو یعلی،ابن ابی شیبۃ)

ایک غیر مسلم کے ظلم کا بدلہ دوسرے سے لینے کی ممانعت:- قرآن وحدیث کے مطابق ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔سورہ انعام،آیت نمبر 164 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ:''اور ہر شخص جو بھی (گناہ کرتا ہے(اس کا وبال) اسی پر ہوتا ہے اور کوئی بوجھ رکھنے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔پھر تمہیں اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے۔پھر وہ تمہیں ان (باتوں کی حقیقت) سے آگاہ فرمادے گا۔جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے''۔

حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''کسی امن پسند غیر مسلم شہری کو دوسرے غیر مسلم افراد کے ظلم کے عوض کوئی سزا نہیں دی جائے گی''۔

غیر مسلم شہریوں کا مال لوٹنے کی ممانعت:- اسلام نے دوسروں کا مال لوٹنا بھی حرام قرار دیا ہے۔سورہ بقرہ آیت نمبر 188 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ:''اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطور رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)''۔

حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے بھی دوسروں کے مال کو لوٹنا حرام قرار دیا ہے۔"بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں۔"(بخاری شریف)

غیر مسلم شہری کا مال چرانے والے پر بھی اسلامی حد کا نفاذ ہوگا:- مال کی حفاظت میں مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے قریش کی ایک عورت جس نے چوری کی تھی، اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا۔لوگوں نے اس کی سفارش کرنی چاہی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس پر بھی حد جاری کی جاتی"۔(صحیح بخاری،صحیح مسلم)

امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:

ترجمہ:''یقیناً غیر مسلم شہری،معاہد،اور مرتد کا حال بھی اس اعتبار سے مسلمانوں کے مال کی طرح ہے''۔(نووی،شرح صحیح مسلم)

امام ابن قدامہ حنبلیؒ نے کہا "غیر مسلم شہری کا مال چوری کرنے والے پر بھی اسی طرح حد عائد ہوگی جس طرح مسلمان کا مال چوری کرنے والے پر ہوتی ہے "۔

غیر مسلم شہریوں کی تذلیل کی ممانعت:- اسلام میں جیسے مسلمان کی عزت وآبرو کی تذلیل حرام ہے۔ویسے ہی غیر مسلم شہریوں کی عزت کو پامال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ گورنر مصر حضرت عمر بن العاص کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی۔خلیفہ وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس جب اس کی شکایت کی گئ تو انہوں نے سر عام گورنر مصر کے بیٹے کو اس غیر مسلم مصری سے سزا دلوائی اور ساتھ ہی وہ تاریخی جملہ فرمایا جو بعض محققین کے نزدیک انقلاب فرانس کی جدوجہد میں روح رواں بنا۔آپ نے گورنر مصر حضرت عمر بن العاصؓ کے بیٹے سے فرمایا:

ترجمہ:''تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا''۔

غیر مسلم شہری کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا۔ان کو گالی دینا،ان کو مارنا پیٹنا ان کی غیبت کرنا اسی طرح ناجائز اور حرام ہے جس طرح مسلمانوں کے حق میں ناجائز اور حرام ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ترجمہ:''خبردار جس نے کسی غیر مسلم شہری پر ظلم کیا یا اس کا حق مارا یا اس پر کسی قسم کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالا یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر کوئی چیز اس سے چھین لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا''۔(ابوداؤد)

غیر مسلم شہریوں کا اندرونی و بیرونی جارحیت سے تحفظ:- اسلامی قانون کے مطابق ریاست کے فرائض میں سے یہ ہے کہ وہ تمام غیر مسلم شہریوں کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرے۔کوئی بھی فرد خواہ کسی قوم،مذہب یا ریاست سے تعلق رکھتا ہو۔اگر وہ کسی غیر مسلم شہری پر جارحیت کرے اور اس پر ظلم و تعدی کا مرتکب ہو تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ بلا امتیاز مذہب اپنے شہری کو تحفظ فراہم کرے۔چاہے اس سلسلے میں اسے جارحیت کرنے والے سے جنگ ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

قرآن مجید دوسروں پر ظلم کرنے پر سخت عذاب کی وعید سناتا ہے۔

سورہ الاعراف آیت نمبر 165 میں فرمان الٰہی ہے۔

ترجمہ:''اور ہم نے (بقیہ سب) لوگوں کو جو (عملاً یا سکوتاً) ظلم کرتے تھے۔نہایت برے عذاب میں پکڑ لیا۔اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کر رہے تھے''۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''جس نے کسی غیر مسلم شہری کو تکلیف پہنچائی تو میں اس کا وکیل ہوں گا اور جس کا فریق میں ہوں گا تو قیامت کے دن اس پر غالب آ جاؤں گا''۔(سنن ابی داؤد)

اسلام دوران جنگ بھی غیر مسلموں کے قتل عام۔ان کی عورتوں کے قتل عام،ان کے بچوں،بوڑھوں،مذہبی رہنماؤں،تاجروں،کاشت کاروں،خدمت گاروں کی اجازت نہیں دیتا۔

غیر مسلموں کے خلاف شب خون مارنے کی ممانعت:- حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

ترجمہ:'' رسول پاک خاتم النبیین ﷺ رات کے وقت خیبر کے مقام پر پہنچے۔چنانچہ آپ خاتم النبیین ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ خاتم النبیین ﷺ کسی جگہ رات کو پہنچتے تو صبح تک ان لوگوں پر حملہ نہیں کیا کرتے تھے''(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

غیر مسلموں کو آگ میں جلانے کی ممانعت:- عہدہ جاہلیت میں شدت انتقام میں دشمن کو جلا دیا جاتا تھا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس وحشیانہ حرکت سے منع فرمایا: حضرت عبدالرحمن بن عبداللہؓ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ایک سفر میں وہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تھے۔آپ خاتم النبیین ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک چڑیا دیکھی جس کے ساتھ دو بچے تھے۔انہوں نے اس کے ایک بچے کو پکڑ لیا۔تو چڑیا اضطراب اور پریشانی میں چلانے لگی۔جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ واپس آئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''اسے اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے تڑپایا؟ اس کے بچے اس کو لوٹا دو''۔(ابوداؤد)

پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے چیونٹیوں کا ایک بل دیکھا،جسے جلایا گیا تھا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا''آگ کے ساتھ عذاب دینا،آگ کے رب کے سوا کسی لیے جائز نہیں''۔(ابوداؤد)

نوٹ: جب آپ خاتم النبیین ﷺ نے پرندوں کے بارے میں فرمایا کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا،آگ کے رب کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم کسی بھی جاندار کو جلا کر نہیں مار سکتے۔

دشمن کے گھر میں گھسنے اور لوٹ مار کرنے کی ممانعت:- مسلم افواج کو بلا اجازت دشمنوں کے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ترجمہ:''کیا تم میں کوئی اپنی مسند پر ٹیک لگا کر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حرام قرار نہیں دی مگر وہی جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔آگاہ ہو جاؤ اللہ کی قسم۔میں نے نصیحت کرتے ہوئے،حکم دیتے ہوئے اور بعض چیزوں سے منع کرتے ہوئے جو کچھ بھی کیا ہے وہ قرآن کی طرح ہے۔بلکہ ان کی تعداد قرآنی امور سے زیادہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ جائز نہیں رکھا ہے کہ اہل کتاب کی اجازت کے بغیر ان کے گھروں میں داخل ہو۔نیز ان کی عورتوں کو مارنا اور ان کے پھلوں کو کھانا بھی حلال نہیں ہے''۔(سنن ابی داؤد)

حضرت معاذ بن انسؓ سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہمراہ شرکت کی۔بعض لوگوں نے دوسروں کے راستوں کو

تنگ کیا اور راہ چلتے مسافروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک صحابیؓ کو بھیج کر اعلان کروایا ”جو شخص دوسروں کو گھروں میں گھس کر تنگ کرے، یا راستوں میں لوٹ مار کرے اس کا یہ عمل جہاد نہیں کہلائے گا“۔ (ابوداؤد)

دشمن کے مویشیوں، فصلوں اور املاک کو نقصان پہنچانے کی ممانعت:۔ اسلام نہ خون ناحق کی اجازت دیتا ہے اور نہ دشمن کی سرزمین پر کھلی تباہی اور بربادی کا خواہاں ہے۔ اسلام امن اور اصلاح کا داعی ہے۔ اس لیے حالت جنگ میں بھی اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ نہ کھیتیاں برباد ہوں اور نہ پھل دار درخت کاٹے جائیں اور نہ املاک کو نذر آتش کیا جائے۔ عاصم بن کلیبؒ نے اپنے والد ماجد سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری نے روایت کیا ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ نکلے۔ لوگوں نے راستے میں بکریوں کو لوٹا اور ذبح کر لیا۔ کھانے کی ہانڈیوں میں ابال آ رہا تھا کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے اور اپنی کمان سے ہماری ہانڈیوں کو الٹنا شروع کر دیا اور گوشت کو مٹی میں ملانا شروع کر دیا اور فرمایا ”لوٹ مار کر کھانا مردار جانوروں کے گوشت سے زیادہ حلال نہیں ہے“۔ (سنن ابی داؤد، بیہقی)

اس طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لشکر کو شام کی طرف روانہ کیا تو اس کے ساتھ تقریباً دو میل چلے اور اہل لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا: ”میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں (اور یہ کہ) نافرمانی نہ کرنا۔ بزدلی نہ کرنا، کھجور کے پودوں کو تباہ نہ کرنا، کھیتیاں نہ جلانا، چوپایوں کو قید کر کے (اپنے پاس اپنے مال کے طور پر) نہ رکھنا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کسی شیخ فانی کو (بوڑھے، بیمار اور لاچار جن میں عورتیں بھی شامل ہیں) قتل نہ کرنا اور نہ کسی چھوٹے بچے کو قتل کرنا“۔ (مروزی، مسند ابی بکر: 69-72، رقم: 21)

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ اگر اسلام پر جنگ مسلط کر دی جائے یا مسلمانوں کو جارحیت کا نشانہ بنایا جائے اور جواب میں اسلامی ریاست کی فوج باقاعدہ جہاد میں مصروف ہو تو ایسے حالات میں بھی۔ عورتوں، بوڑھوں، بچوں، بیماروں اور خدمت گزاروں کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ یہی نہیں بلکہ دوران جنگ فصلوں کو تباہ کرنے، عمارتوں کو مسمار کرنے، عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانے اور لوٹ مار کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

اب دیکھیئے۔ جو اسلام دوران جہاد بھی ان امور کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے نزدیک ایسے مسلمانوں یا غیر مسلموں کو جو پر امن طریقے سے اپنے گھروں اور شہروں میں مقیم ہوں۔ کاروبار میں مصروف ہوں، سفر کر رہے ہوں، بچے سکولوں میں پڑھ رہے ہوں، طالبات بچوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے اور پڑھانے کے کاموں میں لگی ہوئی ہوں۔ انہیں قتل کرنے کی کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ ایسی کاروائیاں اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی اور قرآن وحدیث سے صریح انحراف ہیں۔

آتی ہے دم صبح صدا عرش بریں
کھویا گیا کس طرح تیرا جوہر ادراک؟
کس طرح ہوا کُند تیرا نشتر تحقیق؟
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک؟
تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام خس و خاشاک؟
مہر و مہہ و انجم نہیں علوم تیرے کیوں؟
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک؟
باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتہ سلطانی و ملائی و پیری

(اقبال)

****

علم، عالم اور علما کی ضرورت

علم سیکھنا فرض ہے۔علم کے معنی ہیں جاننا۔علم ایک نور ہے علم ایک روشنی ہے۔علم رحمت ہے۔یہ رحمت الٰہی ہے۔

علم دو طرح کا ہوتا ہے:

(1) دنیا کا علم　　(2) دین کا علم یا آخرت کا علم

دنیا کا علم حاصل کریں تو دنیا سنور جاتی ہے۔آخرت کا علم حاصل کریں تو آخرت سنورتی ہے۔کامیاب انسان وہ ہے جو دین و دنیا دونوں کا علم حاصل کرے۔ جو لوگ ایمان لائے اور دین کا علم حاصل کیا اُن کا درجہ دوسروں سے بلند ہوتا ہے۔دین کا علم حاصل کرنے یا دین کی باتیں کسی سے سننے کے لئے جب کوئی اپنے گھر سے قدم نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو جنت کے راستوں میں سے کسی ایک راستے پر چلا دیتا ہے۔بیشک ایسے طالب علم کی خوشنودی کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

دین اسلام، دین و دنیا دونوں کے علم کو حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔وہ علم جس سے انسان کی دنیا اور دین اور آخرت سنور جائے وہ علم رحمت ہے وہ علم قرآن مجید، علم حدیث شریف، علم سائنس، علم زراعت اور علم جغرافیہ ہیں یہ تمام علم رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

علم کو صرف دنیا کمانے کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے بلکہ اس علم پر عمل کرنے اور دین کی اشاعت کا ارادہ بھی ہونا چاہیے۔

علم کی ضرورت:۔

علم سیکھنے کا مقصد ایمان کی مضبوطی، عقیدے کی پختگی اور اعمال کی درستی ہے۔جب تک ایمان اور عقیدہ درست نہ ہوگا کسی عمل کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"جو طلب علم کے لئے نکلا وہ واپس لوٹنے تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں ہوتا ہے"۔(ترمذی کتاب العلم)

حضرت ابوذرؓ کا ارشاد ہے کہ "علم کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت نماز پڑھنے سے، ہزار بیماروں کی عیادت کرنے سے اور ہزار جنازوں میں شرکت سے بہتر ہے"۔کسی نے عرض کیا کہ کیا قرآن پاک کی تلاوت سے بھی بہتر ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ "تلاوت قرآن پاک علم کے بغیر کب مفید ہے؟ اور فرمایا کہ جس شخص کو موت آئے اور وہ اسلام زندہ کرنے کے لئے علم سیکھتا ہو تو اس کا اور انبیاء کرامؑ کا درجہ جنت میں ایک ہوگا"۔

حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ "اگر میں ایک مسئلہ سیکھوں تو یہ میرے نزدیک تمام رات کی شب بیداری سے افضل ہے"۔نیز یہ بھی انہی کا قول ہے کہ "عالم ہو یا طالب علم یا سننے والا ان تینوں کے علاوہ چوتھا مت ہو ورنہ ہلاک ہو جائے گا"۔

حضرت عیسیٰ علیہ سلام کا فرمان ہے کہ "جو شخص عالم ہو اور اپنے علم کے مطابق اور لوگوں کو بھی سکھائے۔وہ آسمانوں اور زمینوں کی مملکتوں میں "عظیم" کہلاتا ہے"۔حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ خوب تر عطا اور عمدہ عطیہ اور عمدہ ہدیہ وہ کلمہ حکمت ہے کہ جس کو تو سنے اور یاد کرلے پھر اس کو اپنے بھائی کے پاس لے جائے اور اس کو سکھا دے تو یہ تیری ایک برس کی عبادت کے مساوی ہے"۔

حضرت عطاؒ کا قول ہے۔"ایک مجلس علم کی گناہوں کی ستر مجلسوں کا کفارہ ہوتی ہے"۔حضرت ابودرداؓ فرماتے ہیں کہ "جس شخص کا یہ خیال ہو کہ علم کا طلب کرنا جہاد نہیں ہے وہ اپنے خیال اور تجویز و عقل میں ناقص ہے"۔

عالم کسے کہتے ہیں؟

عالم علم سے نکلا ہے۔جب یہ لفظ علم دین کے ضمن میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد علوم دینیہ کا ماہر ہوتا ہے۔

علوم دینیہ کون کون سے ہیں؟

علم تجوید، علم صرف، نحو، فقہ اور اصول حدیث، علم العقائد، علم تفسیر، علم القرآن، تاریخ اسلام۔

عالم کو مندرجہ ذیل درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(1) عالم　(2) فقیہ　(3) مجتہد

1-عالم:۔ علوم دینیہ کا ماہر عالم کہلاتا ہے۔

2-فقیہ:۔ فقیہ وہ عالم ہوتا ہے جو وہ شرعی احکام جن کا تعلق عمل کے ساتھ ہو۔جیسے حلال، حرام، جائز، صحیح اور فاسد ہونے کے اعتبار سے بات کی تہہ تک پہنچنے کا وصف

رکھتا ہو۔

3- مجتہد:۔ اسم فاعل ہے اس کے معنی کوشش کرنا ہے۔ کسی بھی معاملے میں حتی الوسع اپنی طاقت اور علم کو خرچ کرنا اور بات کی انتہا تک پہنچنا۔ اور مندرجہ ذیل شرائط کا اس میں موجود ہونا (یعنی ان کا علم ہونا)۔

(1) قرآن	(2) حدیث	(3) اجماعی مسائل
(4) لغتِ عربی۔ اس کے اسرار اور اس کی تعبیر کا علم	(5) اصول فقہ	(6) ناسخ اور منسوخ کا علم ہونا
(7) عاقل ہونا	(8) فطین ہونا	(9) اور مسلمان ہونا

یہ وہ مختصر سی علمی تعریف ہے جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص مجتہد ہے۔

علما کی ضرورت:۔

علم دین کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں دین کے اجزاء کے متعلق ہر فن کے خواص کو ممتاز فرما دیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک خطبہ میں فرمایا:

(1) ''جس کو کلام اللہ کے بارے میں پوچھنا ہو۔ وہ ابی بن کعبؓ کے پاس جایا کرے''۔

(2) ''جس کو فقہ کا مسئلہ دریافت کرنا ہو وہ معاذؓ بن جبل کے پاس جائے''۔

(3) اور ''جس کو بیت المال سے کچھ طلب کرنا ہو وہ میرے پاس آئے''۔

تابعینؒ کے زمانے میں ہر شعبہ کی مستقل جماعتیں قائم ہو گئیں تھیں محدثین کی جماعت علیحدہ، فقہ کی جماعت علیحدہ، مفسرین کی جماعت الگ، واعظین کی جماعت الگ، صوفیاء کرام کی جماعت الگ۔

اب اس زمانے کا حال دیکھئے کہ آج کل ہر شخص اتنا جامع الاوصاف ہو گیا ہے کہ معمولی سے عربی کے علم کے بعد، یا تقریر برجستہ کرنے لگے تو وہ دین و مذہب کے بارے میں جو چاہے کہنے لگتا ہے۔ اور مجال ہے کہ کوئی اس کی گمراہی کو واضح کرے یا اس کو منع کر سکے۔ اور اگر کوئی اتنی ہمت کرے اور انہیں کہے کہ یہ بات اسلاف کے خلاف ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم لکیر کے فقیر نہیں ہیں۔ گویا بتانے والا ان کی نظر میں لکیر کا فقیر ہے۔ تنگ نظر ہے، پست خیال ہے اور تحقیقات سے عاری ہے۔ گویا ہر شخص اپنی ذاتی تحقیق کو ہی سب کچھ سمجھنے لگا ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:۔ ''جو شخص قرآن پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس نے خطا کی'' (غلطی کی)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

مگر ایسے لوگ قرآن پاک کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر نئی بات پیدا کرتے ہیں۔ یہ روشن دماغ دین کی حدود سے نکلیں۔ یہ آئمہ و مجتہدین کو گمراہ بتائیں اور فقہ کو ناقابل عمل بتائیں پھر بھی دین دار رہتے ہیں اور جو ان کے خلاف آواز اٹھائے وہ دین کا دشمن، مسلمانوں کا بدخواہ، اور مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی بنانے والا ہے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو صرف علما ہی بناتے ہیں اور بتاتے ہیں۔

اس لئے جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرے گا۔ اپنی رضاء رغبت سے یا اپنی روشن خیالی سے یا اپنے جُہل سے تو کافر تو وہ خود بن چکا ہے۔ خواہ کوئی عالم اس کو بتائے یا نہ بتائے۔ ذرا سا بھی غور کریں تو بتانے والے کا یہ احسان ہے کہ وہ اس کو تنبیہ کر رہا ہے اسے متنبہ کر رہا ہے کہ جو چیز تم نے اختیار کی ہے وہ اسلام سے نکال دینے والی چیز ہے۔ اور کفر میں داخل کرنے والی چیز ہے۔

اگر دین کا فکر ہے تو اس تنبیہ پر متنبہ ہو جانا چاہیے اگر کہنے والے کے قول پر اعتماد نہیں تو خود تحقیق کر لینی چاہیے۔ کہ اس کا قول صحیح ہے یا غلط۔ بعض اوقات غلط بھی ہو سکتا ہے مگر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہمیشہ غلط ہی ہو۔

اس لئے یہ نظریہ کہ مغربی تعلیم کے زیر اثر یا دین سے ناواقفیت کے سبب کہنے والا جو چاہے کہہ گذرے اس کو بے دینی نہ کہا جائے۔ یہ طرزِ عمل دین کے ساتھ خیر خواہی نہیں بلکہ ایسا کرنا ناواقفوں کو فتنے میں مبتلا کرنے والا عمل ہے۔ علماء کا کام ایسے دین سے ناواقف لوگوں کو تنبیہ کرنا اور ٹھیک راستے کی طرف نشاندہی کرنا ہوتا ہے۔

****

اسلام میں تعلیم کی اہمیت

اسلام دین فطرت ہے یہ بنی نوع انسان کی فطری اقدار کا مظہر ہے۔اسلام علم کا حامی اور جہالت کا دشمن ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے''۔(سنن ابن ماجہ)

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ تعلیم اور صرف تعلیم ہے۔اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلی وحی سورہ العلق کی آیت نمبر 3 میں ارشاد فرمادیا ہے۔

ترجمہ: ''اے نبی (خاتم النبیین ﷺ) اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے (مخلوط نطفہ) پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے''۔

مندرجہ بالا آیت میں نہ صرف نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو بلکہ ان کے تمام ماننے والوں کو نہ صرف تلقین کی گئی ہے بلکہ اس تعلیم پر غور کر کے عمل کرنے اور اس کو پھیلانے کی بھی تلقین کی گئی ہے۔تعلیم حاصل کرنا اور تعلیم دینا۔انسان کا وہ خاصہ ہے جو صرف اور صرف انسانوں کے ہی ساتھ مخصوص ہے۔اس جہان فانی کی کوئی اور مخلوق اس کام کے لیے پیدا نہیں کی گئی۔مندرجہ بالا آیت ہے مختصر مگر اس میں انتہائی فصیح و بلیغ ہدایت موجود ہے۔اس کے پہلے لفظ ''اقرا'' کا تکرار یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تعلیم و تربیت بہت اہم ہے۔سورہ العلق ہمیں سیکھنے اور سیکھانے کے طریقے کی بھی وضاحت کرتی ہے۔یعنی طبع و اشاعت کا ذریعہ کیا ہے؟ وہ ہے قلم۔یہ قلم بھی قدرت الٰہی کی طرف سے اس کے لیے ایک انمول تحفہ ہے اور یہ تحفہ صرف اور صرف انسان کے لیے ہی مخصوص ہے۔پوری کائنات میں صرف انسان کو ہی یہ صلاحیت دی گئی ہے کہ وہ اپنے حالات کو لکھتا ہے اور انسان کا یہ حال کل آنے والے لوگوں کے لیے ماضی بن جاتا ہے۔اگلی نسل اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔آج کے اس ترقی یافتہ زمانے میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹیں، کمپیوٹر اور دیگر جدید آلات قلم ہی کی جدید شکلیں ہیں۔ایک مسلمان کو تعلیم و تدریس کی اہمیت میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ تعلیم اور تبلیغ کا کام کب شروع کریں اور کہاں سے شروع کریں؟ اس لیے ہمیں قرآن ہی ہر چیز کی تعلیم فراہم کر دیتا ہے۔(قرآن پاک سورہ الشعرا:214)

ترجمہ: ''تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ''۔

یعنی اسلام کی تعلیم کو سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سورہ التحریم، آیت نمبر 6 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے ڈراؤ''۔

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرامؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے سوال کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم اپنے گھر والوں کو آگ سے کیسے بچائیں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اسلامی تعلیمات کے ذریعے''۔اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمیں نماز ادا کرنے اور ساتھ ہی اپنے گھر والوں کو اس کی تاکید کرنے پر زور دیتا ہے۔ سورہ طٰہٰ، آیت نمبر 132

ترجمہ: ''تم اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کی پابندی کرو''۔

اسلامی تعلیم کو اپنے گھر والوں سے شروع کرنے میں بہت بڑی حکمت مخفی ہے۔چونکہ گھر والے ہمارے اخلاص اور دیگر اوصاف سے واقف ہوتے ہیں۔اس لیے وہ ہماری بات کو سنجیدگی سے سنتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرنے میں دیر نہیں کرتے۔اس کے برعکس باہر کے لوگوں میں اعتماد قائم کرنے میں دیر لگتی ہے۔باہر کے لوگ اتنی جلدی اثر نہیں لیں گے۔اگر ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ہمارے سلف صالحین نہ صرف خود تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ یہ بھی چاہتے تھے کہ آئندہ نسلیں اسلامی تعلیم و تربیت سے مزین ہوں۔مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی مندرجہ ذیل دعا کو دیکھیں۔

سورہ بقرہ، آیت نمبر 128

ترجمہ: ''اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار بنانا اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما کہ تو توبہ قبول کرنے والا رحم و کرم کرنے والا ہے''۔

ہمارے آباؤ اجداد کی زندگی کا مقصد علم حاصل کرنا اور اسے اپنی اولاد تک پہنچانا تھا کہ وہ بھی حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے بن سکیں۔اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ یہ دعا فرماتے ہیں۔

سورہ بقرہ، آیت نمبر 129

ترجمہ: ''اے ہمارے رب ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج دینا۔ جو ان کے پاس تیری آیات پڑھے، انہیں کتاب وحکمت سکھائے، اور انہیں پاک کرے یقینا تو غالب اور حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی اور اسی کام کے لیے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو معبوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ اگر ہم اس کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے لیکن کوئی نعمت دینے کے بعد مالک کائنات نے اس نعمت کا احسان نہیں جتایا۔ لیکن جب نعمت عظمہ عطا فرمائی تو اس کا احسان جتایا اور ایسا کیوں کیا؟ تاکہ ہم اس نعمت کی قدر کریں اور اس نعمت کو عام نعمت نہ سمجھیں تو یہ اتنی بڑی اور عظیم نعمت یعنی نعمت عظمہ ہمارے لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران، آیت نمبر 164 میں فرمایا:

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج دیا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ لوگ اس سے پہلے گمراہی میں تھے''۔

حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے تعلیم اپنے گھر سے شروع کی اور پھر اپنے رشتہ داروں اور آس پاس کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا جب مکہ میں رہنا دشوار ہوا۔ تو حکم الٰہی سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو سب سے پہلے یہ کام کیا کہ وہاں پر ایک مسجد تعمیر کی اور پھر مسجد کا ایک حصہ اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور سکھانے کے لیے متعین کر دیا۔ اس جگہ کا نام ''صفہ'' رکھا گیا۔ یہاں پر بہت سے صحابہ کرامؓ دن رات رہتے تھے اور پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے کے ساتھ ساتھ وہاں پر ہی کھاتے پیتے اور سوتے تھے۔ زندگی انتہائی سادہ تھی، نہ کھانے میں تکلف، نہ پینے اوڑھنے میں اور نہ رہنے میں۔ جو کچھ مل گیا کھا لیا۔ زمین پر سو رہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے پاس پہننے کے لیے بھی ایک جوڑے سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔ رات کو بدن پر ایک کپڑا لپیٹا کہ ستر ڈھک جائے اور کپڑے دھو ڈالے صبح فجر سے پہلے اٹھ کر ان کپڑوں کو پہن لیا۔ لیکن تعلیم کے معاملے میں ایسے کہ ان میں سے اکثر ہفتہ میں ایک دن مزدوری کرتے اور ''صفہ'' پر آ جاتے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے۔ کچھ تو ایسے تھے جن کے بیوی بچے نہ تھے وہ مسجد نبوی میں آنے والی کھجوروں پر ہی گزارہ کر لیتے۔ مدینہ میں زیادہ لوگوں کے کھجوروں کے باغات تھے۔ جب بھی کوئی اپنے درخت سے کھجوریں اتارنے لگتا تو سب سے پہلے ایک اچھا سا کھجوروں کا گچھا اتار کر مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں لٹکا جاتا۔ اس طرح کچھ صحابہ کرامؓ ان کھجوروں پر ہی اکتفا کرتے اور کھجوریں کھا کر پانی پی لیتے۔ یہ تھے صحابہ کرامؓ اور یہ تھے اسلام کے سب سے بڑے مبلغ اور یہ ہی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے کہنے پر دنیا کی مختلف جگہوں پر گئے۔ انہی حضرات کو ''اصحاب صفہ'' کہتے ہیں۔ ان اصحاب صفہ کی تعداد تو معلوم نہیں کہ کتنی تھی لیکن ایک مرتبہ حضرت سعد بن عبادہ نے اصحابہ صفہ کو کھانے پر بلایا تو ان کی تعداد 80 تھی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی ایک اچھی خاصی تعداد تھی۔ کچھ مالدار اصحاب بھی ان اصحاب صفہ کی مدد کیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ یہ اصحاب دن رات دین سیکھنے میں لگے رہتے ہیں اس لیے یہ حضرات ان لوگوں کا بہت خیال رکھتے۔ اکثر ان کو رات کے کھانے میں ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت خرچ کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ مقروض ہو گئے۔ انہوں نے اپنا قرضہ ادا کرنے کے لیے اپنا گھر بیچ دیا۔ اب ان کے پاس رہنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ اس لیے آپ خاتم النبیین ﷺ نے اصحاب صفہ کی امداد کے طور پر جو کھجوریں آیا کرتیں تھیں ان کی دیکھ بھال کرنے کی ذمہ داری حضرت معاذ بن جبلؓ کو دے دی تھی۔ یہاں پر ایک سبق ہمیں ضرور حاصل کر لینا چاہیے وہ یہ کہ جو لوگ تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کی مدد دل کھول کر کریں۔ دوسرے یہ کہ ایسے تعلیمی اداروں اور ان کے منتظمین کی بھی مدد کی جائے۔ اگر ہم ذرا بھی غور کریں تو ہمارے ہاں سب سے زیادہ قابل رحم طبقہ ہماری مسجدوں کے امام اور خطیب ہی ہیں۔

یہی حضرت معاذ بن جبلؓ مجتہد ہوئے اور جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ان کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا اے معاذؓ لوگوں کے درمیان کیسے فیصلہ کرو گے؟ آپؓ نے فرمایا کہ ''کتاب اللہ سے'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے کہا کہ "اگر کتاب میں نہ پاؤ تو"؟ انہوں نے فرمایا کہ ''سنت رسول خاتم النبیین ﷺ سے''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا کہ اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو؟ کہا کہ " پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کو پسند فرمایا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ جب یمن پہنچے تو انہوں نے حکم دیا کہ گاؤں گاؤں تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں۔ اور ان میں تعلیم کا اچھا انتظام کیا جائے۔ ان کے پیش نظر ''صفہ'' کی تعلیم گاہ تھی۔ انہوں نے اس کو مدنظر رکھ کر تعلیم وتربیت کا انتظام کروایا۔ تعلیم وتربیت کی اہمیت مندرجہ ذیل واقعات سے ثابت ہوتی ہے۔

1۔ ایک مرتبہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اپنے گھر سے مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں داخل ہوئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا کہ صحابہ کرام کے دو گروہ مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے اور دوسرا گروہ سیکھنے سکھانے یعنی تعلیم کے کام میں لگا ہوا ہے۔ یعنی دونوں

گروہ ہی اچھے کام میں مصروف تھے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے دونوں کو دیکھا اور پھر جو لوگ سیکھنے اور سکھانے میں مصروف تھے ان میں جا بیٹھے۔

2۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا۔''دو بھوکے ایسے ہوتے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے: ا۔علم کا بھوکا (طالب علم) ۲۔مال کا بھوکا (طالب دنیا)''۔(الکافی ج ا،ص ۴۶)

3۔ غزوہ بدر میں جب کچھ قیدی رہائی کے لیے اپنا فدیہ نہ دے سکے تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایسے ہر قیدی کو اجازت دے دی کہ وہ کم از کم دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔یہی ان کا فدیہ ہوگا۔اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ تعلیم کے لیے غیر مسلم سے مدد لینے میں مضائقہ نہیں۔یعنی غیر مسلم اساتذہ سے بھی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

4۔ ایک مرتبہ ایک نو سال کا لڑکا نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پیچھے سفر کر رہا تھا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا''اے نوجوان لڑکے سنو میں تمہیں چند عقلمندی کی باتیں سکھانا چاہتا ہوں۔اگر دنیا کی ہر چیز اور دنیا کے تمام انسان جمع ہو کر بھی تمہیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔اسی طرح کائنات کی ہر چیز اور ہر انسان مل کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہیں"۔

تمام صحابہ کرامؓ واس بات پر حیرت ہوئی کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک کم سن لڑکے کو اتنی اہم اور عقل کی باتیں بتائی ہیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ اس نوجوان کی ذہانت اور صلاحتیوں سے خوب واقف تھے۔یہ نوجوان لڑکا حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس علمی کمال کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اپنی حکومت کی مجلس شوریٰ میں ان کو شامل کیا تھا۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنی جوانی میں ہی اس وسیع عریض اسلامی سلطنت کے روزمرہ کے مسائل کو حل کیا کرتے تھے۔جبکہ اس کونسل کے دوسرے ممبر، معمر بدری صحابہ کرامؓ تھے۔ان تمام لوگوں نے اس نوجوان کو مجلس شوریٰ میں شمولیت کو قدرے عجیب خیال کیا تھا۔حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کے اس اضطراب کو بھانپ لیا اور مجلس شوریٰ کے معمر اصحاب سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ۔ ''سورہ النصر کا شان نزول کیا ہے؟''ان صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ یہ سورہ فتح مکہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ اس وقت اکثر لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔پھر حضرت عمرؓ نے یہی سوال حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کیا۔انہوں نے تمام لوگوں کے سامنے کہا۔میرے خیال میں تو اس سورۃ کا شان نزول یہ تھا'' آپ خاتم النبیین ﷺ کا کام پورا ہو چکا تھا اور آپ خاتم النبیین ﷺ ہم کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہونے والے تھے۔''حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں بھی اس کا یہی مطلب سمجھتا ہوں۔تمام معمر حضرات یہ بات سن کر دنگ رہ گئے اور حقیقت بھی یہی تھی کیونکہ سورہ النصر آخری صورت ہے جو آپ خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوئی۔اس کے نازل ہونے کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنا ذکر بدل دیا تھا۔پہلے آپ خاتم النبیین ﷺ ذکر کرتے تھے:

سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد پڑھنے لگے

سبحان اللہ و بحمدہ سبحان العظیم و بحمدہ استغفر اللہ و اتوب الیہ

حضرت عائشہؓ نے سوال کیا'' یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اب ایسا پڑھنا کیوں شروع کر دیا ہے۔'' جواباً آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' مجھے اللہ نے اسی طرح حکم دیا ہے پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے سورہ النصر کی تلاوت کی''۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے عورتوں کی تعلیم پر بھی بہت زور دیا ہے۔

المغازی سیرت رسول خاتم النبیین ﷺ کی سب سے پرانی کتاب ہے۔یہ کتاب مراکش میں شائع ہوئی۔اس میں لکھا ہے کہ'' آپ خاتم النبیین ﷺ پر جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ خاتم النبیین ﷺ پہلے مردوں کو یہ پڑھ کر سناتے اور پھر عورتوں کو سناتے۔ اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح تعلیم دینا چاہتے تھے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' جو شخص اپنی تین لڑکیوں کو محبت کے ساتھ پالے اور ان کی صحیح تربیت کرے تو یہ قیامت کے روز اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا سامان ہوگا''(بخاری)

اگر ہم اپنے سلف صالحین کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ زیادہ تر اپنے والد کے سائے سے بچپن ہی میں محروم ہو گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل سے اسی تعلیم کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور تعلیم و تدریس کے وہ نمونے اور وہ کتب چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے کیمیا کا درجہ رکھتی ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے قید کے زمانے میں بھی درس و تدریس کو نہ بھولے۔اس طرح ہمارے سلف صالحین حالات کی ناسازگاری کے باوجود اسلامی تعلیم کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔اس سلسلے میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے حالات ہمارے سامنے ہیں۔حضرت امام سرخسیؒ جو پانچویں صدی ہجری میں گزر چکے ہیں۔ان

کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ مشہور ہے۔آپؒ فقہی علم میں بہت ماہر تھے۔آپؒ بڑے پروقار اور جرات مند تھے۔اس وقت کے حکمران نے عوام پر بے جا ٹیکس تھوپ دیا تھا۔امام سرخسیؒ نے ایک فتویٰ جاری کیا اور عوام کو ٹیکس نہ ادا کرنے کی تلقین کی۔حکمران ان کو قتل نہیں کروا سکتا تھا تاہم اس نے ان کو ایک بند کنویں میں قید کر دیا۔امام سرخسیؒ چودہ سال تک اسی کنویں میں رہے انہوں نے اس کنویں کے محافظ سے اجازت چاہی کہ ان کے طلبا کو کنویں کی دیوار تک آنے کی اجازت دی جائے۔امام سرخسیؒ نے اپنے طلبا کو ''اسیر الکبیر'' نامی کتاب کی مکمل تفسیر نوٹ کروائی۔''اسیر الکبیر'' (امام ابو حنیفہؒ کے ایک شاگرد کی لکھی ہوئی ہے) یہ تفسیر چار جلدوں پر مشتمل ہے۔اس طرح انہوں نے'' مبسوط'' نامی کتاب جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے تیار کروائی۔اس کنویں میں رہتے ہوئے بھی انہوں نے کئی درجن دیگر کتابیں بھی تصنیف کروا ڈالیں (مدینہ منورہ تاریخی واقعات، امتیاز احمد)

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں اپنے جیل کے ساتھیوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم دینے کا انعام کیا ہے۔

سورہ الطور آیت نمبر 21

ترجمہ: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے''۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہ بعض والدین کے بچے اگر جنت میں کم درجے پر ہوں گے تو یہ والدین چاہیں گے کہ سارا کنبہ جنت میں ایک ساتھ جمع ہو جائیں۔اللہ نے یہاں ان کو یکجا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔بشرطیکہ ان کی اولاد بھی ان کی طرح عقیدہ اور ایمان رکھنے والے ہوں اور اپنے والدین کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' کچھ لوگ جنت میں بہت ہی اونچے مقام میں داخل کیے جائیں گے، ان کو خود حیرت ہوگی کہ ان کو اتنا اونچا مقام کیسے مل گیا؟ کیونکہ ان کے اعمال تو اتنے اونچے نہ تھے۔اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم نے اپنے پیچھے جو اولاد چھوڑی ہے وہ تمہارے لیے برابر دعا کرتی رہی تھی۔ان کی ایک ایک دعا پر جنت میں تمہارا ایک ایک درجہ بڑھتا چلا گیا''۔(مسند احمد)

پس ہمیں نہ صرف خود اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی چاہیے بلکہ اپنی اولاد کے لیے بھی اس کا خاطر خواہ انتظام کرنا چاہیے۔کیونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کا مقصد اور ہماری دنیا و آخرت میں کامیابی کا راز بھی اس میں مخفی ہے۔

وہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا؟
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی آذاں سے پیدا

****

کامیاب زندگی گزارنے کا راز (اسلامی تعلیمات)

اسلام ایک عالمی اور آفاقی دین ہے۔ یہ تمام زمانوں اور تمام جہانوں کے لیے نافذ کیا گیا ہے۔ ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ہدایت اور حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ہدایت کے بغیر انسان جہالت کے اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جس کے لیے چاہے اس ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ آیت نمبر 269 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جس شخص کو حکمت اور سمجھ دی گئی۔ اسے بہت ساری بھلائی دی گئی اور نصیحت تو صرف عقل مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں''۔

یہ عقلمند لوگ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ان عقل مندوں کے متعلق فرماتا ہے۔ سورہ زمر آیت نمبر 18

ترجمہ: ''وہ بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر جو بہترین بات ہو اس کی اتباع کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں''۔

جن لوگوں کو حکمت ملی تھی ان میں سے ایک حضرت لقمانؑ بھی ہیں۔ سورہ لقمان آیت نمبر 12

ترجمہ: ''اور ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی تھی کہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لیے شکر ادا کرتا ہے اور جو ناشکری کرے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمانؑ پر اپنی حکمت کے دروازے کھول دیئے اور انہیں حکم دیا کہ شکر گزار ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو۔ اسی بات کو ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''شکر گزاری اور عقلمندی لازم و ملزوم ہیں۔ شکر وہی ادا کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور بخشا ہو۔ ایک عقل مند شخص اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ میرے شکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس میں میرا ہی فائدہ ہے جو کوئی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اس کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی خواہشات سے پاک ہے اور ہمارے شکر سے بالاتر ہے۔ اسی وجہ سے ہر تعریف کے لائق ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو چھ بڑی بڑی نصیحتیں کیں تھیں۔ جو کامیاب زندگی کا ایک بہترین نمونہ اور اسلامی تعلیمات ہیں۔

1۔ ترجمہ: ''اور جیسا کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا "اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا بے شک شرک بہت بڑا گناہ ہے''۔

اسلام میں سب سے اہم چیز توحید ہے جس کا مطلب یہ ہے خدائے واحد ہمارا معبود ہے۔ ہمیں اس کی عبادت کرنی ہے اور کسی بھی شکل میں اس کا کوئی شریک ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کرے گا شرک سے چھوٹے گناہوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف کر دے گا۔

سورہ النساء آیت نمبر 116 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اسے قطعاً نہ بخشے گا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا۔ ہاں شرک کے علاوہ جس کو چاہے گا گناہ معاف کر سکتا ہے اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا''

2۔ سورہ لقمان آیت نمبر 15-14 ہمیں تعلیم دیتی ہیں کہ ہم اپنے والدین کا احترام کریں اور ان کی پوری اطاعت کریں۔ ہاں اگر وہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہوں تو ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے''۔ (سورہ لقمان آیت نمبر 14:15)

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے لیے نصیحت کی ہے۔ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے اپنے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں کی۔ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کرو (تم سب کو) میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس راہ پر چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو۔ تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے پھر میں تمہیں تمہارے کئے پر خبردار کر دوں گا''

3۔ کائنات کی ہر چیز کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ چاہے وہ پوشیدہ ہو یا کھلی ہوئی ہو۔

سورہ لقمان آیت نمبر 16

ترجمہ: ''پیارے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور پھر وہ (بھی) خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو۔ اسے اللہ تعالیٰ

ضرور نکال لائے گا اللہ تعالیٰ بڑا ہی باریک بین اور خبر دار ہے''۔

ہمیں یہ بات قرآن پاک کے ذریعے معلوم ہو چکی ہے کہ روز محشر ہر شخص کو اپنے اپنے حساب کتاب سے گزرنا ہوگا اور ہمارے ہر چھوٹے اور بڑے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

سورہ سبا آیت نمبر 3

ترجمہ: ''کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت کب آئے گی؟ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے میرے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے کہ وہ یقیناً تم پر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے کے برابر چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے چھوٹی اور بڑی چیز (ہر چیز) ایک کتاب میں درج ہے''۔ (یعنی لوح محفوظ میں)

4۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کچھ اہم فرائض کی یاد دہانی کرائی۔ کیونکہ ان کی پابندی کر کے بندہ انتہائی بلندی تک پہنچ جاتا ہے۔

سورہ لقمان آیت نمبر 17

ترجمہ: ''اے میرے پیارے بیٹے تم نماز قائم رکھنا۔ اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا۔ برے کاموں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تم پر آئے اس پر صبر کرنا (یقین جاننا کہ) کہ یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

5۔ سب سے پہلے تو ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کریں۔ ہمیں یہ کوشش بھی کرنی چاہیے کہ ہم عام لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ حالانکہ یہ کام بہت ہی زیادہ صبر اور اولوالعزمی چاہتا ہے۔

سورہ القمان آیت نمبر 18

ترجمہ: ''اور لوگوں کے سامنے اپنی گال نہ پھلا، اور زمین پر اترا کر نہ چل۔ اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو پسند نہیں فرماتا''۔

اس ضمن میں چند احادیث ملاحظہ کیجئے۔

i۔ ترجمہ: ''حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' مجھے عمدہ اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے''۔ (موطا امام مالک)

ii۔ ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا "اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے زیادہ قابل قدر مسلمان کونسا ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں''۔ (بیہقی)

iii۔ ترجمہ: ''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ایک شخص اپنے اخلاق کے بدولت جنت کے بہت بلند درجات حاصل کر سکتا ہے چاہے وہ عبادت میں بہت زیادہ آگے نہ ہو۔ اس کے برعکس کوایک بندہ بہت بڑا عابد ہو لیکن اگر لوگوں کے ساتھ اس کا اخلاق صحیح نہ ہو تو وہ جہنمی ہوگا"۔ (معجم طبرانی)

iv۔ ترجمہ: ''حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ اُس بندے کو رحم و کرم اور لطف و عنایت کی نظر سے نہیں دیکھتے جو غرور اور گھمنڈ کی وجہ سے اپنے کپڑوں کو زمین تک لٹکا کر پہنتا ہو"۔ (مسلم)

6۔ آخیری نصیحت میں حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو چال اور آواز میں اعتدال کی تلقین فرمائی۔

سورہ لقمان، آیت نمبر 19

ترجمہ: ''اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور آواز کو پست کر یقیناً تمام آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدھے کی آواز ہے''۔

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 37 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ نہ تو تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ ہی اونچائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے''۔

پس اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے وہ ہیں کہ جب وہ چلتے ہیں تو مکمل حیاء، انکساری اور میانہ روی سے چلتے ہیں۔

حضرت امام حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے پوچھا" رسول پاک خاتم النبیین ﷺ لوگوں سے کس انداز میں ملا کرتے تھے''۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ'' آپ خاتم النبیین ﷺ ہمیشہ خوش مزاجی سے ملتے تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ اپنے رویے میں بے حد نرم تھے اور بات چیت میں دوسروں کا دل موہ لیتے تھے۔ نہ آپ خاتم النبیین ﷺ کسی کو اپنی زبان سے تکلیف دیتے تھے اور نہ عمل سے۔ نہ آپ خاتم النبیین ﷺ بہت اونچی آواز میں بات

کرتے تھے اور نہ کبھی کوئی نازیبا بات زبان مبارک سے نکالتے تھے۔ نہ آپ خاتم النبیین ﷺ کنجوس تھے، نہ آپ خاتم النبیین ﷺ اسراف فرماتے تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے کبھی کسی پر الزام نہیں لگایا۔ جو چیز آپ خاتم النبیین ﷺ کو پسند نہ ہوتی آپ خاتم النبیین ﷺ اس سے بے اعتنائی برتتے اور ایسے معاملے میں آپ خاتم النبیین ﷺ جھگڑا کرنے، تکبر کرنے اور کسی فضول معاملے میں کبھی بھی ملوث نہیں ہوئے۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ آیت نمبر 83 میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور اسی طرح قرابت داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی بات کہنا۔ نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا''۔

پس اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ لوگوں سے بھلے انداز سے اور نرمی سے خطاب کرو۔ اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت ہارونؑ کو فرعون کے پاس بھیجا تو ہدایت دی کہ سورہ طٰہٰ آیت نمبر 44

ترجمہ: ''تم دونوں جاؤ اور دیکھو بات نرمی سے کرنا شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے''۔

اس لیے ہمیشہ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے بہتر ہم میں سے کوئی نہیں اور پھر فرعون سے برا سننے والا کوئی نہیں تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''بات نرمی سے کرنا'' اور فرمایا:

قولا اقولاً کریما (اچھے انداز میں بات کہنا)

تو اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو بات بھلے انداز میں کرنے کا درس دیا ہے۔ یہ ہیں ''نصیحتیں جو حضرت لقمانؑ'' نے اپنے بیٹے کو کیں۔ یہ دراصل زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ ہے جو قرآن پاک نے اپنے پڑھنے والے کو دیا ہے۔ لوح محفوظ میں انفرادی زندگی بھی نقش ہے اور اجتماعی یا قومی زندگی بھی نقش ہے۔ انفرادی حدود میں جب کوئی کوشش اور جدوجہد کرتا ہے تو اس کے اوپر انفرادی فوائد ظاہر ہو جاتے ہیں اور قومی یا اجتماعی اعتبار سے جب ایک دو چار یا دس بندے کوشش کرتے ہیں تو اس جدوجہد اور کوشش سے پوری قوم کو فائدہ پہنچتا ہے۔

یاد رکھیں کہ جس بندے کے پیش نظر صرف اپنی ذات ہے اس نے انسانی دائرے میں پوری طرح قدم ہی نہیں رکھا۔ ایسا شخص دنیا میں صرف اپنے لیے جہدو جہد کرتا ہے اور یہی لالچ و ہوس اور دنیا کمانا اپنی اگلی نسل کو بھی منتقل کر دیتا ہے۔

ایک نوجوان نے ایک بوڑھے کو دیکھا جس کا چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور وہ بڑی ہی محنت سے کھرپی کو چلا رہا تھا۔ اس نے زمین کھودی اور پھر اس میں آم کے چھوٹے چھوٹے پودے قطار سے لگا دیئے۔ پھر مٹی برابر کی اور اسے پانی سے سیراب کر دیا۔ یہ سب کرنے کے بعد بوڑھا خوشی سے نہال ہو گیا۔ نوجوان یہ تمام کارروائی دیکھتا رہا۔ پھر بوڑھے سے کہا" بزرگوار ایک سوال کروں"؟ بوڑھے نے خوشی سے جواب دیا" ضرور ضرور"۔ نوجوان نے کہا" بڑے میاں آپ نے یہ چند پودے لگانے میں کتنی محنت کی ہے۔ یہ پودے جب پھل دیں گے تو کیا آپ اس دنیا میں موجود ہوں گے؟ آپ اتنے خوش کیوں ہیں"؟ بوڑھے کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور کہا" برخودار جب یہ پودے پھل دیں گے تو میرا وجود مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا ہو گا۔ میں اپنے لیے خوش نہیں ہوا ہوں۔ میں نے یہ پودے لگائے تو میں چشم تصور میں ان بزرگوار کو دیکھ رہا تھا جنہوں نے ہمارے لیے پودے لگائے تھے کہ ان کی کوشش بار آور ہوئی اور ہم نے ان کے ہاتھوں سے لگائے ہوئے پودوں کے پھل کھائے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنی آنے والی نسلوں کے بچوں کو بھی دیکھ رہا تھا جو میرے لگائے ہوئے پودوں کے پھل کھائیں گے''۔

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کتنے کامیاب اور کتنے عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جو آئندہ نسلوں کے فائدے کا بھی خیال رکھتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں۔ اصل اور دائمی کامیابی ان ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ تک تمام پیغمبران کی زندگی کا اگر مطالعہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر پیغمبر نے اجتماعی طور پر کوشش کی ہے اور پوری قوم کو سدھارنے کے لیے کام کیا ہے۔ ان کے پیش نظر پوری نوع انسانی کی بھلائی رہی۔ ہر پیغمبر نے اپنی تعلیمات کا دائرہ کار لامحدود رکھا اور سب نے اگلی نسلوں تک کے لیے کام کیا۔ جو لوگ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے نور نبوت سے فیض یاب ہوئے ان کا کہنا ہے کہ علم لدنی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کی سوچ کا دائرہ لامحدود وسعت کا حامل ہوتا ہے۔ جو لامحدود ذہن رکھتا ہے۔ جس کے سامنے اپنی ذات نہیں ہوتی۔ بلکہ پوری نوع انسانی ہوتی ہے۔ پوری کائنات ہوتی ہے۔ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ جب ہم اپنے نبی خاتم النبیین ﷺ کا اتباع کریں گے اور ان کی تعلیمات پر عمل کریں گے تو انشاء اللہ راستے کھلتے چلے جائیں گے اور دین و دنیا دونوں میں کامیابیاں نظر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہونے لگے گی۔ ہمیں راستے ملتے چلے جائیں گے۔ ہمیں اسوۂ حسنہ سے مستفید ہوتا دیکھ کر ہماری اولاد بھی اس طریقہ کی اتباع کرے گی۔ اور پھر اولاد کی اولاد بھی خود شناسی اور معرفت کی راہوں پر گامزن ہو

جائے گی۔فرمان الٰہی ہے سورہ العنکبوت آیت نمبر 69:

ترجمہ: ''جو لوگ مجھے پانے کی کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لیے (اپنی طرف آنے والے) راستے کھول دیتے ہیں''۔

ہم اس بات سے واقف ہیں کہ جب ہم کوئی نیک کام کرتے ہیں یعنی باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں یا کسی غریب کو کھانا کھلاتے ہیں یا کسی غریب لڑکی کی شادی کرواتے ہیں تو ہمارے اوپر سے وقتی طور پر ہی سہی رنج والم کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔آج کے دور کی پریشانی اور لاعلاج بیماریوں کی وجہ سے انسان کے اندر سے یقین نکل گیا ہے۔شک اور وسوسوں نے انسان کو اپنا آلہ کار بنالیا ہے۔ان تمام آفات الٰہی اور لاعلاج بیماریوں سے نجات کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے احکامات پر پوری طرح عمل کریں۔شک اور وسوسوں سے دور رہیں اور یقین کو اپنا نصب العین بنائیں۔

اِس لیے کہ اگر انسان ذہنی طور پر خودغرض ہو کر سب کچھ اسی دنیا ہی کو سمجھنے لگے تو اس سے بار بار لوگوں کی حق تلفی ہوگی۔حق تلفی ایک تخریب ہے جس طرح خود غرضی تخریب ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ سے دوری اور دنیا میں انہماک بھی ایک بڑی تخریب اور تباہی ہے۔یہی وہ بیماری ہے جس سے انسان کے خیالات میں کثافت پیدا ہوتی ہے۔آج کے دور میں بیماریوں کو ختم کرنے کے لیے نئے نئے تجربات ہو رہے ہیں۔لیکن ایسے حالات پیدا کرنے کے لیے جن سے یہ بیماریاں پیدا ہی نہ ہوں کوئی کوشش نہیں کی جارہی۔کسی پریشانی اور بیماری سے نجات پانے کے لیے ضروری ہے کہ اس بیماری اور پریشانی کے اسباب کا علم ہو۔جب ہمیں بیماری کا علم ہوجاتا ہے تو ہم علاج کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کے اندر گیارہ ہزار صلاحتیں رکھی ہیں۔جن میں ہر ایک صلاحیت پورا علم ہے (قلندر بابا اولیاءؒ)

اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ملاحظہ کریں۔جب ہم پرندوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کی تعداد اربوں کھربوں سے تجاوز کرجاتی ہے اور جب ہم کسان کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ بچا کچا اناج بھی جھاڑو سے سمیٹ لیتا ہے۔لیکن جب پرندے بھوک کا تقاضہ رفع کرنے کے لیے زمین پر آنے لگیں تو قدرت زمین پر پرندوں کے لیے دانہ پھیلا دیتی ہے۔

دین اور دنیا کی کامیابی کا راز جاننے کے لیے انسانی معاشرے کے پاس صرف اور صرف ایک ہی یقینی ذریعہ ہے اور وہ ذریعہ ہے قرآن پاک۔قرآن پاک اپنے بارے میں خود کہتا ہے کہ میں علم کی دستاویز ہوں۔قرآن پاک کا علم تین ابواب پر مشتمل ہے۔

1۔ انسان کو معاشرے میں کس طرح رہنا ہے اور معاشرے کو کن خطوط پر چلانا ہے؟

1) معاشرے میں رہنے والے لوگوں کے حقوق کی کس طرح پاسداری کرنی ہے؟

2) معاشرے میں کون سے قانون رائج کرنے ہیں جن کے نفاذ سے زمین پر سے فساد ختم ہوجائے اور امن قائم ہوجائے؟

2۔ جن قوموں میں تکبر اور خودغرضی ہوتی ہے تو قدرت انہیں مٹا دیتی ہے۔اور جو قومیں اپنے حقوق کا تحفظ کرتی ہیں اور دوسروں کے حقوق میں ڈاکہ نہیں ڈالتیں۔وہ قومیں عروج یافتہ ہوتی ہیں۔

3۔ ہر انسان خواہ وہ کتنا ہی کم فہم اور کم دانش ہو اس کے ذہن میں بھی یہ بات آتی ہے اسے کس نے پیدا کیا؟ کیوں پیدا کیا؟ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور جب میں مرنا نہیں چاہتا تو کیوں مرجاتا ہوں اور مرنے کے بعد کہاں چلا جاتا ہوں؟ وہاں میرے ساتھ کیا ہوگا؟ ان تمام باتوں کا جواب قرآن پاک میں موجود ہے۔ایک کامیاب انسان وہی ہے جو سب سے پہلے ہوش سنبھالتے ہی اپنے مقصد حیات کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔

اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ، آیت نمبر 22 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا۔آسمان کو چھت بنایا اور اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے تمہیں رزق باہم پہنچایا''۔

سورہ انعام، آیت نمبر 99 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے ہر قسم کی نباتات اگائیں اور پھر ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کئے۔پھر ان پر تہہ در تہہ جڑے ہوئے دانے نکلے اور کھجوروں کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کئے۔جو بوجھ سے جھکے پڑتے ہیں اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جنکے پھل ایک دوسرے سے ملتے ہیں لیکن ہر ایک کی خصوصیت الگ الگ ہے۔یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور ان کے پکنے کی کیفیت ان تمام چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں''۔ایک انسان اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اس کی سوچ یہ نہیں ہوجاتی ہے کہ میں کیوں پیدا کیا گیا ہوں اور جس ذات کو میں نے اپنا معبود کیا ہے وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ کن باتوں کے کرنے اور کن باتوں کے نہ کرنے کو کہتا ہے۔کون سی چیزیں اس نے میرے لیے جائز اور کونسی ناجائز فرمائی ہیں؟ اپنے معبود سے محبت کے دعوے کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے یعنی یہ دعویٰ معبود کی نظر میں اس وقت قابل قدر ہوتا ہے جب ہم اللہ کے رسول حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے سچی محبت اور ان کی پیروی کریں۔اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ میں ہی دین و دنیا کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

اللہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

****

اسلام میں توبہ کا تصور

توبہ ان تین مرتب چیزوں کا نام ہے جو ایک دوسرے کے بعد آتی ہیں۔

(1) علم   (2) ندامت   (3) قصد ترک گناہ

1۔ علم سے غرض یہ ہے کہ اس بات کو جان لے کہ گناہوں کا نقصان کتنا ہے۔

2۔ ندامت دل کا وہ افسوس اور پشیمانی ہے جو گناہ کے بعد پیدا ہوتی ہے جس میں یہ حسرت غالب ہوتی ہے کہ کاش میں نے یہ نہ کیا ہوتا۔

3۔ قصد ترک گناہ حال اور مستقبل کے لیے اور تلافی ایام ماضی

ان سب کے مجموعہ کو توبہ کہتے ہیں

توبہ کا مطلب ہے لوٹ آنا۔ انسان جب گناہ کا ارتکاب کر کے پشیمان ہوتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا تو گویا نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اور اب جب وہ نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے تو اللہ بھی اپنی ناراضگی دور کر کے رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ توبہ ایک آگ ہے کہ دل میں بھڑکتی ہے ایک درد ہے کہ جگر سے جدا نہیں ہوتا۔ توبہ جفا کا لباس اتار کر وفا کا لباس پہننا ہے۔

حضرت سہیل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ ''حرکات مذمومہ کو افعال محمودہ سے بدل دینے کا نام توبہ ہے'' (بری حرکات کو اچھے اعمال سے بدلنا)

توبہ کے معنی گناہ چھوڑنے کے ہیں اور کسی چیز کا چھوڑنا اس وقت ممکن ہوا کرتا ہے جب اس کو جان لیا جائے اور چونکہ توبہ واجب ہے تو جس چیز سے توبہ کے درجے کو پہنچتے ہیں وہ بھی واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں کا پہچاننا واجب ہے۔

ایک حدیث ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سرزمین ناموافق حالت میں ہو۔ اس کے ساتھ اس کی سواری بھی، جس پر اس کا کھانا پینا لدا ہوا ہو پھر وہ شخص سو جائے، پھر جاگے تو سواری نہ پائے اس کو ڈھونڈنے لگے یہاں تک کہ بھوک اور پیاس اور مایوسی کا شدید غلبہ ہو تو کہے کہ جہاں تھا وہیں لوٹ جاؤں اور سورہوں تا کہ مر جاؤں اور وہاں پہنچ کر مرنے کے لیے اپنے ہاتھ کو سر تلے رکھ کر سو جائے اور پھر جو آنکھ کھلے تو سواری مع توشہ اور سامان پاس ہی کھڑی ہو تو جتنی خوشی اس شخص کو سواری ملنے کی ہوگی اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ بندہ مومن کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی تو ان کو فرشتوں نے خوشخبری سنائی۔ حضرت جبرائیلؑ اور میکائیلؑ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے آدم خدا تعالیٰ نے جو آپ کی توبہ قبول فرمائی تو آپ کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ حضرت آدمؑ نے جواب دیا کہ اے جبرائیل اگر توبہ کے قبول کے بعد گناہ کا سوال ہوا تو میرا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ اس وقت ان پر وحی بھیجی گئی کہ ''اے آدم تو نے اپنی اولاد کے لیے رنج ومشقت بھی چھوڑی اور توبہ بھی تو جو کوئی ان میں سے مجھ کو پکارے گا میں اس کو سنوں گا۔ جیسی تیری سنی اور جو کوئی مجھ سے مغفرت کا سوال کرے گا میں بخل نہ کروں گا۔ کیونکہ میرا نام قریب اور مجیب ہے۔ اے آدم میں توبہ کرنے والوں کو قبروں سے ہنستے ہوئے اور بشارت سناتے ہوئے اٹھاؤں گا۔ وہ جو دعا کریں گے قبول ہوگی''

ہر صحیح توبہ قبول ہوتی ہے کیونکہ جو لوگ نور بصیرت سے دیکھتے ہیں اور انوار قرآنی سے فیض یاب ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ قلب سلیم (یعنی ایسا دل جس میں مرض نہ ہو) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوتا ہے۔ آخرت میں اللہ کے قرب میں مزہ اڑائے گا۔ نیز یہ لوگ جانتے ہیں اصل میں دل بے روگ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی سلامتی گناہوں کی تاریکی اور غبار کے چھا جانے سے جاتی رہتی ہے۔ آتش ندامت اس کدورت کو جلا دیتی ہے اور نیکی کا نور دل سے بدی کی تاریکی کو دور کر دیتا ہے۔

روایت ہے کہ جب شیطان راندہ گیا تو اس نے قسم کھائی کہ مجھے قسم ہے اپنی جان کی میں تیرے ان بندوں کو اس وقت تک بہکاؤں گا جب تک ان کی جانیں ان کے جسموں میں رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ مجھے قسم ہے اپنی عظمت اور اپنے عالی مقام کی میں اپنے بندوں کو اس وقت تک معاف کرتا رہوں گا جب تک یہ توبہ کرتے رہیں گے''۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''جس نے کوئی قصور کیا وہ اگر اس کو یاد کر کے دل میں خائف ہو تو وہ قصور اس کے نامہ اعمال سے محو ہو جاتا ہے''

روایت ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے کسی نبی سے کوئی قصور سرزد ہوا، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ''قسم ہے اپنی عزت کی اگر تو نے پھر ایسا کیا تو عذاب دوں گا''۔ انہوں نے عرض کیا ''الٰہی تو تو ہے اور میں میں ہوں۔ قسم ہے تیری ذات کی اگر تو مجھ کو نہ بچائے گا مجھ سے دوبارہ قصور بے شک ہوگا'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ

قصور کرنے سے محفوظ کر دیا (عبادت پر مدد اللہ ہی سے مانگی جائے)

بندہ بعض اوقات گناہ کرتا ہے اور مدت العمر نادم ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔اس وقت شیطان افسوس کرتا ہے کہ کیا خوب ہوتا کہ میں اس کو گناہ میں مبتلا ہی نہ کرتا۔

ایک شخص نے حضرت ابن مسعودؓ سے سوال کیا "میں نے ایک گناہ کیا ہے۔میری توبہ بھی قبول ہوگی یا نہیں"۔آپ نے اس کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا۔''جنت کے آٹھ دروازے ہیں سب کھلتے اور بند ہوتے ہیں مگر توبہ کے دروازے پر ایک فرشتہ معین ہے وہ بند نہیں ہوتا تجھ کو چاہیے کہ عمل کر اور نا امید نہ ہو''۔

حضرت عبدالرحمن بن ابن القاسمؒ نے فرمایا کہ ''مسلمان کا توبہ کرنا ایسا ہے جیسے اسلام کے بعد پھر اسلام لانا''۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ میں تم سے ایک حدیث کہتا ہوں وہ یا نبی مرسل سے سنی ہوئی کہتا ہوں یا کتاب آسمانی سے دیکھی ہوئی بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ ''بندہ گناہ کرنے کے بعد اگر ایک لمحہ ندامت کرتا ہے تو پل مارنے سے پہلے وہ گناہ اس سے محو کر دیا جاتا ہے''

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھو اس لیے کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں''۔

بعض اکابر کا قول ہے کہ ''مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کب کرے گا"؟ لوگوں نے پوچھا کب کرے گا''؟انہوں نے کہا" جب میری توبہ قبول کرے گا"۔اور بعضوں کا قول ہے کہ ''اگر میں توبہ سے محروم رہوں تو زیادہ خوف کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ مغفرت سے محروم رہوں اور یہ اس لیے کہ مغفرت توبہ کا لازم ہے توبہ قبول ہوگی تو مغفرت ہوگی''۔

روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت بیس برس کی تھی پھر اس کی نافرمانی بھی بیس برس کی پھر آئینے میں جو دیکھا تو داڑھی میں سفیدی نکل آئی اور برا معلوم ہوا۔پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ "رب العزت میں نے بیس برس تیری اطاعت کی اور بیس برس تک نافرمان رہا۔اب اگر اپنی تمام حرکات سے باز آ کر تیری طرف رجوع کروں تو تو کیا میری توبہ قبول فرمائے گا"؟اسی وقت ایک آواز سنی مگر کہنے والا نظر نہ آیا مطلب اس کا یہ تھا ''تو نے ہم سے دوستی کی تو ہم نے تجھ سے محبت کی جب تو نے نافرمانی کی تو ہم نے تجھ کو مہلت دی اب اگر رجوع کرے تو پذیرائی فرمائیں گے''۔

بندوں کی صفات کے اعتبار سے گناہوں کی قسمیں

انسان کے اوصاف اور اخلاق بہت سے ہیں مگر جن سے کہ گناہ وجود میں آتے ہیں وہ صفات 4 ہیں:

(1) ربوبیت	(2) شیطانیت	(3) بہیمانیت (بہیمی)	(4) سبعائیت (سبعی)

1۔ ربوبیت میں کبر، فخر، جابر ہونا، اپنے ساتھ محبت، مدح، ثنا، عزت، تونگری اور خلق پر اپنی برتی سمجھنا وغیرہ آتے ہیں، گویا یہ کہنا چاہتا ہے کہ ''انا ربکم الاعلی'' اس صفت سے ایسے گناہ کبیرہ پھوٹتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی خبر نہیں ہوتی اور ان کو گناہوں میں شمار نہیں کرتے حالانکہ یہ بڑے مہلک اور اکثر گناہوں کی جڑ ہوتے ہیں۔

2۔ شیطانیت: دوسری صفت شیطانی سے یہ باتیں پھوٹتی ہیں، حسد، سرکشی، حیلہ، مکر، نفاق اور بدعت کی طرف بلانا اور گمراہی۔

3۔ تیسری صفت بہیمی ہے اس میں قباحتیں ہیں۔شدت حرص، طمع، شہوت شکم و شرمگاہ کے پورا کرنے کی خواہشیں اور اس کی شاخیں، زنا، اغلام، چوری، یتیم کا مال کھانا، اور مال حرام کا اکٹھا کرنا۔

4۔ چوتھی صفت سبعی ہے اس سے یہ برائیاں نکلتی ہیں، غضب، کینہ، مار پیٹ، گالی اور قتل وغیرہ۔

یہ چاروں صفتیں بتدریج آتی ہیں۔سب سے پہلے صفت بہیمی غالب ہوتی ہے اس کے بعد صفت سبعی ظاہر ہوتی ہے اور یہ دونوں جمع ہو کر عقل کو مکر و فریب اور حیلے میں لے آتی ہیں اور اسی سے صفت شیطانی کا زور ہوتا ہے۔پھر سب سے آخیر میں صفات ربوبیت یعنی فخر، عزت، اور کبریائی کی خواہش اور لوگوں پر حاوی ہونے کا قصد ابھرتا ہے، غرض یہ کہ گناہوں کا منبع یہی چار باتیں ہیں۔

دوسری قسم گناہوں کی یہ ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں۔ایک وہ جو اللہ اور بندے کے درمیان ہیں اور ایک وہ جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں۔پس جو گناہ حقوق اللہ کے متعلق ہیں وہ یہ ہیں جیسے نماز روزہ اور دوسرے واجبات چھوڑ دینا اور جو حقوق العباد سے متعلق ہیں وہ ایسے ہیں جیسے زکوٰۃ نہ دینا، کسی کو مار ڈالنا، مال چھین لینا اور گالی دینا وغیرہ۔ تیسری قسم گناہوں کی یہ ہے کہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے "جو چیز اللہ نے منع فرمائی اور بندے نے کی وہ کبیرہ گناہ ہے اور بعض کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس گناہ پر دوزخ کا وعدہ کیا

ہے وہ کبیرہ ہے اور بعض سلف کا قول ہے کہ جس گناہ پر دنیا میں حد واجب ہوتی ہے وہ کبیرہ ہے"۔

حضرت ابن عباسؓ سے جب گناہ کبیرہ کے شمار کی بابت پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا سورہ نساء کے شروع سے پڑھو اور تیس آیت تک پڑھتے جاؤ یہاں تک کہ جب یہ (آیت نمبر 31) آجائے: **ان تجتنبو اکبائر ماتنهون عنه**

تو جتنے گناہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے شروع سے اس آیت تک منع فرمائے ہیں وہ کبیرہ ہیں۔

علاوہ ازیں حدیث شریف میں ایک گالی کے عوض دو گالی دینا گناہ ہے۔ پھر بعض گناہ بعض کی نسبت کم اور بعض کی نسبت زیادہ ہیں۔ مثلاً اجنبی عورت کے ساتھ لیٹنا زنا کی نسبت کم اور صرف آنکھ سے دیکھنے کی نسبت زیادہ ہے۔

اللہ اور بندے کے درمیان حجاب جہالت کی وجہ سے آتا ہے اور اللہ اور بندے کے درمیان قرب علم و معرفت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس قدر معرفت زیادہ ہوگی اس قدر قرب زیادہ ہوگا۔ اس لیے اللہ کی گرفت سے بے خوف ہونا اور رحمت سے مایوس ہونا جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ علم و معرفت والے نہ تو کبھی کسی لحہ اللہ کی گرفت سے بے خوف رہ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی رحمت سے مایوس ہو سکتے ہیں۔ قیامت میں آدمی چار اقسام میں منقسم ہوں گے۔

1۔تباہ کار و ہالک	2۔معذب	3۔ناجی	4۔فائز

تباہ کار و ہالک:- یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی رحمت سے ناامید ہیں اور یہ فرقہ منکروں کا ہوگا جو خدا سے منہ پھیر کر محض دنیا کے ہو رہے ہیں اور اللہ کو اس کے رسولوں کو اور اس کی کتابوں کو جھٹلاتے ہیں اور منکر اسی تکذیب اور انکار پر ہمیشہ رحمت سے محروم رہیں گے۔

معذب:- فرقہ معذب میں سے کسی کو تھوڑے دنوں عذاب رہے گا، کسی کو زیادہ، کسی کو ہزار برس، کسی کو سات ہزار برس اور یہ شخص سب سے آخر میں دوزخ سے نکلنے والے ہوں گے۔

ناجی:- نجات والے اور یہاں نجات سے مراد بچنا ہے۔ نہ سعادت نہ فلاح۔ ان کو نہ کوئی وسیلہ ملا کہ قرب الٰہی حاصل ہو، نہ خطا کہ جو خدا سے دور کرے، نہ جنت، نہ دوزخ اطراف میں رہیں گے۔

فائز:- یعنی فلاح یاب ہوں گے، یعنی کوئی جنت عدن میں، کوئی جنت ماویٰ میں، کوئی جنت فردوس میں ہوں گے۔

اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہر ایک رتبہ کے درجات بے شمار ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح قیامت میں ان چاروں فرقوں کے درجات بے شمار ہوں گے۔ مثال ان چاروں فرقوں کی دنیا کے حساب سے اس طرح دی جاسکتی ہے کہ، ایک بادشاہ کسی ملک کو مسخر کرے تو بعض لوگوں کو قتل کرے وہ اول فرقہ ہے، بعضوں کو مدت تک ایذا دے دوسرا فرقہ ہے، بعضوں کو چھوڑ دے یہ تیسرا فرقہ ہے، اور بعضوں کو خلعت عنایت کرے یہ چوتھا فرقہ ہے۔ اب جو شخص اصل ایمان کو مضبوط کر کے تمام کبائر سے اجتناب کرے اور سب فرائض کو یعنی ارکان پنجگانہ اسلام کو اچھی طرح ادا کرے۔ اب اگر اس کے ذمہ چند صغیرہ گناہ رہ بھی گئے جن پر اس نے اصرار نہ کیا ہو تو اس سے صرف حساب ہی ہوگا اور حساب کے ہوتے ہوئے پلہ حسنات کا سیات سے بھاری پڑ جائے گا۔ کیونکہ نماز پنجگانہ اور جمعہ اور رمضان المبارک کے روزے بیچ کی خطاؤں کا کفارہ ہوتے ہیں اور گناہ کبیرہ سے بچنا گناہ صغیرہ کا کفارہ ہوتا ہے۔ یہ قرآن پاک سے ثابت ہے ''اور ادنیٰ درجہ کفارہ کا یہ ہے کہ اگر حساب کو دفع نہ کرے تو عذاب کو دفع کر دے''

پھر زمرہ مقربین یا اصحاب یمین میں لاحق، جنت عدن، جنت خلد، اور جنت فردوس میں داخل ہونا ایمان کی اقسام پر منحصر ہوگا۔

ایمان کی دو قسمیں ہیں

1۔ایمان تقلیدی	2۔ایمان کشفی

ایمان تقلیدی عوام کا ایمان ہے جو کچھ سنتے ہیں اس کو سچ مانتے ہیں اور ہمیشہ اسی پر رہتے ہیں۔

ایمان کشفی نور ایمان سے سینہ کھل جانے پر حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں سب موجودات جس طرح اصل میں ہیں منکشف ہوتے ہیں اور واضح ہو جاتا ہے کہ سب کا مرجع خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ تو اس قسم کے ایمان والے مقرب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قرب نہایت درجے کا رکھتے ہوں گے۔ فردوس اعلیٰ میں ان کا مقام ہوگا پھر ان کے بہت سے درجات ہوں گے۔ بعض آگے بڑھے ہوں گے بعض نہیں ہوں گے۔ غرضیکہ جتنا فرق ان کی معرفت میں ہوگا اتنا ہی ان کے قرب میں ہوگا۔

معرفت میں درجات عارفین کے بے حد ہیں اس لیے کہ اس کی معرفت دریائے ناپید ہے جس کا نہ کوئی کنارہ ہے نہ ساحل۔ پھر اس میں جو لوگ غوطہ لگاتے ہیں وہ اپنی ایمانی طاقت کے موافق ہاتھ پاؤں مارتے ہیں پس چونکہ طریق الی اللہ کے منازل بہت ہیں تو سالکین کے درجات بھی بہت ہوں گے۔ اب جو شخص ایمان تقلیدی

رکھتا ہے وہ اصحاب یمین کے زمرے میں تو ہوگا مگر اس کا درجہ مقربین کے درجے سے کم ہوگا۔ پھر اصحاب یمین کے بھی بہت سے مدارج ہوں گے ان میں اعلیٰ درجے والا مقربین کے ادنی درجے والے کے قریب قریب ہوگا۔ یہ حال اس شخص کا ہوا جس نے تمام کبائر سے اجتناب کیا اور سب فرائض کو یعنی پانچوں ارکان اسلام، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کلمہ شہادت زبان اور دل سے پورے کئے۔ اب اس شخص کا حال معلوم کرنا ہے جس نے ایک یا زیادہ گناہ کبیرہ کیا ہو اور بعض ارکان اسلام کو چھوڑ دیا ہو۔ ایسا شخص اگر موت سے پہلے توبہ کرے گا تب تو ایسے شخص کا سا ہوگا جس نے کبیرہ گناہ نہیں کیا تھا لیکن اگر توبہ سے پہلے مرے گا تب البتہ موت کے وقت اس کے حال کا خوف ہے کیونکہ موت اگر اس گناہ کے اصرار پر ہوگی تو کیا عجب ہے کہ ایمان لغزش کھا جائے اور خاتمہ بخیر نہ ہو۔ خصوصاً جبکہ ایمان تقلیدی ہو کیونکہ تقلید اگر چہ پختہ ہوتی ہے مگر ادنیٰ شبہ اور خیال سے ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس عارف اہل بصیرت پر خوف خاتمے کے بگڑنے کا نہیں اور یہ دونوں اگر ایمان پر مریں گے تو اگر معاف نہ ہوں گے حساب کی باز پرس کی نسبت کچھ زیادہ عذاب ہوگا اور اس عذاب کی کثرت بقدر زیادتی مدت اصرار کی ہوگی (کتنے عرصہ تک گناہ میں مبتلا رہا)

صغیرہ گناہ کیونکر کبیرہ ہو جاتے ہیں:- گناہ صغیرہ پر آدمی اگر دوام رکھے تو دل مرجائے گا اور تاریک ہو جائے گا۔ ایک سبب صغیرہ کے کبیرہ ہو جانے کا یہ ہے کہ گناہ کو چھوٹا جانے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جتنا آدمی اپنے گناہ کو بڑا سمجھے گا اتنا ہی وہ گناہ اللہ کے نزدیک چھوٹا ہوگا اور جتنا گناہ کو حقیر جانے گا اتنا ہی وہ گناہ اللہ کے نزدیک بڑا ہوگا۔ اس لیے کہ گناہ کو بڑا سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں کراہت اور نفرت اس گناہ کی موجود ہے۔ اور گناہ کو چھوٹا جاننے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دل کو اس کے ساتھ الفت ہے اور اسی وجہ سے دل میں اس کا اثر بہت ہوتا ہے۔ طاعات سے مطلب یہی ہے کہ دل میں روشنی ہو جائے اور خطاؤں سے یہی خوف ہے کہ دل پر سیاہی نہ آئے اور یہی وجہ ہے کہ جب آدمی سے کوئی بات غفلت میں ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا کیونکہ غفلت میں دل پر تاثیر نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں ہے " مومن اپنے گناہ کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ایک پہاڑ اوپر آ گیا ہے اور سر پر گر پڑے گا اور منافق اپنی خطا کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھی اور اس کو اڑا دیا" ۔ (جامع ترمذی) اور بعض اکابر کا قول ہے " جس گناہ کی معافی نہیں ہوتی وہ، وہ گناہ ہے کہ جس کو آدمی اہم خیال نہ کرتا ہو" ۔

ایک سبب صغیرہ سے کبیرہ ہونے کا یہ ہے کہ گناہ کر کے خوش ہو اور فخر کرے مثلاً مناظرہ والا کہتا ہے کہ " کیوں تم نے دیکھا میں نے فلاں شخص کو کیسا لاجواب کر دیا؟ کیسا بیوقوف بنایا وغیرہ " اور تاجر کہتا ہے کہ " دیکھ کیسے ملاوٹ کی کہ کسی کو پتہ نہ چلا " اور رشوت لینے والا کہتا ہے " دیکھو یہ رشوت تو نہیں ہے یہ تو کمیشن ہے " ۔ اس قسم کی باتیں ایسی ہیں کہ ان سے صغیرہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ ایک سبب صغیرہ کے کبیرہ ہونے کا یہ ہے کہ گناہ کر کے اس کو کہتا پھرے یا دوسرے کے سامنے کرے اس لیے کہ اس میں اول تو اللہ کی پردہ پوشی کو دور کرنا ہے اور دوسرے غیر شخص کو اس گناہ کی رغبت دینی ہے تو گویا ایک گناہ کے ضمن میں دو خطائیں ہوئیں۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے "سب آدمیوں کے قصور معاف ہوں گے مگر ان لوگوں کے جو افشا کرتے ہیں، رات کو کوئی قصور کیا جس کو اللہ نے پوشیدہ رکھا مگر انہوں نے صبح کو اٹھ کر خدا کے پردے کو توڑ دیا اور اپنے گناہ کو کہہ دیا تو ایسے شخص کے گناہ معاف نہیں ہوتے" ۔ (صحیح بخاری)

صفات اور انعامات خداوندی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اچھی بات ظاہر کرتا ہے اور عیوب کو چھپاتا ہے اور پردہ فاش نہیں فرماتا تو اپنے عیب کو ظاہر کرنا اس نعمت کی ناشکری ہے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اول تو آدمی کو گناہ ہی نہیں کرنا چاہیے اور اگر کرے بھی تو دوسرے کو ترغیب نہ دے ورنہ دو گناہ کا مرتکب ہوگا۔ عالم شخص اگر کوئی صغیرہ گناہ کرے اس طرح کہ اس کے دیکھا دیکھی اور لوگ بھی وہی گناہ کریں تو یہ گناہ اس عالم کے حق میں کبیرہ ہو جائے گا۔ عالم تو مرجاتا ہے مگر اس کی برائی باقی رہتی ہے اور مدتوں تک جہان میں پھیلتی ہے تو کیا خوب آدمی ہے وہ شخص کہ جس کے گناہ بھی اس کے ساتھ ہی مرجائیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں " عالم کی خرابی دوسروں کے اتباع سے ہوتی ہے اس سے اگر لغزش ہو جاتی ہے تو توبہ کر لیتا ہے مگر لوگ اس بات کو کرنے لگتے ہیں اور جہان میں منتشر کر دیتے ہیں " اور بعضوں کا قول ہے " عالم کا قصور مثل کشتی کے ٹوٹنے کے ہے کہ وہ خود بھی ڈوبتی ہے اور جو لوگ اس پر سوار ہوں ان کو بھی ڈبوتی ہے " ۔ بنی اسرائیل کی حکایتوں میں مذکور ہے کہ ایک عالم لوگوں کو بدعت سکھا کر گمراہ کیا کرتا تھا۔ پھر اس کو توبہ نصیب ہوئی تو ایک مدت تک خلق کی اصلاح کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی پر وحی کی کہ اس سے کہہ دو "اگر تو نے صرف میرا ہی قصور کیا ہوتا تو البتہ میں معاف کر دیتا، لیکن اس کا کیا علاج کہ تو نے میرے بندوں کو گمراہ کیا اور ان کی گمراہی کے باعث میں نے انہیں دوزخ میں ڈال دیا" ۔ غرض عالم کی حرکات سے جیسا کہ نفع زیادہ ہوتا ہے ویسا ہی نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے۔

توبہ کے معاملے میں لوگوں کی قسمیں:- توبہ کے معاملے میں لوگوں کے چار طبقے ہیں۔

اول طبقہ:- اول طبقہ تو یہ ہے کہ گنہگار گناہ سے توبہ کر کے آخری عمر تک اس پر جما رہے۔ جو کچھ پہلے قصور کیا ہے اس کا تدارک کرے اور گناہوں کے دوبارہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔ توبہ پر جما رہنا اسی کا نام ہے کہ خیرات میں آگے آگے نکل گیا اور اپنی برائیوں سے بھلائیوں سے بدل دیا اسی توبہ کو توبۃ النصوح کہتے ہیں اور ایسے ہی

نفس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں جو اپنے پروردگار کے سامنے اسی طرح جائے گا کہ یہ اس سے راضی اور وہ اس سے خوش۔

دوسرا طبقہ:- دوسرا طبقہ ایسا توبہ کرنے والا ہے جو اصول طاعات کی بجا آوری اور کل گناہ کبیرہ کے ترک پر استقامت کرے مگر تاہم ایسے گناہوں سے خالی نہیں جو اس سے بے قصد اور بے ارادہ صادر ہو جاتے ہیں، یعنی اپنے کام کاج میں ان گناہوں میں پھنس جاتا ہے یہ نہیں کہ پہلے سے اس کا ارادہ ہو اور جب کبھی اس سے اس طرح کا گناہ سرزد ہوتا ہے تو اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے اور افسوس کرتا ہے اور نئے سرے سے ارادہ مصمم کرتا ہے کہ اب ان اسباب سے بچتا رہوں گا جو مجھے گناہوں میں مبتلا کر دیں۔ ایسے نفس کو نفس لوامہ کہنا زیبا ہے۔ اس لیے کہ جو احوال آدمی پر بے قصد آجاتے ہیں ان پر اس کو ملامت کرتا ہے۔

ہر چند کہ طبقہ اول اعلیٰ ہے لیکن اس طبقہ کے اعلیٰ ہونے میں بھی کوئی تامل نہیں اور اکثر تائبوں کا حال ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بدی انسان کی سرشت میں خمیر ہے۔ اس سے جدا ہونا محال ہے مگر انسان کو چاہیے کہ کوشش کرتا رہے اور اپنے تئیں خیر بانسبت شر کے زیادہ کرے یہاں تک کہ پلہ حسنات بھاری ہو جائے اور اسی جیسے رتبہ کی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے روایت ہے کہ ''گناہوں کے سبب اپنے ایمان کو پھاڑتا ہے اور پھر توبہ اور ندامت سے پیوند لگاتا ہے۔'' اس میں یہ وصف بیان ہوا ہے کہ خطا کے بعد نیکی کرتے ہیں یہ نہیں کہا کہ بالکل خطا نہیں کرتے۔

تیسرا طبقہ:- یہ ہے کہ توبہ کر کے مدت تک اس پر جما رہے پھر کسی گناہ کی خواہش اس پر غالب آجائے اور اس کو قصداً اور ارادتاً کر بیٹھے اس وجہ سے کہ اس خواہش کو دبانے سے عاجز ہے مگر باوجود اس کے طاعات کی بجا آوری ہمیشہ کرتا رہتا ہے اور گناہوں کا بھی باوجود قدرت و خواہش کے تدارک کرتا رہے صرف ایک خواہش یا دو خواہشوں سے مجبور ہے کہ وہ اس پر غالب آجاتی ہیں تاہم یہ چاہتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اس شہوت کے روکنے پر قدرت دے دے تو کیا خوب ہو۔ یہ آرزو گناہ سے قبل کرتا رہے اور خطا سرزد ہونے کے بعد نادم ہو اور پھر کہتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا جو میں اس کام کو نہ کرتا اور اب میں مجاہدہ نفس پر کر کے اس کو اس شہوت سے روکوں گا اس سے توبہ کروں گا مگر اس کا نفس ٹالتا رہتا ہے اور آج کل کیا کرتا ہے اس طرح کے نفس کو وہ نفس سمجھنا چاہیے جس کا نام مسولہ ہے تو ایسا شخص جو کہ اپنی طاعات پر مداومت رکھتا ہے اور اپنے کردار کو برا جانتا ہے۔ اس نظریئے سے تو توبہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی توقع قبول کرے مگر اس لحاظ سے کہ توبہ میں تاخیر کرتا ہے۔ اس کا انجام پر خطر ہے کیا معلوم کہ موت توبہ سے پہلے ہی آجائے۔ پھر اگر خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کیا اور اس کی طاعات کو اپنے فضل سے قبول کیا تو وہ شخص زمرہ سابقین میں آجائے گا لیکن اگر خدانخواستہ بدبختی غالب آ گئی تو مارا گیا۔ پس جب بندہ کسی گناہ میں مبتلا ہوا اور گناہ نقد اور توبہ ادھار رہے تو یہ رسوائی کی علامت ہے۔

طبقہ چہارم:- چوتھا طبقہ وہ ہے کہ توبہ کر کے کچھ روز جما رہے پھر گناہ کا یا گناہوں کا مرتکب ہو۔ بجائے اس کے کہ اس کے دل میں توبہ کرنے کا خیال ہو یا گناہ کرنے پر افسوس ہو بلکہ غافل آدمی کی طرح اتباع شہوت میں ڈوبا رہے تو ایسا شخص گناہوں پر اصرار کرنے والوں کے زمرے میں آئے گا اور اس کا نفس امارہ بالسُّو یعنی بدی کا حکم دینے والا ہے اور خیرات سے بھاگنے والا ہے۔ ایسے شخص پر خوف انجام کے برا ہونے کا ہے کہ خدا جانے کیا ہو اگر معاذ اللہ برائی پر خاتمہ ہوا تو ایسا بدبخت ہو گا جس کی بدبختی کی انتہا نہیں اور اگر بھلائی پر انجام ہوا یہاں تک کہ توحید پر مرا تو اس کی توقع کی جائے کہ دوزخ کی آگ سے رہائی پالے گا گو کچھ مدت بعد اور یہ بھی محال نہیں کہ خدا تعالیٰ کسی سبب خفیہ کے باعث جس کی اس شخص کو بھی اطلاع نہ ہو معاف کر دے۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ آدمی سب محروم ہیں۔ سوائے عالموں کے اور عالم سب محروم ہیں۔ سوائے عاملوں کے اور عامل سب محروم ہیں، سوائے مخلصوں کے اور مخلص لوگ بڑے خطرے میں ہیں اور جس طرح ارباب دانش کے نزدیک وہ شخص خارج از عقل گنا جاتا ہے۔ جو اپنا گھر اجاڑ کر مال ضائع کر دے اور اپنے نفس اور خاندان کو چھوڑ دے اس توقع پر کہ کیا تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اس کھنڈر میں زمین کے تلے سے خزانہ عنایت فرما دے۔ گو اس شخص کی یہ توقع خدا تعالیٰ کی قدرت سے محال نہیں ہے۔ اس طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کے فضل سے مغفرت کی توقع رکھے اور بجا آوری طاعات میں قصور اور گناہوں پر اصرار کرتا رہے۔ مغفرت کی راہ نہ چلتا ہو تو وہ ارباب دل کے نزدیک بیوقوف اور مغالطے میں پڑا ہوا ٹھہرے گا اور بڑا تعجب اس ناقص العقل کی عقل پر ہے کہ اپنی حماقت کی بات کو خوب سمجھتا ہے یعنی کہتا ہے کہ خدا کریم ہے اور مجھ جیسے آدمی سے اس کی جنت تنگ نہیں ہو جائے گی اور میرے گناہوں سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن باوجود اس قول کے روپیہ کی تلاش میں خشکی اور تری کے سخت مشکل سفر اختیار کرتا ہے اور اگر اس سے کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ کریم ہے تجارت میں سستی کرلو کوئی حرج نہیں تم گھر میں بیٹھ رہو خداوند تعالیٰ تم کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جس کا تم کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تو کہنے والے کو بے وقوف بنا دے گا اور اس سے تمسخر کرے گا اور کہے گا کہ آسمان سے اس کی کریمی کی وجہ سے سونا چاندی خود نہیں برسنے لگے گا یہ چیزیں ہاتھ پاؤں ہلانے سے حاصل ہوتی ہیں۔

اب اس احمق کو یہ سمجھنا چاہیے کہ دنیا اور آخرت کا خدا ایک ہی ہے اور جو طریقہ اس نے مقرر کر رکھا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا اور اس نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

"و ان لیس للانسان الا ماسعیٰ" (ترجمہ: اور یہ کہ ہر انسان کیلئے وہی ہے جس کی وہ کوشش کریگا) (سورۃ النجم آیت نمبر 39) تو پھر تم نے یہ اعتقاد کیسے کرلیا کہ خدائے تعالیٰ آخرت میں کریم ہے اور دنیا میں نہیں اور اس بات کے کیسے قائل ہو گئے کہ اس کرم کے بھروسے پر حصول دنیا کے لیے غلطیاں ہوتی رہیں تو کوئی بات نہیں اب یہ سوچنا چاہیے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے کرم سے آخرت کی دولت پائیدار بے محنت دے گا اور دنیا کا فانی مال مشقتیں اٹھا کر لینا ہے۔ شاید ہم اس وعدہ خداوندی کو نہیں جانتے۔

وفِي السمائِ رِزقکم وَ ماتوعدوْنَ

ترجمہ: "اور آسمان میں روزی تمہاری اور جو کہ تم سے وعدہ کیا ہے" (سورہ الذاریات آیت نمبر 22)

اللہ تعالیٰ اس جہالت سے بچائے یہ اعتقاد کرنا تو سر کے بل ضلالت کے کنویں اور حماقت کی قبر میں گرنا ہے۔

تائب سے گناہ ہوجائے تو کیا کرے:- جب تائب شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوجائے تو اس پر دو باتیں واجب ہیں اول یہ کہ توبہ و ندامت کرے، دوسرے یہ کہ اس گناہ کو محو کرنے کے لیے فوراً کوئی نیکی کرے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی گناہ کے بعد آٹھ کام کرے تو توقع ہے کہ وہ گناہ معاف ہوجائے گا چار کام دل کے اعمال میں سے ہیں اور چار کام اعضا کے اعمال ہیں۔

دل کے اعمال کے چار کام

(1) گناہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا (2) دوگانے کے بعد 70 مرتبہ استغفار اور سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم پڑھنا (3) کچھ صدقہ دینا (4) ایک روزہ رکھنا

حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ بندے کو ہر حال میں ضرورت اپنے مالک کی ہوتی ہے تو اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ سب چیزوں میں مالک ہی کی طرف رجوع کرے مثلاً گناہ میں مبتلا ہو تو التجا کرے کہ "الٰہی میرا پردہ فاش نہ کرنا اور گناہ کر چکے تو دعا مانگے کہ الٰہی مری توبہ قبول فرما اور توبہ کے بعد عرض کرے کہ الٰہی مجھے عصمت نصیب کرنا اور جب کوئی عمدہ کام کرے تو التماس کرے کہ خداوند اس عمل کو مجھ سے قبول کر"۔

حضرت امام جعفرؒ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں تین چیزوں میں مخفی رکھی ہیں اول اپنی رضامندی کو اپنی اطاعت میں پس کسی طاعت کو حقیر مت جانو شاید خدا تعالیٰ کی رضامندی اسی میں ہو۔ دوئم اپنے غضب کو معاصی میں تو کسی گناہ کو چھوٹا مت سمجھو شاید اللہ کا غضب اسی میں ہو۔ سوئم اپنی ولایت کو بندوں میں مخفی رکھا ہے تو بندوں میں سے کسی کو حقیر مت سمجھو شاید اللہ کا ولی ہی ہو"۔

توبہ کی دوا اور گناہوں پر اصرار کا علاج

واضح ہو کہ آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں:

1۔ جن کی نشو و نما خیر ہی خیر پر ہوتی ہے مگر ایسے لوگ کم ہوتے ہیں- 2۔ وہ لوگ جو ارتکاب گناہ سے نہیں بچتے

پھر دوسری قسم کے دو طریق ہیں

1۔ گناہوں پر اصرار کرنے والے 2۔ تائب اور ہماری غرض یہ ہے کہ اصرار کرنے والوں کا علاج بیان کریں۔ مریض آدمی کو کچھ باتوں کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔

1۔ اول تو یہ کہ اس بات کو جانے کہ مرض اور صحت دونوں کے لیے کچھ اسباب ہیں اور وہ سبب خدا تعالیٰ نے ہمارے اختیار میں رکھ دیئے ہیں۔ اس سے اصل طب کا یقین ہوتا ہے جس کو یقین نہیں ہوتا وہ علاج نہیں کرواتا اور موت کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی طرح جب گناہوں پر اصرار کرے تو یہ بات بھی جانے کہ سعادت آخروی کا بھی ایک سبب ہے جس کو طاعت کہتے ہیں اور شقاوت کا بھی ایک سبب ہے جس کو معصیت کہتے ہیں بس ایمان کا ہونا ضروری ہے، خواہ بطور تحقیق ہو یا بطور تقلید۔

2۔ دوسرے یہ کہ مریض کو کسی طبیب خاص کا اعتقاد چاہیے کہ وہ طب کا عالم اور بہترین علاج کرنے والا ہے اور جو دوا بتلاتا ہے ٹھیک ہوتی ہے۔ جھوٹ نہیں کہتا نہ کچھ لاگ لپیٹ رکھتا ہے۔ اسی طرح گناہوں پر اصرار کرنے والے کو ایمان آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے صادق ہونے پر چاہیے کہ جو کچھ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا بیشک ویسا ہو گا اس کے خلاف بالکل نہ ہوگا۔

3۔ تیسرے یہ کہ مریض کو طبیب کا قول سننا چاہیے کہ کون کون سے اسباب مضر ہیں؟ تاکہ بد پرہیزی کا خوف دل میں نہ رہے۔ اسی طرح گناہوں پر اصرار کرنے والے کو ان آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے جن میں ترغیب تقویٰ ہو اور ڈرانا گناہوں پر اور بچنا خواہش نفس کا مزکور ہوتا کہ سنے اور خوف کرے اور اس سے گناہوں پر صبر کرے۔

4۔ چوتھے یہ کہ مریض کو چاہیے کہ طبیب جو کچھ اسکے مرض خاص کے لیے بتائے اور جس پرہیز کو بتائے اس پر خوب دھیان کرے اور دیکھے کہ مرض خاص کے لیے کون سی چیز مضر ہے۔ پس گناہ گار کو جب اپنا روگ معلوم ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ اپنا علاج کسی عالم دین سے کروانا شروع کر دے اور عالم دین کو چاہیے کہ جو بات اس کے حق میں نقصان دہ ہے صاف صاف بتا دے اور جو مفید ہو اس کو بھی سمجھائے۔ عالم دین کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ یہ جو پوچھے وہ بتائے، اسباب، سعادت، شقاوت کو واشگاف کہہ دے اور اس بات کا منتظر نہ رہے کہ کوئی کچھ پوچھے تو بتلاؤں بلکہ خود لوگوں کو اپنے پاس بلا بلا کر سمجھائے اور اچھائی برائی کی پہچان کروائے۔ اس لیے کہ "علما انبیاء کے وارث ہیں" اور انبیاء نے لوگوں کو جہالت پر نہیں چھوڑا بلکہ عین مجمعوں میں ان کو پکارتے اور ان کی تلاش کر کے ہدایت کرتے کیونکہ دل کے مریضوں کو اپنے مرض کا حال معلوم نہیں ہوتا مثلاً کسی کے منہ پر اگر برص کے داغ ہیں اور آئینہ پاس نہیں تو اس کو اس مرض کا حال کیا معلوم ہوگا جب تک کہ کوئی دوسرا شخص نہ بتلائے اور یہ بات سب علما پر فرض عین اور سلاطین پر فرض ہے کہ ہر ایک گاؤں اور محلے میں ایک فقیہ دین مقرر کر دے جو لوگوں کو دین سکھائے کیونکہ آدمی سب جاہل ہی پیدا ہوتے ہیں تو دعوت اسلام بے حد ضروری ہوا اور دنیا ایک بیمار خانہ ہے اس لیے جو اس میں ہے وہ مردہ ہے جو اس پر موجود ہے وہ بیمار ہے اور دل کے بیمار بہ نسبت جسم کے بیماروں کے زیادہ ہیں اور علما طبیب ہیں اور سلاطین اس بیمار خانے کے منتظم۔ پس جو بیماری کے علاج نہ مانے اور عالم کی بتائی ہوئی دوا کو قابل پذیرائی نہ سمجھے وہ سلطان کے سپرد ہونا چاہیے تاکہ اس کے شر سے لوگوں کو بچائے، جیسے کوئی مریض پرہیز نہیں کرتا یا دیوانہ ہو جاتا ہے تو طبیب اس کو پاگل خانے کے داروغہ کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ اس کو ہتھکڑیاں ڈال کر اپنے آپ کو اور تمام خلق کو اس کے شر سے بچائے۔ دل کے مریض جو بدن کی نسبت زیادہ ہو گئے ہیں تو ان کی تین وجہ ہیں۔

اول تو یہ کہ دل کے مریض کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ میں مریض ہوں۔

دوئم یہ کہ انجام اس مرض کا دنیا میں مشاہدہ نہیں ہوتا جبکہ بدن کے مرض کا انجام سب دیکھتے ہیں کہ موت ہے، موت سے طبیعت کو نفرت ہے اس لیے بدن کا علاج خوب کیا جاتا ہے اور موت کے بعد کا احوال کسی کو نہیں سوجھتا اور گناہوں کا انجام دل کی موت ہے جو دنیا میں معلوم نہیں پڑتی اس لیے گو مرتکب کو معلوم بھی ہو کہ گناہ کرتا ہوں لیکن پھر بھی نفرت گناہ سے کم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دل کے مریض کے لیے خدا کے فضل پر توکل کیا جاتا ہے اور کہیں بدن کے مرض کے لیے علاج میں خوب کوشش کرتے ہیں کسی دوا پر بس نہیں کرتے۔

تیسری وجہ جو مرض لاعلاج ہے یہ ہے کہ طبیب نایاب اس لیے کہ اس مرض کے طبیب عالم ہیں اور وہ خود اس زمانے میں مرض سخت میں مبتلا ہیں۔ اب چونکہ یہ مرض سب میں موجود ہے اس لیے ان کا نقصان ظاہر نہیں ہوتا تو خواہ مخواہ خلق کو بہکاتے ہیں اور ایسی باتیں ان کو بتاتے ہین جن سے ان کا مرض اور زیادہ ہوا اور مرض مہلک تو محبت دنیا ہے اور یہی مرض طبیبوں پر غالب آگیا ہے یہ لوگ خلق کو محبت دنیا سے نہیں ڈراتے اس خیال سے کہ کوئی یہ کہہ دے اوروں کو تو علاج بتاتے ہو اپنے آپ تو اس سے بچو۔ اس وجہ سے یہ مرض پھیل گیا، بڑی وبا چھا گئی، لوگ تباہ ہو گئے، دوا کا نام نہ رہا، نہ طبیب کا نشان رہا بلکہ طبیب طرح طرح سے بہکانے میں مشغول ہو گئے کیا خوب ہوتا جو یہ لوگ نصیحت نہ کرتے تو خیانت ہی چھوڑ دیتے۔ اگر اصلاح نہ کر سکتے تو بگاڑ ہی ترک کر دیتے بلکہ اگر چپ رہتے اور کچھ نہ بولتے جب بھی بہت خوب تھا۔ کیونکہ جب کچھ کہتے ہیں تو تمام وعظ میں زیادہ تر غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح لوگوں کے دل ہماری طرف رجوع ہوں اور اس بات کا حاصل ہونا صرف اس لیے کہ لوگوں کو توقع مغفرت کی دلائیں اور اسباب امید کو ترجیح دیں اور رحمت کے دلائل ذکر کریں اس لیے یہ باتیں کانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور طبیعت پر ہلکی گزرتی ہیں۔ ایسے وعظ سن کر جو لوگ گھروں کو لوٹتے ہیں تو اور زیادہ گناہوں کی جرات ہو جاتی ہے اور اللہ کے فضل پر تکیہ بڑھ جاتا ہے اور نیم حکیم، خطرہ جان مشہور ہے تو ظاہر ہے کہ جو طبیب جاہل یا خائن ہو گا اس کا نسخہ قاتل ہو گا کیونکہ جہاں موقع کسی دوا کا ہے وہاں کچھ اور لکھ دے گا۔ ہر چند کہ امید اور خوف دونوں دوائیں ہیں مگر دو شخصوں کے لیے ہیں جن کو جدا جدا مرض ہو۔

پس جس شخص پر خوف اتنا غالب ہو کہ دنیا کو ترک کر دے اور بالکل عیش و زندگی کو نفس پر تنگ کر دے تو ایسے شخص کی کثرت خوف کو اسباب رجا (امید) بیان کر کے کم کرنا چاہیے تاکہ حد اعتدال پر آ جائے۔ اسی طرح جو شخص گناہوں پر مصر ہوا اور توبہ کا متمنی ہو، مگر وہ ناامیدی اور (مایوسی) یاس کے سبب توبہ نہ کرتا ہو اور گزشتہ گناہوں کو بڑا جانتا ہو تو ایسے شخص کے علاج میں بھی اسباب (رجا) امید کا ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ وہ توبہ کرے۔ لیکن جو شخص کہ گناہوں میں خوب ڈوبا ہوا ہو اور باوجود اس کے خدا کے فضل پر مغرور ہو اس کا اسباب رجا کے ذکر کرنے سے ایسا ہے جیسا حرارت والے کا علاج شہد سے کرنا کہ شفا حاصل ہو۔ یہ طریقہ جاہلوں کا ہے۔

پس جاننا چاہیے کہ واعظ کو چار قسمیں بیان کرنی وعظ میں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ قرآن مجید میں جو آیات عاصیوں اور گناہ گاروں کو خوف دلانے کے لیے مذکور ہیں ان کا ذکر کرے اسی طرح احادیث میں جو روایات اس طرح کی ہیں ان کو بیان کرے مثلاً آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ہر روز جب فجر ہوتی ہے اور ہر

شب جب شفق ڈوبتی ہے دو فرشتے چار آوازوں میں ایک دوسرے کا جواب دیتے ہیں۔''

اول کہتا ہے کہ " کیا خوب ہوتا جو یہ خلق پیدا نہ ہوتی"، پھر دوسرا کہتا ہے " کیا خوب ہوتا کہ اہل خلق پیدا ہونے کے بعد یہ جان لیتے کہ کس لیے پیدا ہوئے ہیں"؟ پھر پہلا کہتا ہے"کاش جب لوگ یہ نہ جان سکیں کہ کس واسطے پیدا ہوئے ہیں تو اپنے علم کے مطابق ہی عمل کرتے اور جو کچھ جانا تھا اس کا چرچا کرتے۔" پھر دوسرا کہتا ہے "خوب ہوتا کہ اگر یہ لوگ اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرتے تو اپنے عملوں سے توبہ ہی کر لیتے''۔

بعض اکابر کا قول ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو بائیں ہاتھ کا فرشتہ دائیں ہاتھ کے فرشتے سے گناہ لکھنے کی اجازت مانگتا ہے اور دائیں ہاتھ کا فرشتہ کہتا ہے کہ کچھ ساعت تک اس عمل کو نہ لکھنا پس اس عرصہ میں اگر اس نے توبہ کر لی تو نہیں لکھتا ورنہ لکھ لیتا ہے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو زمین پر جس جگہ ہوتا ہے وہ خدا سے اجازت چاہتی ہے کہ حکم ہو تو اس کو دھنسا دوں اور اس کے سر کا آسمان اجازت چاہتا ہے کہ مجھ کو حکم ہو تو اس پر ٹوٹ پڑوں ان دونوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ " میرے بندے سے باز رہو اس کو چھوڑ دو تم نے اس کو پیدا نہیں کیا اگر تم اس کو پیدا کرتے تو اس پر رحم کرتے ،شاید یہ توبہ کرے اور میں اس کو معاف کر دوں۔ یا اس گناہ کے عوض کوئی عمل صالح کرے اور میں اس کے گناہ کو اس عمل صالح کی پاداش میں نیکی سے بدل دوں''۔

حضرت عمرؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ مہر کرنے والا فرشتہ عرش کے سایہ سے لٹکا ہوا ہے جب بہت سی بے حرمتیاں ہوتی ہیں اور حرام چیزیں حلال سمجھیں جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ مہر کرنے والے کو بھیج دیتا ہے وہ دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور جو چیزیں دلوں کے اندر ہوتی ہیں وہ ان میں رہ جاتی ہیں اور جب دل بند ہوتا ہے تو وہی اس کا قفل ہے۔

ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا" سرگوشی کے بارے میں آپ نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے کس طرح سنا ہے"؟ انہوں نے بیان کیا" تم میں سے کوئی اپنے رب کے قریب جائے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا پردہ اس پر ڈال دے گا اور کہے گا" تو نے یہ یہ عمل کیا تھا"؟ بندہ کہے گا" ہاں"۔ چنانچہ وہ اس کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا" میں نے دنیا میں تیرے گناہ پر پردہ ڈالا تھا اور آج بھی تجھے معاف کرتا ہوں"۔

اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میری دانست میں گناہ کے باعث آدمی علم بھول جاتا ہے اور یہی مراد ہے حدیث شریف میں کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اس کی عقل اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور پھر کبھی اس کے پاس نہیں آتی اور بعض اکابرؒ کا قول ہے کہ لعنت منہ کے سیاہ ہونے اور حال کے ناقص ہونے کا نام نہیں بلکہ لعنت یہ ہے کہ آدمی ایک گناہ سے نکل کر دوسرے اسی جیسے یا اس سے زیادہ بڑے گناہ میں مبتلا ہو اور حقیقت میں انہوں نے درست فرمایا۔ اس واسطے کہ لعنت کے معنی محروم کر دینا اور رحمت سے دور کرنا ہے۔ پس جب آدمی کو توفیق خیر نہ ملی اور بدی کے لوازم مہیا ہوئے تو ظاہر ہے کہ رحمت سے دور ہوا اور توفیق کا عنایت نہ ہونا بڑا افسوس ناک ہے۔ علاوہ ازیں ہر ایک گناہ دوسرے گناہ کی طرف بلاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ آدمی اس کے باعث اس رزق سے محروم ہو جاتا ہے جو اس کے لیے غذائے روحانی ہوتی ہے۔ ایک حدیث قدسی میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ'' جب بندہ اپنی شہوت کو میری طاعت پر مقدم سمجھتا ہے تو اس کی ادنیٰ حالت یہ ہے کہ اس کو اپنی لذت مناجات سے محروم کر دیتا ہوں''۔

حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے کہا کہ مجھے کچھ فرمایئے انہوں نے فرمایا کہ'' ہنستی صورت رہا کرو۔ غصہ مت کیا کرو، اور ایسے رہو کہ دوسروں کو تم سے فائدہ ہو ،کسی کو تم سے ضرر نہ پہنچے، بے حجاب مت پھرو اور بدون اچنبھے کی چیز کے مت ہنسو اور اہل قصور کو ان کی خطاؤں کا طعنہ مت دو بلکہ اپنی خطاؤں پر رونا چاہیے''۔ اس لیے گناہوں سے توبہ کر کے طاعت الٰہی پر متوجہ ہونے سے لذت مناجات الٰہی اور اس کی معرفت اور طاعت سے آرام ملنا اور زیادہ انس پانا بڑی عمدہ لذت ہے کہ اگر مطیع کو عمل کی جزا سوا اس حلاوت کے اور کچھ نہ ملتی تب بھی کافی تھی پر جب اس پر مزید جنت کی نعمتیں بھی دی جائیں گی تو اس لذت کا کیا کہنا۔

حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ'' بدترین شخص وہ ہے جو توبہ کی امید پر گناہ کرے اور زندگی کی امید پر توبہ'' ان کے پاس ایک بوڑھا آیا اور کہنے لگا توبہ کرتا ہوں مگر بہت دیر سے آیا ہوں۔ حضرت شقیق بلخیؒ نے فرمایا کہ'' موت سے پہلے توبہ کرنا دیر نہیں ہے''

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ'' جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے خدا کے ساتھ اس کی قرابت میں اضافہ ہو جاتا ہے''۔

حضرت عمرؓ کا ایک بیان بڑا موثر ہے آپؓ نے فرمایا'' اگر غیب دانی کے دعوے کا خیال نہ ہوتا تو میں کہتا کہ پانچ اشخاص جنتی ہیں''۔

1۔ محتاج عیالدار مگر صابر ہو　2۔ وہ عورت جس کا خاوند اس سے راضی اور خوش ہو۔　3۔ وہ عورت جس نے اپنے خاوند کا مہر معاف کر دیا۔

4۔ وہ جس کے والدین اس سے خوش ہوں۔　5۔ وہ جو اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر لے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فرمان ہے'' بوڑھے آدمی کا توبہ کرنا عمدہ کام ہے لیکن جوان آدمی توبہ کرے تو یہ بہت ہی عمدہ کام ہے''۔

بنوامیہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک نے ایک دفعہ مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ سے کہا ''ابومحمد اب میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ اچھا کام کرتا ہوں تو اس سے کوئی خوشی نہیں ہوتی اور اگر برا کام کرتا ہوں تو اس کا کوئی رنج نہیں ہوتا'' اس پر حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا ''اب آپ کا دل پورے طور پر مر چکا ہے''۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں ''گناہ کے بعد ندامت توبہ کی ایک شاخ ہے۔آپؒ نے فرمایا کہ ''جس گناہ کے بعد ندامت نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ اسلام سے خارج نہ کردے''۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں ''جو نیکی فی الفور کسی نور یا علم کا پھل نہ دے اسے نیکی شمار نہ کر اور جس گناہ کے بعد فی الفور خدا کا خوف اور توبہ میسر آجائے اسے گناہ نہ گن''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''جو کوئی استغفار کرنے کو لازم پکڑ لے۔خدا اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ پیدا کردے گا اور اسے ہر غم سے نجات دے گا اور اس کو وہاں سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا''۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ دعا کیا کرتے تھے ''الٰہی مجھے ان لوگوں میں سے کردے جو نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور برا کام کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔''

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ''میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے سنا کہ ''خدا کی قسم میں دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں''۔(صحیح بخاری)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مصیبت زدہ کی فریادرسی اور کسی مبتلائے رنج کی تکلیف کو دور کرنا بڑے گناہوں کے کفارے میں سے ہے اور فرماتے ہیں کہ

جو دعا کرے گا اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

جو توبہ کرے گا اس کی توبہ ضرور قبول ہوگی۔

جو استغفار کرے گا اس کی مغفرت ضرور ہوگی۔

جو شکر کرے گا اسے کی زیادتی نعمت حاصل ہوگی۔

اس لیے اگر کسی سے کوئی گناہ ہوجائے اور وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرنے کا خواہش مند ہو تو وہ لازماً ندامت سے دوچار ہوگا اب اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس گناہ سے توبہ کرے اور جو کچھ وہ کر چکا ہے اس کے عذاب سے بچنے کے لیے خدا سے مغفرت چاہے۔ بندہ جب نیکی کی طرف لوٹ آئے گا تو اللہ بھی اپنی ناراضگی دور کر کے رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

سورۃ النساء، آیت نمبر 16 میں فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ۝

ترجمہ ''بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم فرمانے والا ہے۔''

****

والدین کے ساتھ حسن سلوک (حصہ اول)

قرآن پاک میں بہت جگہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے

سورہ العنکبوت، آیت نمبر 8: وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ط ترجمہ''اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ وہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے''۔

سورہ بقرہ، آیت نمبر 83 ترجمہ:''والدین اور اہل قرابت سے اچھا سلوک کرے''۔

سورہ النساء آیت نمبر 36 ترجمہ:''اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو''۔

سورہ الانعام، آیت نمبر 151 اور سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 23 بالوالدین احسانا ترجمہ:''اور والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو''۔

سورہ مریم، آیت نمبر 14 میں حضرت یحییٰ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایک صفت ان کی یہ بتائی کہ وہ: وبر بوالدیہ

ترجمہ:''اور نیک اپنے والدین کے ساتھ'' (یعنی اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے والا تھا)

سورہ مریم آیت نمبر 32 حضرت عیسیٰؑ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بتائی جارہی ہے کہ وہ: وبر بوالدتی

ترجمہ:''اور نیکی کرنے والا تھا اپنی ماں سے (اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا تھا)

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 23 اور 24 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ترجمہ:''اور حکم فرمایا رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے (اللہ کے) اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ تیری زندگی میں ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں تو انہیں اُف تک مت کہو اور انہیں مت جھڑکو۔ اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم سے بات کرو اور جھکا دو ان کے لیے (اپنے کندھے) تواضع اور انکسار کے ساتھ۔ رحمت (ومحبت) سے عرض کرو کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے (بڑی محبت اور پیار سے) مجھے پالا تھا۔ جب میں بچہ تھا''۔

سورہ لقمان، آیت نمبر 14 میں فرمان الٰہی ہے۔ ترجمہ:''اور ہم نے تاکیدی حکم دیا کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ کہ اسے اس کی ماں نے اپنے شکم میں اٹھائے رکھا کمزوری پر۔ اور اس کمزوری کے باوجود اس کا دودھ چھڑانے میں دو سال لگے۔ (اس لیے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کرو۔ میرا اور اپنے ماں باپ کا''۔

حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟'' فرمایا ''تیری ماں''، عرض کیا پھر کون ہے؟ فرمایا ''تیری ماں''، عرض کیا پھر کون ہے؟'' فرمایا ''ماں'' عرض کیا پھر کون ہے؟ فرمایا ''تیرا باپ''۔ (متفق علیہ)۔

حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''مٹی میں مل گیا، مٹی میں مل گیا، پھر مٹی میں مل گیا وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے میں پایا اور جنت میں داخل نہ ہوسکا''۔ (مسلم)

حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کوئی بچہ اپنے باپ کا حق ادا نہیں کرسکتا مگر اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو حالت غلامی میں پائے اور اس کو خرید کر آزاد کردے''۔ (مسلم)

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے دست مبارک پر ہجرت اور جہاد کی بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اجر کا طلب گار ہوں۔ آپ اتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ عرض کیا ''ہاں دونوں زندہ ہیں''۔ فرمایا ''اور تو اللہ تعالیٰ سے اجر کا طلب گار ہے؟'' عرض کیا ''ہاں'' فرمایا ''اپنے والدین کے پاس لوٹ جاؤ اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو''۔ (بخاری ومسلم)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ''ماں باپ کو بے ادبی سے اُف نہیں کہنا۔'' حضرت علیؓ کا کہنا یہ ہے کہ اگر اُف کہنے سے کوئی ادنیٰ درجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی حرام فرما دیتے۔ -------حضرت حسنؓ سے کسی نے پوچھا والدین کے ساتھ نافرمانی کی مقدار کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ''اپنے مال سے ان کو محروم رکھنا اور ان سے ملنا چھوڑ دینا یا ان کی طرف تیز نگاہ سے دیکھنا''۔ پھر پوچھنے والے نے پوچھا کہ ''قول کریم'' کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ''ان کو اماں یا ابا کہہ کر خطاب کرنا۔

حضرت زبیرؓ بن محمدؓ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ پکاریں تو "حاضر ہوں"، 'حاضر ہوتا ہوں "ادب کے ساتھ کہتے ہوئے ان کے پاس جائے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ان کے ساتھ آہستہ آہستہ اور نرمی سے بات کرے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ سے کسی نے عرض کیا کہ "حضرت قرآن پاک میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم تو بہت جگہ ہے میں اس کو سمجھ گیا ہوں، آپؒ یہ بتائیے کہ "قول کریم" سے کیا مراد ہے؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی"۔ انہوں نے فرمایا کہ "تو ماں باپ کے سامنے ایسے بات کر جیسے کوئی سخت مجرم غلام، اپنے سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے"۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ ان کے ساتھ ایک بڑے میاں بھی تھے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ان سے دریافت کیا "یہ کون ہیں"؟ فرمایا "میرے والد ہیں"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ان کے آگے نہ چلنا۔ ان سے پہلے نہ بیٹھنا، ان کو نام لے کر نہ پکارنا اور کبھی ان کو برا بھلا نہ کہنا"۔ (معجم الاوسط، طبرانی)

حضرت عروہؒ سے کسی نے پوچھا" قرآن پاک میں والدین کے سامنے جھکنے کا حکم ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے"؟ انہوں نے فرمایا "ادب کرنا اور یہ کہ ان کی ناگواری کی بات پر بھی ان کو ترچھی نگاہ سے نہ دیکھنا"۔

صاحب مظاہر نے لکھا ہے کہ ماں باپ کے حقوق میں ہے کہ ان کی ایسی تواضع اور خدمت کرے کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں۔ جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرے۔ بے ادبی نہ کرے، تکبر نہ کرے، اگرچہ وہ کافر ہی ہوں۔ اپنی آواز کو ان کی آواز سے بلند نہ کرے۔ ان کا نام لے کر ان کو نہ پکارے۔ کسی کام میں ان سے پہل نہ کرے۔ ان کے لیے دعا اور استغفار کرتا رہے۔ ----- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے والدین حیات ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو اس کے لیے جنت کے دو دروازے نہ کھل جائیں۔ یعنی دونوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور اگر ان کو ناراض کر دے تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک تو ان کو راضی نہ کرے"۔ کسی نے عرض کیا "اگر وہ ظلم کرتے ہوں"؟ ابن عباسؓ نے فرمایا "ہاں اگرچہ وہ ظلم کرتے ہوں"۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ "ایک شخص حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرا جہاد پر جانے کو بہت دل چاہتا ہے لیکن مجھ میں قدرت نہیں ہے"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے"؟ انہوں نے عرض کیا کہ "والدہ زندہ ہیں"، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو"۔ یعنی ان کے حقوق کی ادائیگی میں فتویٰ سے آگے بڑھ کر تقویٰ پر عمل کرتے رہو۔ جب تم ایسا کرو گے تو تم حج کرنے والے بھی ہو، عمرہ کرنے والے بھی ہو، اور جہاد کرنے والے بھی ہو۔ یعنی جتنا ثواب ان امور کے کرنے میں ملتا ہے اتنا ہی تمہیں ملے گا۔ (الترغیب والترہیب)

حضرت محمد بن المنکدرؒ کہتے ہیں "میرا بھائی عمر تو نماز پڑھنے میں رات گزارتا تھا اور میں والدہ کے پاؤں دبانے میں رات گزارتا تھا۔ مجھے اس کی کبھی تمنا نہ ہوئی کہ اس کی رات میری رات کے بدلے میں مجھے مل جائے" (یعنی اس کی رات کا ثواب میں لے لوں)۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے دریافت کیا" عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے" ؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "خاوند کا"، میں نے پھر پوچھا کہ مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے فرمایا "اس کی ماں کا"۔ (المستدرک الحاکم، کنز العمال)

حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے چار بیٹے تھے۔ وہ بیمار ہوا۔ اس کے بیٹوں میں سے ایک نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر تم باپ کی تیمارداری اس شرط پر کرو کہ تم میں سے کوئی جو خدمت کرے گا وہ باپ کے میراث میں سے کچھ نہیں لے گا۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرنا چاہتے تو میں باپ کی تیمارداری کروں گا اور میراث میں سے کچھ نہ لوں گا۔ بھائیوں نے کہا ہاں تو ہی تیمارداری کر ہم نہیں کرتے۔ اس نے اپنے باپ کی خوب خدمت کی لیکن باپ کا انتقال ہو گیا اور اپنی شرط کے موافق اس نے کچھ نہ لیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ فلاں جگہ پر 100 دینار گڑھے ہوئے ہیں جا کر نکال لے۔ اس نے کہا کہ ان میں برکت بھی ہے؟ اس شخص نے کہا نہیں اس میں برکت نہیں ہے؟ اس شخص نے صبح کو یہ خواب اپنی بیوی کو سنایا اس نے کہا کہ دینار نکال لو لیکن وہ نہ مانا۔ دوسرے دن خواب میں دیکھا تو اس شخص نے 10 دینار بتائے پوچھا ان میں برکت ہے۔ اس نے کہا کہ برکت ان میں نہیں ہے۔ بیوی نے ان دیناروں کو نکالنے پر بے حد اسرار کیا لیکن یہ شخص نہ مانا۔ تیسری رات اس نے پھر خواب دیکھا کہ کسی نے بتایا کہ وہاں جاؤ وہاں پر تجھے ایک دینار ملے گا اس نے کہا اس میں برکت ہے؟ اس شخص نے کہا ہاں اس میں برکت ہے۔ یہ جا کر وہ دینار لے آیا اور بازار میں جا کر اس سے دو مچھلیاں خریدیں۔ جن میں سے ہر ایک کے اندر سے ایک ایسا موتی نکلا جو کسی نے بھی عمر بھر نہ دیکھا تھا۔ بادشاہ وقت نے ان دونوں موتیوں کو بہت ہی اصرار سے نوے خچروں کے بوجھ کے بقدر سونے سے خریدا۔

بعض علماء نے حسن سلوک اور احسان میں ماں کا حق تین حصے بتایا ہے اور باپ کا ایک حصہ۔ اس لیے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے تین مرتبہ ماں کو بتا

کر چوتھی مرتبہ باپ کو بتایا۔اس کی وجہ سے علماء کرام نے یہ بتائی ہے کہ ماں تین مشقتیں برداشت کرتی ہے۔حمل اٹھائے رکھنے کی، جننے کی اور دودھ پلانے کی۔اس طرح احسان وسلوک میں ماں کا حصہ مقدم ہے جبکہ ادب اور تعظیم میں باپ کا حق ماں پر مقدم ہے (مظاہر حق)

حدیث: ایک حدیث میں ہے "اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کی ابتدا کرو۔اس کے بعد باپ کے ساتھ، پھر بھائی کے ساتھ، پھر بہن کے ساتھ، پھر رشتہ داروں کے ساتھ پھر پڑوسیوں کے ساتھ اور پھر حاجت مندوں کے ساتھ "۔(کنز)

حدیث: حضرت ابوبکر نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کے متعلق نہ بتاؤں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ جملہ تین بار فرمایا۔ہم نے عرض کیا" ضرور یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ضرور بتایئے"۔فرمایا" اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا"، آپ خاتم النبیین ﷺ پہلے تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا" جھوٹی بات کرنا اور جھوٹی گواہی دینا"۔آپ خاتم النبیین ﷺ اس جملے کو بار بار دہراتے رہے۔حتیٰ کہ ہم نے اپنے جی میں کہا" کاش آپ خاتم النبیین ﷺ سکوت فرمائیں"۔(بخاری ومسلم)

حدیث: حضرت ابوعبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا''۔(بخاری)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''یہ بات کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو لعن طعن کرے"۔لوگوں نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ایک شخص اپنے والدین کو کیسے لعن طعن کرسکتا ہے"؟ فرمایا" وہ اس طرح کہ کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دے تو وہ جواب میں اس کی ماں (یا ماں باپ دونوں) کو گالی دے''۔(بخاری، ابوداؤد)

سورہ احقاف، آیت نمبر 15 میں فرمان الٰہی ہے۔ترجمہ:''ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (بالخصوص ماں کے ساتھ احسان کا اور بھی زیادہ کیونکہ) اس کی ماں نے بڑی مشقت کے ساتھ اس کو اپنے پیٹ میں رکھا اور پھر بڑی مشقت سے اس کو جنا اور اس کو پیٹ میں رکھنے اور دودھ چھڑانے میں (اکثر کم از کم) تیس مہینے ہوجاتے ہیں۔(کتنی طویل مشقت ہے) یہاں تک کہ جب وہ بچہ جوان ہوتا ہے تو (جو مفید ہوتا ہے) کہتا ہے۔اے میرے رب مجھے اس میں مدامت دیجئے (توفیق دیجئے) کہ میں ان نعمتوں کا شکر ادا کروں۔جو آپ نے مجھ کو میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور (اس کی توفیق دیجئے کہ) ایسے کام کروں جن سے آپ راضی ہوں۔اور میری اولاد میں بھی (میرے نفع کے لیے) صلاحیت پیدا فرما دیجئے۔میں اپنے سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور میں فرمابرداروں میں سے ہوں''۔آگے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں ''یہی لوگ ہیں کہ جنکے نیک کاموں کو ہم قبول کرلیں گے اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے۔اس طرح کہ یہ جنت والوں میں ہوں گے یہ اس وعدہ کی وجہ سے ہے جس کا ان سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا''۔(کہ نیک اعمال کا صلہ جنت ہے) (آیت نمبر 16)

حق تعالیٰ نے والدین اور اہل قرابت کے بارے میں بار بار تاکید فرمائی ہے اس آیت شریفہ میں خاص طور پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرماتے ہوئے کہا کہ ''ہم نے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے''۔یہ مضمون اسی عنوان سے تین جگہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ ''ہم نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے''۔پہلی جگہ سورہ عنکبوت آیت نمبر 8، پھر دوسری جگہ سورہ لقمان آیت نمبر 14، پھر سورہ احقاف آیت نمبر 15 میں۔جس سے زیادہ تاکید معلوم ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے "تین چیزیں ایسی ہیں جس میں یہ پائی جائیں حق تعالیٰ مرنے کے وقت موت کو اس پر آسان کردیتے ہیں اور جنت میں داخل فرمادیتے ہیں۔

1۔ضعیف پر مہربانی کرنا　　2۔والدین پر شفقت کرنا اور　　3۔اپنے ماتحتوں پر احسان کرنا"۔(مشکوٰۃ)

بعض علماء نے لکھا ہے" پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر دوام اور استقلال سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی نیکیاں ملتی ہیں جیسے کہ اونچے اونچے پہاڑ۔اور ان کی وجہ سے رزق میں بھی وسعت پیدا ہوتی ہے۔1۔ایک صدقہ کی مداومت (ہیشگی) تھوڑا ہو یا زیادہ　2۔دوسرے صلہ رحمی پر مداومت چاہے قلیل ہو یا کثیر

3۔اللہ کے راستے میں جہاد　　4۔باوضو رہنا اور　　5۔والدین کے ساتھ حسن سلوک اور والدین کی فرمانبرداری پر مداومت کرنا"۔(تنبیہ الغافلین)

ایک حدیث میں ہے "صدقہ طریقے کے موافق کرنا۔بھلائی اختیار کرنا۔والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور صلہ رحمی کرنا۔آدمی کو بدبختی سے نیک بختی کی طرف پھیر دیتا ہے۔عمر میں زیادتی کا سبب ہے اور بری موت سے حفاظت ہے"۔(کنز)

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" باپ کے ساتھ حسن سلوک کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد اس کے ساتھ تعلقات رکھنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرے"۔(مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ ابن دینارؒ کہتے ہیں "حضرت ابن عمرؓ مکہ کے راستے میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک بدو نظر آیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو اپنی سواری دے دی اور اپنے سر مبارک سے عمامہ اتار کر اس کی نذر کر دیا۔ ابن دینارؒ نے عرض کیا" حضرت یہ شخص تو اس سے کم درجہ احسان پر بھی بہت خوش ہو جاتا۔ آپؓ نے اس کو سواری دے دی اور پھر عمامہ دے دیا"؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا"اس کا باپ میرے باپ کے دوستوں میں سے تھا اور میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے سنا ہے کہ بہترین صلہ رحمی آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں پر احسان کرنا ہے"۔ (صحیح مسلم)

ایک حدیث میں ہے حضرت ابوسعید مالک بن ربیعہؓ فرماتے ہیں "ہم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ قبیلہ بنو سلمہ کے ایک صاحب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرے والدین کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا کوئی درجہ باقی ہے"؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ہاں ہاں ان کے لیئے دعائیں کرنا ان کی مغفرت کی دعا کرنا اور ان کے عہد کو جو انہوں نے کسی سے کر رکھا ہو پورا کرنا"۔ (مشکوۃ المصابیح)

حدیث: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مر جائے۔ اور وہ شخص ان کی نافرمانی کرنے والا ہو۔ تو اگر وہ ان کے لیے ہمیشہ دعائے مغفرت کرتا رہے تو وہ شخص فرمانبرداروں میں شمار ہو جائے گا''۔ (مشکوۃ المصابیح)

یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر انعام واحسان اور لطف و کرم ہے کہ والدین کی زندگی میں بعض اوقات ناگوار امور پیش آ جانے سے دلوں میں میل آ جاتا ہے۔ لیکن جتنا بھی میل آ جائے والدین ایسی چیز نہیں کہ مرنے کے بعد دلوں میں رنج رہے اور والدین کے احسانات یاد کر کے آدمی بے چین نہ ہو جائے لیکن اب تو وہ مر گئے اب کیا تلافی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم و فضل سے اس کا دروازہ بھی کھول دیا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لیے دعائیں کریں۔ ان کی مغفرت کو اللہ تعالیٰ سے طلب کریں۔ ان کے لیے ایصال ثواب کرتا رہے کہ یہ ان کی زندگی کے زمانے میں جو ان کے حقوق ضائع ہوئے ہیں۔ اس کی تلافی کر دے گا اور بجائے نافرمانوں میں شمار ہونے کے فرمانبرداروں میں شمار کر دیا جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وقت کے نکل جانے کے بعد بھی اس کا راستہ کھول دیا۔ کس قدر بے غیرتی اور دلی قساوت ہوگی (دل کی سختی) ہوگی کہ اگر اس موقعہ کو بھی کھو دیا جائے اور اب ایسا کون ہوگا؟ جس نے ہمیشہ ماں باپ کی رضا کے لیے ہی کام کیئے ہوں۔ کچھ نہ کچھ کوتاہی اور کمی تو ہر ایک سے ہو ہی جاتی ہے۔ اگر دعاؤں میں ان کو یاد رکھنے کا اپنا معمول بنالیں تو ان کے درجات کس قدر بڑھا دیئے جائیں گے اور خود بندہ فرمانبرداروں میں شامل ہو جائے گا۔

ایک حدیث ہے "جو شخص اپنے والدین کی طرف سے ان کے مرنے کے بعد حج بدل ان کی طرف سے کرے تو اُن کا حج ہو جائے گا اور ان کی روح کو آسمان پر اس بات کی خوشخبری دے دی جاتی ہے اور یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرمانبرداروں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اگر چہ پہلے یہ نافرمان ہو"۔ (سنن الدارقطنی)

ایک روایت میں ہے "جو شخص اپنے والدین میں سے کسی کی طرف سے حج کرے تو ان کے لیے ایک حج کا ثواب ہوتا ہے اور حج کرنے والے کو نو حج کا ثواب ملتا ہے"۔ (رحمتہ المہداۃ)----اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے "جو شخص اپنے والدین کی زندگی میں ان کا نافرمان ہو۔ پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ اگر ان کے ذمہ قرض ہو تو اس قرض کو ادا کرے اور ان کو برا بھلا نہ کہے تو وہ فرمانبرداروں میں شمار ہوگا۔ لیکن جو شخص ماں باپ کی زندگی میں ان کا فرمانبردار تھا ان کے مرنے کے بعد ان کو برا بھلا کہنے لگا اور نہ ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتا ہے نہ ان کے لیے استغفار کرتا ہے وہ نافرمانوں میں شمار کر دیا جائے گا"۔ (درمنشور)

ایک مرتبہ ایک آدمی نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ وہ کون سا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے جواب دیا" وقت مقررہ پر عبادت کرنا"۔ پوچھنے والے نے پوچھا "اس کے بعد کونسا عمل"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے جواب دیا"والدین کے ساتھ حسن سلوک"۔ (بخاری)

اسلام اس بات کی بھی تلقین کرتا ہے کہ ہم اپنے والدین کے متعلقین کی بھی عزت کریں چاہے وہ والدین کے رشتہ دار ہوں یا والدین کے دوست۔ دنیا کا ہر مذہب اور ہر تہذیب اس بات پر متفق ہیں کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ ان کا ادب واحترام کیا جائے۔ اور اس بارے میں قرآن پاک کی تعلیمات سب سے زیادہ اہم اور ایک انفرادی اسلوب کی حامل ہیں۔ مثلاً جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف توجہ دلانا چاہی ہے اس کے فوراً بعد ہی والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تعلیم دی ہے۔ یاد رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے حقوق ہم پر فرض ہیں۔ بالکل اسی طرح انسانوں کے حقوق بھی ہم پر فرض ہیں اور اتنے ہی اہم بھی ہیں۔ انسانوں میں والدین کے حقوق سب سے بڑھ کر ہیں۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور والدین کے ساتھ نافرمانی کرنے والوں کے لیے گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ہمارے والدین کی حقیقی محبت پیدا کرے اور ان دونوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

والدین کا ادب (حصہ دوم)

خالق کائنات نے اپنی صفت رحمت کا ایسا پرتو (عکس) ماں باپ کے قلوب پر ڈالا ہے کہ انہیں اولاد کے ساتھ فطری محبت وشفقت کا تعلق نصیب ہوتا ہے۔اس محبت کے مناظر پرندوں اور چرندوں تک میں نظر آتے ہیں۔ چڑیا ایک ننھی منی سی جان ہے لیکن اگر کوئی اس کے بچے کو پکڑے تو جس قدر چلاتی اور پریشان ہوتی ہے۔اس کا مظاہرہ ہم آئے روز کرتے رہتے ہیں۔ ہر پرندہ اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے گھونسلہ بناتا ہے۔ پرندے اپنے منہ میں دانہ لے کر آتے ہیں اور اپنے بچوں کے منہ میں رکھتے ہیں۔ یہ اپنے منہ میں پانی کی بوند بھر کر لاتے ہیں اور اپنے بچوں کے منہ میں ٹپکاتے ہیں۔ مرغی کو دیکھئے کمزور سی ہے لیکن اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے بلی سے بھی ٹکرا جاتی ہے---انسان تو بحر حال اشرف المخلوقات ہے۔عقل کے نور سے منور ہے۔اسے اولاد کے ساتھ محبت ہونا ایک قدرتی اور قابل فہم بات ہے۔اس محبت کی بنا پر ماں باپ اپنی اولاد کو پالتے ہیں اور ان کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہوتے ہیں۔اب جب ماں باپ اپنی اولاد کی پرورش میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے تو اولاد کو بھی چاہیے کہ ماں باپ کا ادب کریں، احترام کریں اور ان کی خدمت اور اطاعت میں کسی قسم کی کمی وکوتاہی نہ کریں۔تمام آسمانی کتابوں میں اس حقیقت کو اچھی طرح واضع کی گیا ہے۔

تورات میں حکم الٰہی:- تورات میں حقوق العباد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

1۔''تو اپنے والدین کو عزت دے تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو تیرا خداوند تجھے دیتا ہے دراز ہو''۔

2۔''تم میں سے ہر ایک اپنے والدین سے ڈرتا رہے''-(احبار 18-3)

3۔''اور جو کوئی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے وہ مار ڈالا جائے''۔

انجیل میں حکم:- متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:''خدا نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کی عزت کرو اور جو کوئی ماں باپ پر لعنت کرے وہ جان سے مارا جائے۔اور اگر کوئی ماں باپ کی عزت نہ کرے تو گویا اس نے حکم الٰہی کو باطل کیا''۔

قرآن مجید میں حکم الٰہی:-　　1۔سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 23-24 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ:''اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرو۔اگر تمہارے سامنے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں کبھی ''اُف'' بھی نہ کہو اور (ان کے لیے) یوں دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی''۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے "ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھا کر طواف کر رہا تھا۔اس نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے فرمایا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ 'ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا''-

2۔　سورہ انعام آیت نمبر 151 میں ارشاد الٰہی ہے

ترجمہ:''آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں سناتا ہوں جو کچھ تمہارے لیے حرام کیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو''۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہی وہ آیات محکمات ہیں جن پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ تک شریعتیں متفق رہیں۔ان میں سے کوئی چیز کسی شریعت میں منسوخ نہیں ہوئی۔

3۔　سورہ بقرہ آیت نمبر 83 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

ترجمہ:''اور جب ہم نے عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گئے اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو گے''-

4۔　سورہ انساء آیت نمبر 36 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اوراس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو''۔

5۔　سورہ لقمان آیت نمبر 14 میں ارشاد الٰہی ہے۔　ترجمہ:''تم میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی''-

قرآن پاک کی مندرجہ بالا پانچ آیات میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت بیان فرمائی گئی ہے۔

اس سلسلے میں انسانیت رہتی دنیا تک محسن انسانیت فخر دوعالم حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی مقروض رہے گی۔جنہوں نے اخلاق وآداب کا انمول درس

دے کر نفرتوں کو محبتوں سے اور دشمنیوں کو دوستیوں سے بدل ڈالا۔ اولاد کو والدین کے آداب اس حد تک سکھائے کہ کوئی بچہ اپنے والدین کے چہرے پر محبت اور عقیدت کی نظر ڈالے تو ہر نگاہ کے بدلے میں حج مقبول کا ثواب پائے گا۔

ایک واقعہ:- قرطبی نے اپنی اسناد متصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے "ایک شخص نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ ''میرے والد نے میرا سارا مال لے لیا ہے''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنے باپ کو بلا لاؤ'' وہ آدمی اپنے والد کو بلانے چلا گیا۔ اسی وقت حضرت جبرائیل آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ''اے اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النبیین ﷺ جب اس لڑکے کا والد آجائے تو آپ خاتم النبیین ﷺ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں اور اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا"؟ جب وہ نوجوان اپنے والد کو لے کر آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس آیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے کہ آپ نے اس کا تمام مال لے لیا ہے"؟ والد نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ اس سے پوچھ لیں کہ میں اس کے مال کو اس کی پھوپھی، خالہ اور اپنے نفس کے علاوہ میں اور کہاں خرچ کرتا ہوں''۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"بس حقیقت معلوم ہوگئی"- اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کے والد سے دریافت کیا'' وہ کلمات کیا ہیں جو تم نے اپنے دل میں کہے اور تمہارے کانوں نے بھی نہ سنے"؟ اس شخص نے عرض کیا'' یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ آپ خاتم النبیین ﷺ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتا ہے"- (یعنی جو بات میرے کانوں نے بھی نہیں سنی اس کی آپ خاتم النبیین ﷺ کو اطلاع ہوگی)۔ پھر اس نے کہا" وہ چند اشعار تھے جو دل میں پڑھے تھے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" وہ اشعار ہمیں بھی سناؤ۔ اس صحابی نے درج ذیل اشعار پڑھے۔

ترجمہ: 1۔ میں نے تمہیں بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد بھی تمہاری ہر ذمہ داری اٹھائی۔ تمہارا سب کچھ میری کمائی سے تھا۔

2۔ جب کسی رات تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی۔ تو میں نے سخت بیداری اور بے قراری کے عالم میں وہ رات گزاری۔

3۔ میں بے قرار رہتا ایسے جیسے کہ وہ بیماری تمہیں نہیں مجھے لگی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے میں تمام شب روتے ہوئے گزار دیتا۔

4۔ میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا۔ بے شک میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے۔

5۔ پھر تم نے میرا بدلہ سخت روی اور سخت گوئی بنالیا۔ گویا کہ تم ہی مجھ پر احسان و انعام کر رہے ہو۔

6۔ کاش اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہوسکتا تو کم از کم اتنا ہی کر لیتے جیسے ایک شریف پڑوسی کرتا ہے۔

7۔ تو نے کم از کم مجھے پڑوسی کا حق دے دیا ہوتا۔ میرے ہی مال میں مجھ سے بخل سے کام نہ لیا ہوتا''-

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے جب یہ سنا تو بیٹے کا گریبان پکڑ کر فرمایا:"انت و مالک لابیک"

ترجمہ:''تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے"-　　　(معارف القرآن بحوالہ تفسیر قرطبی)

والدین کے آداب کے ثمرات

1۔ ایک بزرگ رات دن عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے ایک دن ان کے دل میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ کے کسی دوست سے ملاقات کرنی چاہیے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نوجوان اپنی بکریوں کو چرا رہا ہے اور آواز آئی'' یہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہے تم اس سے ملاقات کرلو''۔ وہ بزرگ بیدار ہوئے تو اس نوجوان سے ملاقات کی جستجو شروع کردی۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ وہی جوان اپنی بکریوں کا ریوڑ لے کر راستے سے گزر رہا ہے۔ وہ بزرگ بہت خوش ہوئے۔ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ''میں چند دن تمہارا مہمان بننا چاہتا ہوں'' نوجوان نے خوشی کا اظہار کیا اور انہیں اپنے گھر لے آیا۔ رات کے وقت دونوں آپس میں گفتگو کرتے رہے۔ اس بزرگ نے نوجوان سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا اور پوچھا'' برخوردار تمہارا کون سا عمل ایسا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس نے تمہارا نام اپنے دوستوں میں لکھا ہوا ہے"؟ یہ سن کر وہ نوجوان آبدیدہ ہوگیا۔ پھر اس نے قریب کا کمرہ کھول کر دکھایا۔ وہاں دو مسخ شدہ چہرے والے انسان موجود تھے وہ بزرگ ان کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور پوچھا" یہ کیا معاملہ ہے"؟ نوجوان نے کہا کہ'' یہ میرے نافرمان اور غافل ماں باپ ہیں۔ ایک مرتبہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی گستاخی کی اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے مسخ کر دیئے۔ میں سارا دن بکریوں کا ریوڑ چراتا ہوں اور جب واپس گھر آتا ہوں تو پہلے اپنے والدین کو کھانا کھلاتا ہوں اور پھر خود کھاتا ہوں۔ گو کہ انہوں نے اپنے جرم کی سزا اس دنیا ہی میں پالی ہے مگر یہ میرے والدین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی خدمت اولاد کے لیے فرض قرار دی ہے۔ یہ دونوں ان چہروں کے ساتھ باہر نہیں نکل سکتے۔ اس لیے میں ہی ان کی خدمت کرتا ہوں''۔ بزرگ نے یہ باتیں سن کر اس نوجوان کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ اور فرمایا'' برخوردار ہم نے

ساری ساری رات عبادت کی اور پورا پورا دن روزہ رکھا لیکن اس مقام کو نہ پا سکے جس کو تم نے اپنے والدین کی خدمت کر کے حاصل کر لیا ہے''۔ (حقوق والدین)

2۔ خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کے ایک بھائی نہایت عبادت گزار تھے اور رات دن عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ جبکہ آپؒ کا بیشتر وقت اپنے والدین کی خدمت اور اطاعت میں گزرتا تھا۔ ایک رات آپ کے بھائی عبادت میں مشغول تھے کہ ایک ندا آئی کسی کہنے والے نے کہا" ہم نے تمہارے بھائی کی مغفرت کی اور اُس کی برکت سے تمہیں بھی بخش دیا"۔ ان کے بھائی بڑے حیران ہوئے کہ ذکر اور عبادت میں تو میں ہر وقت مشغول رہتا ہوں مگر میری بخشش ابوالحسن کے طفیل ہوئی ہے؟ ندا آئی ''ہمیں تیری عبادت کی حاجت نہیں۔ حاجت مند تیرے ماں باپ ہیں اور ماں باپ کی خدمت کرنے والے کی اطاعت ہمیں مطلوب ہے''۔ (تذکرہ الاولیاء)

3۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اپنی والدہ کا بے حد ادب کیا کرتے تھے۔ جب کبھی ان کی والدہ کو کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا وہ ایک سن رسیدہ فقہی سے دریافت کرتیں۔ ان کے پاس امام صاحب والدہ کو اونٹ پر بیٹھا کر لے جاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ فقیہہ کو مسئلے کا صحیح جواب معلوم ہی نہ ہوتا تو وہ زیر لب امام اعظم سے معلوم کرتے اور پھر اونچی آواز میں آپؒ کی والدہ کو حل بتا دیتے۔ امام اعظم کو اپنی والدہ کی تواضع اور ان کے ادب کا اتنا خیال تھا کہ انہوں نے ساری زندگی اپنی والدہ پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ جو مسائل آپؒ فقیہہ صاحب سے معلوم کرتی ہیں ان کا حل میں ہی تو ان کو بتاتا ہوں اور یہ سب اس لیے تھا کہ والدہ صاحبہ کی طبیعت جس طرح مطمئن ہوتی ہے ہونی چاہیے۔

4۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرمایا کرتے تھے "مجھے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے یہ سب میری والدہ کی دعاؤں کی وجہ سے عطا ہوا ہے"۔ لوگوں نے پوچھا "وہ کیسے"؟ فرمایا "لڑکپن میں ایک مرتبہ میری والدہ نے مجھ سے پانی مانگا۔ میں لے کر گیا تو والدہ سو چکیں تھیں میں پانی لے کر کھڑا رہا۔ سردی بہت زیادہ تھی میں سردی میں کپکپانے لگا کہ اچانک میری والدہ کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو فوراً پانی میرے ہاتھ سے لے لیا اور مجھے بے حد دعائیں دیں۔ ان دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ولایت کے دروازے کھول دیئے"۔

اگرچہ والدین کا ادب و احترام عمر کے ہر حصے میں واجب ہے لیکن جب دونوں شباب کی بہاروں، رعنائیوں اور توانائیوں سے محروم ہو کر بڑھاپے کی زندگی گزار رہے ہوں تو اولاد کو چاہیے کہ ان کا زیادہ خیال رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ اولاد کی ذرا سی بے رخی والدین کے لیے دل کا روگ بن جائے۔ جب والدین اولاد کے رحم و کرم کے محتاج ہوں۔ تو حالات کے ان بے رحم تھپیڑوں میں اولاد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کوئی ایسا قولی یا فعلی رویہ اختیار نہ کریں جس سے والدین کو تکلیف ہو۔ اس وقت انسان اپنے بچپن کو یاد کرے۔ جب وہ اپنے والدین کی شفقت اور حسن سلوک کا ان سے زیادہ محتاج تھا۔ اپنے ننگے بدن کو ڈھانپ نہیں سکتا۔ خود اپنی مرضی سے کروٹ نہیں بدل سکتا تھا۔ اپنی غذا کا بندوبست نہیں کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے بدن سے لگی ہوئی گندگی بھی صاف نہیں کر سکتا تھا۔

اس بے بسی کے عالم میں ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت نے شجر سایہ دار کی مانند اسے محبت کی گھنی چھاؤں سے نوازا۔ یہ ماں ہی تو تھی جو پہلے بچے کو کھلاتی تھی اور بعد میں خود کھاتی تھی۔ پہلے بچے کو پانی پلاتی تھی اور بعد میں خود پانی پیتی تھی۔ جو پہلے بچے کو سلاتی تھی اور جب وہ سو جاتا تو خود سوتی تھی۔ جو اپنی چادر کے ایک کونے سے بچے کی ناک صاف کر دیتی تھی۔ جو بچے کے جوتے صاف کرتی تھی۔ باپ دن رات کما کما کر بچوں کے لیے ہر طرح کی آسائش مہیا کرتے۔ آج اس ماں کے احسانات کا بدلہ چکانے کا وقت آ پہنچا تو اولاد بے رخی دکھائے اور ماں باپ کا کوئی احسان یاد نہ رکھے تو یاد رکھیں کہ عنقریب مکافات عمل ظہور پذیر ہوگا اور اس کا ماں باپ کے ساتھ کیا ہوا رویہ اس کی اپنی اولاد اس کے ساتھ دہرا دے گی۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: ''جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے''۔ (سنن نسائی، حدیث نمبر 3106)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ترجمہ: ''رب کی رضا والد کی رضا میں اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے"۔ (مشکوٰۃ، جلد 2، ص 419)

سچ تو یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین کے چاہے جتنی بھی خدمت کرے وہ والدین کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ اولاد اگر ساری کائنات کا ایک لقمہ بنا کر ماں کے منہ میں رکھ دے تب بھی اپنی ماں کے دودھ کا حق ادا نہیں کر سکتی۔

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا ''باپ اور بیٹے کی محبت میں کتنا فرق ہوتا ہے''؟ فرمایا ''بیٹا بیمار ہو اور لاعلاج مرض میں گرفتار ہو جائے تو باپ اس کی درازی عمر کی رو رو کر دعا کرتا ہے۔ اور اگر باپ کے بس میں ہوتا تو اپنی بقیہ زندگی کے ایام اپنے بیٹے کو دے کر خود خوشی خوشی موت کو قبول کر لیتا لیکن جب باپ بیمار ہو اور لاعلاج مرض میں گرفتار ہو جائے تو چند ہی دن میں بیٹا مایوس ہو کر دعا مانگتا ہے کہ ''یا اللہ میرے باپ کو محتاجی کی زندگی سے بچانا۔ اس کی مشکل آسان کر دے اور اس کو اپنے پاس بلا لے''۔

کتنی عظیم وفا ہے، ماں باپ کی اور کتنی عجیب جفا ہے اولاد کی؟

اللہ تعالیٰ ہمیں والدین کی خدمت کرنے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اولاد کی تربیت

ہر بالغ انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اولاد کی نعمت سے نوازے اولاد کا ہونا اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا اکرم اور فضل ہے کہ اس نعمت سے صرف والدین ہی خوش نہیں ہوتے بلکہ پورے خاندان میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اولاد ایک ایسی نعمت ہے جس کے لیے پیغمبروں نے بھی اللہ تعالیٰ سے التجا اور دعا کی ہے۔

حضرت ذکریاؑ نے دعا فرمائی: سورۃ آل عمرآن، آیت نمبر 38

ترجمہ: ''اے میرے رب تو اپنے پاس سے مجھے پاکباز اولاد عطا فرما بے شک تو دعا سننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد کے حقوق متعین کئے ہیں اور بار بار ارشاد فرمایا ہے: سورہ الحج، آیت نمبر 58

ترجمہ: ''بے شک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے''۔

جو لوگ اولاد کو ضائع کر دیتے ہیں (یہاں ضائع کر دینے سے مراد نہیں مار دینا بھی ہے اور ان کی صحیح تربیت نہ کرنا بھی ہے) وہ انتہائی سنگدل لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ الانعام، آیت نمبر 140 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''وہ لوگ انتہائی گھاٹے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو نا سمجھی میں اپنی حماقت سے موت کی گھاٹ اتار دیا''۔

ایک مسلمان کو خاص طور پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صالح اولاد ہماری روایات، دینی تعلیمات اور توحید کے پیغام کو زندہ رکھنے کا ذریعہ ہے۔ والدین کو بچوں کی اچھی تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ تحریم، آیت نمبر 6 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''مومنوں اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ''۔

جہنم کی آگ سے بچنے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ اولاد کو دین و دنیا دونوں کی تعلیم دی جائے۔ بچے اللہ تعالیٰ کے باغ کے پھول ہیں۔ اولاد کی تربیت کے سلسلے میں حضرت باباقلندر اولیاءؒ کا ارشاد ہے ''قیامت کے روز والدین سے اللہ تعالیٰ یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے اپنی اولاد کو کیا کھلایا اور کیا پلایا کیسے کپڑے دیئے اور کیسی رہائش مہیا کی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ والدین کے رزق کے ساتھ اولاد کا رزق بھی عطا فرماتے ہیں۔ والدین سے سوال یہ کیا جائے گا کہ تم نے اپنی اولاد کی تربیت کیسے کی؟''

والدین کی ایک تعداد ایسی بھی ہے جو یہ ہی سوچتی رہتی ہے کہ ابھی تو ہمارا بچہ چھوٹا ہے، جو چاہے کرے، ذرا بڑا ہو جائے گا تو اس کے اخلاق کی تربیت بھی ہو جائے گی یہ خیال بالکل غلط ہے، والدین کو بچپن ہی سے اولاد کی تربیت کی طرف توجہ دینی چاہیے کیونکہ بچے کی زندگی کے ابتدائی سال بقیہ زندگی کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ایک پائیدار عمارت، مضبوط بنیاد ہی پر تعمیر کی جا سکتی ہے۔ بچہ جو کچھ بچپن میں کرتا ہے وہ ساری زندگی اس کے ذہن میں راسخ رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کا دماغ موم کی طرح ہوتا ہے۔ والدین اسے جس سانچے میں ڈھالنا چاہیں۔ ڈھال سکتے ہیں۔ بچے کی یادداشت ایک خالی تختی کی طرح ہوتی ہے۔ اس پر جو لکھا جائے گا ساری عمر کے لیے محفوظ ہو جائے گا۔ بچے کا ذہن خالی کھیت کی طرح ہوتا ہے اس میں جیسا بیج بویا جائے گا ویسی ہی فصل تیار ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر بچے کو بچپن ہی سے سلام کرنے میں پہل کی فضیلت سمجھا دی جائے تو پھر وہ عمر بھر اس عادت کو نہیں چھوڑتا۔ اس طرح اگر اسے سنت کے مطابق، کھانے، پینے، اور نہانے کے قوائد بتا دیئے جائیں تو وہ نہ صرف خود ان عادات کو اپنانے کا عادی ہو جائے گا بلکہ اس کے گردونواح میں رہنے والے بچے بھی اس کی صحبت سے ان اوصاف کو اپنانے کی کوشش کریں گے۔ آج کے اس دور میں عام لوگوں کو مغرب بھی جانے کا جنون ہو گیا ہے کہتے ہیں کہ روزی کمانے کے لیے باہر جا رہے ہیں اور غضب خدا کا اس کو ہجرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ عام بات ہے کہ وہ کفرستان ہے۔ وہاں فسق و فجور کا دور دورہ ہے۔ وہاں نظروں کو، کانوں کو، ہاتھوں کو، پاؤں کو اور دل و دماغ کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں ہوتا۔

اکثر لوگ وہاں جاب (کام) کے لیے جاتے ہیں پھر گھر خرید لیا، پھر شادی کر لی، پھر اولاد ہوئی۔ اب جب اولاد جوان ہوئی تو اس کی تربیت کا مسئلہ وہاں رہ کر دین کی حفاظت اور ایمان کی حفاظت خود والدین کے لیے مشکل ہوتا ہے یہ نئی اولاد تو انگریزوں کے ساتھ اُٹھتی بیٹھتی اور پڑھتی ہے۔ پورا ماحول مغرب کا ہے اور ہماری یہ اولاد مسلمان۔ وہاں پر رکھ کر اپنے بچوں کو دین پر رکھنا بے حد مشکل ہے۔ شریعت نے ہمیں ایسی جگہ رہنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ''اللہ کی زمین بہت وسیع ہے کسی ایسی زمین اور ملک کی طرف ہجرت کر جاؤ جہاں تم اسلام پر عمل کر سکو اپنے دین کو بچا سکو''۔

تاجدار دوعالم حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے روپیہ پیسہ کمانے کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف

ہجرت نہیں فرمائی تھی۔ روپیہ پیسہ تو کیا چیز ہے؟ مکہ کے لوگوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو حکومت کی پیشکش بھی کی تھی۔ پورا عرب آپ خاتم النبیین ﷺ کو بادشاہ تسلیم کرنے کو تیار تھا، بشرطیکہ ان کے بتوں کو برا بھلا نہ کہا جاتا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس پیشکش کو تسلیم نہ کیا تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کے بدلے میں اپنا آبائی وطن کو چھوڑنا گوارہ کرلیا۔ کونسا آبائی وطن؟ جہاں بیت اللہ شریف تھا یعنی مکہ مکرمہ۔

چنانچہ مکہ مکرمہ میں دین پر عمل ممکن نہ ہونے کی وجہ سے آپ خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرامؓ پر فرض ہو گیا کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے جائیں۔ بلکہ تمام اہل مکہ پر فرض عین کر دیا کہ سب کے سب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ جائیں کیونکہ اب مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے دین پر عمل کرنا اور اپنے ایمان کی حفاظت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔

اسی طرح جو والدین مغربی ممالک میں رہتے ہوئے اپنے بچوں کی دین کی حفاظت نہیں کر سکتے تو ان پر لازم ہے بلکہ فرض ہے کہ اپنی اولاد کے مستقبل کو بچا لیں۔ ان کے ایمان کو بچا لیں اور ان کو لے کر کسی ایسے ملک میں سکونت اختیار کریں جہاں پر ہماری اولاد اپنے ایمان اور اپنے دین کی حفاظت کر سکیں۔ یاد رکھیں کہ اگر ہم اپنی نسلوں کے اندر ایمان چھوڑ کر نہ جا سکے۔ اپنی نسلوں کے ایمان کی حفاظت نہ کر سکے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کام عیسائیوں کی موجودہ نسلوں نے کیا اور کر رہے ہیں وہ کام خدانخواستہ ہماری تیسری یا چوتھی نسل کرنے لگے۔ عیسائیوں کے نقشے ہمارے سامنے ہیں ان کی موجودہ نسلیں اپنے چرچ فروخت کر رہی ہیں کیونکہ ان کے خیال میں "اتنی بڑی بڑی عمارات صرف عبادت کے لیے رکھنا کہاں کی عقل مندی ہے"۔ ظاہر ہے جب عمارات ہزار ہزار گز میں ہوں گی اور عبادت کرنے والے 20 یا 30 افراد تو نئی نسل یہ ہی خیال کرے گی۔

ہمارے مسلمان بھائی مغرب میں رہنے والے لوگ غور کریں اگر ہم اپنی نسلوں کو ایسے ہی یہاں پر چھوڑ کر چلے گئے تو ان کے بے راہ رو ہونے کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں ایک مسلمان کے گھر میں پیدا کیا تھا اور روزی کی ذمہ داری اپنے اوپر رکھی تھی۔ پھر یہ کیسے عیسائی اور یہودی بن گئے؟ یہ مسلمان بچے کیوں عیسائیوں اور یہودیوں میں شادیاں کرنے لگے؟ یہ مسلمان بچیاں کیوں ایسا کرنے لگیں؟ یہ فحاشی، عریانی، بیہودگی انہیں کس نے سکھائی؟ ان کو یہ ماحول کس نے دیا؟ ان مسلمان بچوں کے دین و ایمان کو کس نے خطرے میں ڈالا؟ یاد رکھیں اولاد کی بے راہ روی پر ماں باپ سے ضرور باز پرس ہوگی۔

اگر ہم اسلامی اقدار کے حامل ماحول کے متمنی ہیں تو ہمیں اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کی تربیت بھی کرنی ہوگی کیونکہ اگر ہم تربیت اولاد کی اہم ذمہ داری کو بوجھ تصور کر کے اس سے غفلت برتتے رہے اور بچوں کو اسی خطرناک ماحول میں آزاد چھوڑ دیا تو نفس اور شیطان انہیں اپنا آلۂ کار بنائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نفسانی خواہشات کی آندھیاں انہیں گناہوں کی دلدل میں پھنسا دیں گے اور پھر عمر عزیز کے یہ موجودہ دن آخرت کمانے کی بجائے دنیا جمع کرنے میں صرف کر دیں گے اور پھر گناہوں کا انبار لیے ہوئے وادی موت کے کنارے پر پہنچ جائیں گے۔ اگر رحمت الٰہی شامل حال ہوئی تو مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق ہو جائے گی ورنہ دنیا سے کف افسوس ملتے ہوئے نکلیں گے اور قبر کے اندھیرے میں عذاب سہنے کے لیے جا پڑیں گے۔ موجودہ حالات میں اخلاقی قدروں کی پامالی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ آج کے اس دور میں نیکیاں کرنا دشوار اور گناہ کرنے آسان ہو گئے ہیں۔ موبائل فون، ٹی وی، فلمیں، ڈش انٹینا، انٹرنیٹ کا غلط استعمال کرنے والوں نے اپنی آنکھوں سے حیاء دھو ڈالی ہے۔ حصول عیش اور حصول سہولیات کی جدوجہد نے انسان کو فکر آخرت سے بالکل غافل کر دیا ہے۔

آج کا انسان تکمیل ضروریات کے لیے روزی نہیں کماتا اصل میں دنیاوی شان و شوکت اور ظاہر آن بان مسلمانوں کے دلوں کو اپنا گرویدہ بنا چکی ہے۔ افسوس اپنی قبروں کو گلزار جنت بنانے کی تمنا اب مسلمانوں کے دل و دماغ میں نہیں آتی اور ان تمام باتوں کی وجہ والدین کا اپنی اولاد کی تربیت سے غافل ہونا ہے۔ فرد سے افراد اور افراد سے معاشرہ بنتا ہے۔ جب فرد کی تربیت ہی صحیح خطوط پر نہیں ہوگی اس کے مجموعہ سے تشکیل پانے والا معاشرہ زبوں حالی سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟ جب والدین کا مقصد حیات، حصول دولت، حصول عیش و آرام دہ زندگی کا حصول ہو تو وہ اپنی اولاد کی تربیت کے لیے وقت کیسے نکالیں گے؟ پھر یہی والدین ہر کسی کے سامنے اولاد کے بگڑنے کا رونا روتے ہیں۔ تربیت ماں باپ کی ذمہ داری ہے جیسا نمونہ ماں باپ دیں گے اور جیسا ماحول ماں باپ اپنی اولاد کو مہیا کریں گے اولاد ویسی ہی ہو جائے گی۔ اولاد وہی کچھ کرتی ہے، وہی کچھ بولتی ہے جو ماں باپ کرتے ہیں۔

کوئی بھی انسان جب اس عالم رنگ و بو میں پیدا ہوتا ہے تو اسے سمجھنے یا سمجھانے کا طریقہ نہیں آتا، پھر آہستہ آہستہ وہ اپنے ماحول سے تمام باتیں سمجھنے لگتا ہے۔ اب اس کا ماحول جیسا ہوتا ہے وہ ویسی ہی زندگی اپنا لیتا ہے۔ ماں باپ کا فرض ہے کہ بچوں کو صاف ستھرا رکھیں۔ صاف ماحول دیں، دوسروں کے سامنے بچوں کا عیب کبھی نہ بیان کریں، کسی کے سامنے بچوں کو برا کہنے سے ان کی عزت نفس کو ٹھیس لگتی ہے۔ شروع ہی سے اصلاحی ماحول کے مطابق سلام کرنا، بڑوں کا ادب کرنا، سنتوں پر عمل کرنا،

نماز کے لیے پابند کرنا، تلاوت قرآن پاک کا روزانہ کرنا، ہمارے عمل کا حصہ ہوگا تو ہماری اولاد ہمارے اس نمونے کو اپنا لے گی۔ ہمیں اپنے بچوں کو اپنا نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ اپنے بچوں کو اولیاء کرامؒ اور انبیاء کرام علیہ السلام کے قصے سنائیں۔ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اپنی اولاد کے لیے وقت نکالیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی سیرت طیبہ کے اوصاف ان کے سامنے بیان کریں۔

ماں باپ دونوں کا فرض ہے کہ اپنے بچوں سے غریبوں کو خیرات دلوائیں، کھانا کھلوائیں، بہن بھائیوں میں چیزیں تقسیم کروائیں، تقریبات میں بہن بھائیوں سے آپس میں تحفوں کا تبادلہ کروائیں۔ بچوں کے ساتھ کرخت آواز میں نہ بولیں اس لیے کہ کرخت آواز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اولاد کی تربیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اولاد کو بار بار ڈانٹنے، جھڑکنے اور برا بھلا کہنے سے گریز کیا جائے۔ ان کی شرارتوں پر بیزار ہونے اور نفرت کا اظہار کرنے کے بجائے محبت کے ساتھ انہیں سمجھائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ والدین اپنی اولاد سے جو کچھ چاہتے ہیں وہ تمام صفات والدین کے اندر موجود ہوں۔ جب میاں بیوی آپس میں خوش رہیں گے تو بچے خود بخود فرمانبردار بن جائیں گے۔

جب میاں بیوی آپس میں عفو درگزر سے کام لیں گے تو یقیناً اولاد بھی سعادت مند ہوگی۔ ان کے اندر معافی کی صفات پیدا ہو جائیں گے۔

ایک مرتبہ اقرع بن حابسؓ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس آئے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اس وقت حضرت حسنؓ کو پیار کر رہے تھے۔ اقرعؓ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور بولے ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ بھی بچوں کو پیار کرتے ہیں؟''۔ میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی بچے کو پیار نہیں کیا''۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اقرعؓ کو دیکھا اور پھر فرمایا ''اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت اور شفقت کو نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں''؟ (مسلم۔ جلد سوئم حدیث 1530)

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں حضرت عامرؓ ایک بار حضرت عمرؓ سے ملنے کے لیے آئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ لیٹے ہوئے تھے اور بچے ان کے سینے پر اچھل کود کر رہے تھے۔ حضرت عامرؓ کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔ حضرت عمرؓ اعلیٰ درجے کے مردم شناس تھے۔ حضرت عامرؓ کی اس ناگواری کو محسوس کر کے ان سے پوچھا "عامرؓ آپؓ کا اپنے بچوں کے ساتھ برتاؤ اور رویہ کیسا ہے؟'' حضرت عامرؓ بولے "جب میں گھر جاتا ہوں تو گھر میں داخل ہوتے ہی گھر والوں پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے سب خوف کے مارے دم سادھ کر چپ ہو جاتے ہیں"۔ حضرت عمرؓ نے بڑے افسوس سے کہا ''عامرؓ آپؓ امت محمد خاتم النبیین ﷺ کے فرزند ہوتے ہوئے یہ بھی نہیں جانتے کہ مسلمان کو اپنے گھر والوں کے ساتھ کس طرح نرمی اور محبت کا سلوک کرنا چاہیے''؟۔ والدین کو اپنے بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت کے سلوک کے ساتھ ساتھ، ان کے ساتھ لین دین میں بھی ہمیشہ مساوات کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

ایک مرتبہ حضرت لقمانؓ کے والد حضرت بشیرؓ اپنے بیٹے کے ساتھ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرے پاس ایک غلام تھا وہ میں نے اپنے اس لڑکے کو دے دیا ہے''۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا ''کیا تم نے اپنے ہر لڑکے کو ایک ایک غلام بخشا ہے؟ بشیرؓ بولے ''نہیں''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اس غلام کو تم واپس لے لو۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مساوات کا سلوک کرو'' حضرت بشیرؓ گھر آئے اور حضرت لقمانؓ سے غلام واپس لے لیا''۔ (جامع ترمذی، جلد اول حدیث 1380)

ہر ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ بچے سے یا بچے کے سامنے جھوٹ نہ بولیں کیونکہ اولاد جو کچھ سیکھتی ہے، وہی کچھ بولتی ہے، وہی کچھ کرتی ہے جو ماں باپ کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ ''میری والدہ نے مجھے بلایا اور کہا یہاں آؤ میں تمہیں ایک چیز دوں گی''۔ یہ بات حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے بھی سن لی اور پوچھا کہ ''تم اپنے بچے کو کیا چیز دینا چاہتی ہو؟'' وہ بولیں ''میں اس کو کھجور دینا چاہتی ہوں'' حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اگر تم بچے کو چیز دینے کا بہانہ کر کے بلاتیں اور بچے کو کچھ نہ دیتیں تو تمہارے اعمال نامے میں ایک جھوٹ لکھ لیا جاتا"۔ (مشکوٰۃ شریف، جلد چہارم، حدیث نمبر 809)

ہماری معاشرے میں ایک یہ بات عام طور پر دیکھنے میں آئی ہے کہ لڑکے کی پیدائش پر بہت خوشیاں مناتے ہیں اور لڑکی کی پیدائش پر غمگین ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔

ترجمہ: ''جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں فرشتے بھیجتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے گھر والو تم پر سلامتی ہو اور یہ کہہ کر وہ لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں ''یہ ایک کمزور جان ہے جو ایک کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے۔ جو اس لڑکی کی نگرانی اور پرورش (خوش دلی سے) کرے گا قیامت تک اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال رہے گی''۔ (حضرت بنیط بن شریطؓ، طبرانی الصغیر 1/61، حدیث 70 صفحہ 62)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے تین لڑکیوں یا تین بیٹیوں کی سرپرستی کی انہیں تعلیم دلوائی، تہذیب سکھائی، بہترین تربیت کی ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے نیاز کر دیا (یعنی وہ اپنے گھر کی ہوگئیں) تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت واجب کردی ہے''۔ مجلس میں موجود ایک شخص نے فرمایا'' یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اگر دو لڑکیاں ہوں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے جواب دیا" دولڑکیوں کی پرورش کا صلہ بھی یہی ہے"۔(السلسۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 1990)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''ایک دن ایک عورت اپنی دو بچیوں کے ساتھ میرے پاس آئی۔ میرے پاس اس وقت فقط ایک کھجور تھی میں نے وہ کھجور اس عورت کو دے دی۔ اس عورت نے فوراً ہی کھجور کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور ایک ایک دونوں لڑکیوں کو دے دیا۔ اسی وقت حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ وہاں تشریف لائے میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو اس عورت کے بارے میں بتایا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص بھی لڑکیوں کی پیدائش کے ذریعے آزمایا جائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کر کے آزمائش میں کامیاب ہو تو یہ لڑکیاں اس کے لیے قیامت کے روز جہنم کی آگ کے سامنے ڈھال بن جائیں گے''۔(مشکوٰۃ شریف، جلد چہارم، حدیث 875)

یقیناً وہی اولاد اخروی طور پر نفع بخش ثابت ہوگی جو نیک اور صالح ہو اور یہ حقیقت ہے کہ اولاد کو نیک یا بد بنانے میں والدین کی تربیت کا بڑا دخل ہے۔ جو بات آج کل دیکھنے میں آئی ہے وہ یہ کہ والدین نے اپنی اولاد کو مغربی تہذیب کے طریقے تو سکھائے اسے انگریزی بولنی سکھائی لیکن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سنتیں نہ سکھائیں اور فرض دینی علوم کے حصول کی رغبت نہ دلائی۔ اس کے دل میں تعلیم کی رغبت مال کے حصول کے لیے ڈالی لیکن رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی محبت اور آخرت میں اعلیٰ درجے کے حصول کے لیے کچھ نہیں کیا۔ اسے دنیا کی ناکامیوں کا خوف تو دلایا مگر قبر وحشر میں ناکامی سے وحشت نہ دلائی۔ اسے ہیلو ہائے تو سکھایا مگر سلام کرنے کی فضیلت، سلام میں پہل کرنے کی فضیلت، بزرگوں کا ادب کرنے کی فضیلت کچھ بھی نہ بتایا۔

ارتکاب گناہ کی آزادی کیبل، وی سی آر، ٹی وی، رقص وسرور کی محفلیں اور بگڑا ہوا گھریلو ماحول، یہ سب کچھ بچوں کی طبیعت میں شیطانیت اور نفسانیت کو اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ پھر ان بچوں سے پاکیزہ کردار کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔ بے شک اولاد ماں باپ کے جگر کا ٹکڑا اور اپنی ماں کے آنکھوں کا نور سہی لیکن اس سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا امتی اور ایک اسلامی معاشرے کا اہم فرد ہے، ہمارے بچے دراصل ہمارا اسلام ہیں۔ ان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ کل یہ بچے اسلام کے مقام پر فائز ہوجائیں، اگر ماں باپ کی تربیت اولاد کو اللہ تعالیٰ کی بندگی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی غلامی اور اسلامی معاشرے میں اس کی ذمہ داری نہ سکھا سکی تو اسے اپنا فرمابردار بنانے کا خواب دیکھنا بھی چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ یہ اسلام ہی ہے جو ایک مسلمان کو اپنے والدین کا مطیع وفرمانبردار بننے کی تعلیم دیتا ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اپنی اولاد کی عزت کرو اور ان کو اچھے آداب سکھاؤ"۔(بخاری)

اس لیے اولاد کی ظاہری زیب وزینت اچھی غذا، اچھے لباس اور دیگر ضروریات کی کفالت کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاق روحانی تربیت کے لیے بھی کمر بستہ ہو جانا چاہیے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تم سب نگران ہو اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ بادشاہ نگران ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے اہل وعیال کا نگران ہے اس سے اس کے اہل وعیال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد کی نگران ہے اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا'' (صحیح بخاری، کتاب العتیق باب کراہۃ التطاول الخ جلد 2 ص 159 حدیث 2554)

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں اگر اولاد ماں باپ یا اساتذہ کا احترام نہیں کرتے تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہم نے اپنی اولاد کو کیا سکھایا اور کیا دیا ہے؟ بچہ اس سے محبت کرتا ہے جس سے وہ کچھ حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اولاد کو بہترین تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

****

اسلام اور آداب زندگی

انسان زندگی کے شب وروز کے عمل مثلاً رہن سہن، میل جول اور لین دین کے عمدہ اصول وضوابط کو آداب کہا جاتا ہے۔ اگر انسان ان آداب کو ملحوظ رکھتا ہے تو وہ تہذیب یافتہ اور شائستہ لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ غیر مسلم اقوام نے مذہب ایک جگہ سے لیا ہے اور آداب دوسری جگہ سے۔ مثلاً نصاریٰ نے مذہب انجیل سے حاصل کیا اور آداب معاشرت روم اور یونان سے۔ اسلام ایک ایسا مکمل دین ہے کہ اس نے ایمان وعبادات، اخلاق، اخلاص اور آداب کے لیے سیرت النبی خاتم النبیین ﷺ کو سرچشمہ اور ماخذ قرار دیا۔ یہی اسلام عرب کی وحشی قوم کو مہذب اور شائستہ بنا دیتا ہے۔ یعنی اسلام دنیا کی وحشی سے وحشی قوم کے پاس قرآن اور اپنے نبی خاتم النبیین ﷺ کا فرمان لے کر گیا اور پھر ان کو تھوڑے ہی عرصے میں مہذب اور شائستہ بنا دیا۔

دور حاضر کے اکثر مسلمانوں نے کھانے پینے، اٹھنے، بیٹھنے اور زندگی گزارنے کے تمام طریقے کفار ومشرکین اور نصاریٰ سے لے رکھے ہیں۔ مغربی دنیا کے ہر طریقے کو اپنانے میں یہ مسرت محسوس کرتے ہیں پھر اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں۔ تعجب اور بہت ہی تعجب کی بات ہے کہ ایمان تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر لائیں اور زندگی ملحد اور نصرانیوں کی طرح گزاریں۔ ہم مسلمان ہیں ہمیں زندگی آپ خاتم النبیین ﷺ کی اتباع میں گزارنی چاہیے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک قرآن اور دوسری حدیث (یعنی اپنی سنتیں) ہمیں تو چاہیے کہ اپنے آقا کی سنتوں پر مرمٹیں اور اس جھوٹی دنیا اور اہل دنیا کی نظروں میں باعزت اور باوقار ہونے کے خیال سے آخرت کی نعمتوں، رفعت اور عظمت کو نہ بھولیں۔ آخرت کی ذلت اور رسوائی بہت بڑی اور بہت ہی بری ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آداب سکھائے اور بہترین آداب سکھائے۔ اگر ہم اپنے نبی خاتم النبیین ﷺ کی پیروی کریں تو مجسم آداب بن جائیں۔

آداب اکابرین کی نظر میں

1۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''پہلے ادب سیکھو پھر علم سیکھو'

2۔ حضرت علیؓ نے فرمایا'' ہر شے کی ایک قیمت ہوتی ہے انسان کی قیمت اس کا علم وادب ہے''۔

3۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا'' میرے پاس ایسے شخص کا ذکر آئے جسے اولین وآخرین کا علم ہو مگر وہ آداب نفس سے کورا ہو تو مجھے اس سے ملاقات میسر نہ ہونے پر کبھی افسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کبھی یہ سننے میں آئے کہ فلاں شخص آداب نفس کا حامل ہے تو اس سے ملاقات نہ ہونے پر افسوس ہوتا ہے۔

4۔ فقیہہ ابولیث سمرقندیؒ نے فرمایا: اسلام کے پانچ قلعے ہیں: 1) پہلا یقین　2) دوسرا اخلاص　3) تیسرا فرائض　4) تکمیل سنت　5) حفظ آداب

جب تک آدمی آداب کی نگرانی اور حفاظت کرتا رہتا ہے۔ شیطان اس سے مایوس رہتا ہے اور جب یہ آداب چھوڑ دیتا ہے تو شیطان سنتیں چھڑانے کی فکر میں لگ جاتا ہے حتیٰ کہ پھر فرائض، اخلاص اور پھر یقین تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

5۔ حضرت عبداللہ بلخیؒ نے فرمایا'' آداب نفس کا حاصل کرنا علم کے حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے''۔

6۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا'' بے ادب، خالق اور مخلوق دونوں کا معتوب اور مغضوب ہوتا ہے''۔

7۔ حضرت علی ہجویریؒ (داتا گنج بخش) صاحب نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں فرمایا'' تارک ادب اخلاق محمدی خاتم النبیین ﷺ سے بہت دور ہوتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ادب:۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہر طرح کا ادب اس کی شان کے لائق ہے اور کیوں نہ ہوتا۔ اس دنیا میں جس قدر محبت اللہ تعالیٰ سے کی گئی جس قدر اس ذات کو چاہا گیا۔ جس قدر اس پر جانیں نچھاور کی گئیں۔ تنہایوں میں بیٹھ کر جس قدر اسے پکارا گیا جس قدر اس کے سامنے فریادیں کی گئیں۔ کائنات میں کوئی دوسرا اس کا ہمسر نہیں ہوا۔ کوئی اس کے ہم پایہ نہیں پایا گیا۔ پس ہر طرح کی محبت ہر طرح کی چاہت، ہر طرح کی عظمت، ہر طرح کا ادب صرف اور صرف اسی کی ذات کے لیے ہے۔ اسی لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ہر قول وفعل میں اللہ تعالیٰ کے ادب کا خیال رکھیں۔ ویسے بھی یہ ایک بشری تقاضہ ہے کہ ہم اپنے محسن ومربی کا ادب کریں۔ انسان اگر غور کرے تو اپنی ذات اور اپنے اردگرد اللہ تعالیٰ کے احسانات ہی احسانات نظر آئیں گے۔ اگر صحت نہیں تو بیمار ولاچار، اگر عزت نہیں تو ذلیل وخوار۔ اگر سماعت نہیں تو بہرا۔ اگر بصارت نہیں تو اندھا۔ تو اس باری تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کا ہم شکرانہ ادا کر ہی نہیں سکتے۔ سوائے اس کے کہ اپنی یہ جبینِ نیاز اس کے آگے جھکا دیں اور ہر ادب اس کی چوکھٹ پر نچھاور کریں۔

پیغمبران خدا کی بارگاہ میں ادب کی چند مثالیں

1۔ حضرت نوح علیہ السلام:- حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جب ان کے بلانے کے باوجود ان کے ساتھ کشتی میں سوار نہ ہوا اور ڈوب گیا تو انہوں نے کس انداز میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ھود، آیت نمبر 45 میں اس کا ذکر فرمایا ہے:

ترجمہ: ''اے میرے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل خانہ میں سے ہے۔ بے شک تیرا وعدہ سچا اور تو بڑا حاکم ہے''۔

یہاں پر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے شکایت نہیں کہ کہ ''میرا بیٹا ڈوب گیا اور تیرا وعدہ سچ نہ ہوا''۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: (سورہ ھود، آیت نمبر 46)   ترجمہ: ''اے نوح وہ آپ کے اہل خانہ میں سے نہیں تھا اس کے اعمال ناشائستہ تھے جس کی حقیقت تمہیں معلوم نہیں۔ اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہو جانا''۔

حضرت نوحؑ اس تنبیہ پر بے حد پریشان ہوئے اور کہا: (سورہ ھود، آیت نمبر 47)

ترجمہ: ''اے میرے پروردگار میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اور اگر آپ مجھے معاف نہ کریں گے اور مجھ پر رحم نہ فرمائیں گے تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤں گا''۔

حضرت نوحؑ کانپ اٹھے اور توبہ کی اور یہ نہیں کہا کہ پھر ایسا نہیں کروں گا کہ اس میں دعویٰ نکلتا ہے۔ حضرت آدمؑ نے بھی اسی انداز میں شرمندگی اور عاجزی کے ساتھ نہایت ادب سے دعا کی تھی کہ: (سورہ الاعراف، آیت نمبر 23)

ترجمہ: ''اے میرے رب میں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اگر آپ مجھے معاف نہیں کریں گے اور مغفرت نہیں فرمائیں گے تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا''۔

2۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام:- حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تو اللہ تعالیٰ کی شان بتاتے ہوئے فرمایا: (سورہ الشعراء آیت نمبر 80-78)

ترجمہ: ''وہ رب جس نے مجھے (بنایا) پیدا کیا وہی میری راہنمائی کرنے والا ہے اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے''۔ سبحان اللہ اس بیان میں کیا انداز ادب ہے۔ کیا بڑائی کرنے کا انداز ہے۔ مندرجہ بالا آیات میں چار باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پیدا کرنا، راہنمائی کرنا، کھلانا پلانا، اور شفا دینا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب فرمایا گو کہ بیماری بھی اللہ کی طرف سے آتی ہے لیکن چونکہ عام طور پر بیماری کو عیب سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے بیماری کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اس کے ادب کے خلاف تھا۔ اس لیے یوں نہیں کہا کہ جب بیمار کرتا ہے تو وہی شفا دیتا ہے۔ بلکہ فرمایا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ بلاشبہ یہ ادب الٰہی کی بہترین مثال ہے۔

3۔ حضرت ایوب علیہ السلام:- حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے ہیں۔ (سورہ الانبیاء آیت نمبر 83)

ترجمہ: ''اے میرے پروردگار میں تکلیف میں مبتلا ہوں اور تو ہی سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے''۔

اس دعا میں عجز و نیاز کا بہترین انداز ہے۔ وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے۔ باری تعالیٰ میں بیمار ہوں مجھے شفا عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ سورہ ص آیت نمبر 44 میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ''ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا، کتنا ہی ''اچھا بندہ'' تھا وہ ہماری ہی طرف ''رجوع کرنے والا تھا''۔

کیا خوب ادب کو اللہ نے سراہا ہے۔ ''اچھا بندہ''   ''رجوع کرنے والا''۔

اللہ ہمیں بھی اچھا اور رجوع کرنے والا بنا دے۔ (آمین)

4۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام:- حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مسلسل سات دن اور رات سفر کرنے کے بعد مدین پہنچے تو سخت تھکاوٹ بھوک کی حالت میں یوں دعا کی۔ (سورہ القصص آیت نمبر 24)

ترجمہ: ''اے میرے پروردگار تو جو خیر بھی (مجھ پر) نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں''۔

اگر حضرت موسیٰؑ اس سخت تھکاوٹ اور بھوک میں یہ بھی کہہ دیتے کہ ''باری تعالیٰ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا'' تو بھی جائز تھا۔

حضرت موسیٰؑ کی یہ دعا بارگاہ الٰہی کے ادب کی بہترین مثال ہے۔

5۔ حضرت خضر علیہ السلام:- سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے اکٹھے سفر کا ذکر ہے۔ دوران سفر حضرت خضرؑ نے ایک کشتی میں سوراخ کر

دیا۔ پوچھنے پر فرمایا: سورہ کہف آیت نمبر 79

ترجمہ: ''سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں''۔ آگے چل کر حضرت خضرؑ نے دو یتیموں کی خستہ دیوار کو نئے سرے سے تعمیر کرایا۔

پوچھنے پر فرمایا: (سورہ کہف آیت نمبر 82)

ترجمہ: ''آپ کے پروردگار نے ارادہ کیا کہ یہ دونوں جوان ہو کر اپنا خزانہ نکالیں''۔

اب اگرچہ حضرت خضر علیہ السلام نے دونوں کام اللہ کے حکم سے کئے لیکن ادب کی انتہا دیکھئے جس کام میں شر تھا۔ یعنی کشتی میں سوراخ کرنا۔ اسے اپنی طرف منسوب کرلیا کہ میں نے اس میں عیب ڈال دیا اور جس کام میں خیر تھی یعنی دیوار بنانا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردیا۔

6۔ حضرت یونس علیہ اسلام:- حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں گرفتار ہوئے تو دعا کی: (سورہ الانبیاء، آیت نمبر 87)

ترجمہ: ''اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو بے عیب ہے۔ بے شک میں ہی تھا (اپنی جان پر) ظلم کرنے والا''۔

ارشاد خداوندی ہے: (سورہ الصافات، آیت نمبر 144-143)

ترجمہ: ''اگر وہ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی نہ بیان کرتے تو روز محشر تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ رب کائنات کی بارگاہ میں عجز و ادب سے جو فریاد بھی پیش کی جائے، شرف مقبولیت پاتی ہے۔

7۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام:- اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نصاریٰ سے سوال کرے گا کہ تم نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو میرا شریک کیوں بنایا؟ نصاریٰ غلط بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ ''ہمیں یہ کہا گیا تھا'' چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے۔ (سورہ المائدہ، آیت نمبر 116)

ترجمہ: ''(باری تعالیٰ) اگر میں نے ایسا کیا ہوگا تو آپ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے آپ اسے جانتے ہیں اور جو آپ کے (ضمیر میں) ہے میں اسے نہیں جانتا۔ بے شک تو ''علام الغیوب'' ہے۔

جب نصاریٰ کا جھوٹ واضح ہو گیا تو حضرت عیسیٰ یہ نہیں کہتے کہ ''یا اللہ تو انہیں عذاب نہ دے کیونکہ ایسا کہنا آداب خداوندی کے خلاف ہے۔ لہٰذا اپنی درخواست اس طرح پیش فرماتے ہیں۔ (سورہ المائدہ، آیت نمبر 118)

ترجمہ: ''الٰہی اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے''۔

8۔ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ:- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب معراج کی رات اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے مقام پر پہنچے تو اس قدر باادب باوقار کہ ذات باری تعالیٰ نے خود گواہی دی۔ (سورہ نجم آیت نمبر 17) مازاغ البصر و ماطغیٰ ترجمہ: ''نہ نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی''۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''آنکھ نے جو کچھ دیکھا پورے اطمینان و تمکنت سے دیکھا۔ نگاہ صرف اسی چیز پر جمی رہی۔ بادشاہوں کے دربار میں جو نہ دکھائی جائے اسے دیکھنا اور جو چیز دکھائی جائے اسے نہ دیکھنا بے ادبی ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ دونوں سے پاک تھے۔''

سلف صالحین کے مقامات آدب

1۔ حضرت عمر فاروقؓ:- کے پوتے حضرت سالمؒ ایک مرتبہ حرم مکہ میں تشریف لائے مطاف میں آپ کی ملاقات وقت کے بادشاہ ہشام بن عبدالملک سے ہوگئی۔ ہشام نے سلام کے بعد عرض کیا "حضرت کوئی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں۔ تاکہ میں آپؒ کی کچھ خدمت کرسکوں"۔ آپؒ نے فرمایا ''ہشام مجھے بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر غیر اللہ سے حاجت بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ادب الٰہی کا تقاضہ یہ ہے کہ یہاں پر صرف اسی کے آگے ہاتھ پھیلائے جائیں"۔ ہشام خاموش ہو گیا۔ قدرتاً جب آپؒ حرم شریف سے باہر نکلے تو ہشام بھی عین اسی وقت باہر نکلا۔ آپؒ کو دیکھ کر قریب آیا اور بولا "حضرت اب فرمائیے میں آپؒ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں"؟ آپؒ نے کہا "ہشام یہ تو بتاؤ کہ میں تم سے کیا مانگوں؟ دین یا دنیا''۔ ہشام جانتا تھا کہ دین کے میدان میں تو آپؒ کا شمار دنیا کی بزرگ ترین ہستیوں میں ہوتا ہے۔ اس لیے اس نے کہا "حضرت آپؒ مجھ سے دنیا مانگیں"۔ آپؒ نے فوراً جواب دیا "دنیا تو میں نے کبھی اپنے خالق اور مالک سے بھی نہیں مانگی۔ میں یہ تم سے کیا مانگوں گا"؟ یہ سنتے ہی ہشام نے خاموشی سے سر جھکایا اور وہاں سے چلا گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ جن حضرات کو بارگاہ خداوندی میں فریاد پیش کرنے کے آداب آتے ہیں وہ دنیاداروں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔

2۔ حضرت بشر حافیؒ:- حضرت بشر حافیؒ جوانی میں محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ غفلت اور بے پرواہی کی زندگی تھی۔ اکثر اوقات نشے میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ نشہ ہرن

ہوا تو بازار کچھ لینے کے لیے گئے۔ ایک گرے ہوئے کاغذ پر نظر پڑی دیکھا کہ اس پر اللہ کا نام لکھا ہے۔ جھک کر کاغذ اٹھایا۔ اسے صاف کیا۔ چوما اور ایک اونچی جگہ پر اس کاغذ کو رکھ دیا تا کہ اللہ تعالیٰ کا نام کسی کے پیروں میں نہ آئے۔ جب آپؒ اپنے کام سے فارغ ہو کر گھر واپس گئے تو دیکھا کہ ایک ولی کامل آپؒ کی ملاقات کے لیے گھر میں موجود ہیں۔ آپؒ کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا ''بشر مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا ہے کہ بشر حافیؒ سے جا کر کہہ دو کہ ''جیسے تم نے میرے نام کو عزت بخشی ہے اسی طرح میں بھی تمہارے نام کو عزت دوں گا''۔ یہ الفاظ سن کر آپؒ کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ آپؒ نے فوراً اپنے رب سے گزشتہ اعمال پر توبہ کی اور پھر بعد میں یہ روحانی دنیا کے مشاہیر میں سے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کے نام کے ادب نے آپؒ کو کہاں سے کہاں پہنچایا۔

3۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ:- یہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے چچا تھے لیکن عمر میں کوئی زیادہ فرق نہ تھا۔ ایک مرتبہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان سے فرمایا "آپؓ بڑے ہیں یا میں "؟ انہوں نے جواب دیا ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ بڑے تو آپ خاتم النبیین ﷺ ہی ہیں لیکن عمر میری زیادہ ہے"۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے ایک صحابی سے پوچھا "تم بڑے ہو یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ "؟ انہوں نے جواب دیا ''نبی کریم خاتم النبیین ﷺ مجھ سے بڑے ہیں البتہ پیدائش میں، میں ان سے پہلے ہوں''۔ دیکھیے صحابہ اکرامؓ روائتی کلام میں بھی ادب کے خلاف کوئی لفظ منہ سے نہ نکالتے تھے۔

4۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:- قریش مکہ کے سردار ابوسفیان کی بیٹی جب مسلمان ہوئیں تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔ معاہدہ حدیبیہ کی توسیع کے لیے کفار مکہ نے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا۔ ابوسفیان مدینے میں اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے گھر وارد ہوا۔ ابوسفیان نے دیکھا کہ ایک چارپائی پر بستر بچھا ہوا ہے۔ ابوسفیان نے جونہی اس پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ ام حبیبہؓ نے جلدی سے بستر سمیٹ دیا اور خالی چارپائی کی طرف اشارہ کیا کہ تشریف رکھیں۔ ابوسفیان نے پوچھا "یہ کیا؟ کیا یہ بستر میرے قابل نہ تھا یا میں اس بستر کے قابل نہ تھا"؟ ام حبیبہؓ نے کہا ''یہ بستر نبوت ہے'' ابوسفیان نے کہا "میں تیرا باپ ہوں''۔ ام حبیبہؓ نے فرمایا "لیکن آپ مشرک ہیں اور یہ پاک بستر ہے"۔ یہ سنتے ہی ابوسفیان فوراً گھر سے چلا گیا۔ اور اُم حبیبہؓ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اس واقعہ سے آداب نبوی خاتم النبیین ﷺ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

5۔ حضرت فضیلہ بن عبید اسلمیؓ:- ایک مرتبہ ابن ورع اور فضیلہ بن عبید اسلمیؓ تیر اندازی میں باہم مقابلہ کر رہے تھے۔ کسی وجہ سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا گزر وہاں سے ہوا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ان دونوں کو تیر اندازی میں مشغول دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت فضیلہؓ سے فرمایا ''اے بنی اسماعیل تم تیر اندازی کرو چونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔ تم تیر پھینکتے جاؤ میں ابن ورع کے ساتھ ہوں"۔ یہ الفاظ سنتے ہی حضرت فضیلہ نے کمان رکھ دی اور عرض کیا ''یارسول اللہ اگر آپ خاتم النبیین ﷺ ابن ورع کے ساتھ ہیں تو ادب کی بنا پر میں مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مقابلے کا لفظ برابری کے زمرے میں آتا ہے۔ مجھے کہاں زیب دیتا ہے کہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی برابری کروں گو کہ وہ تیر پھینکنے ہی میں کیوں نہ ہو''۔ (بخاری)

6۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ:- سیدنا ابوبکرؓ کے والد حضرت ابوقحافہؓ ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے تو ایک مرتبہ انہوں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا کلمات کہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ الفاظ سنے تو فوراً اپنے والد کے منہ پر ایک زبردست تھپڑ رسید کیا۔ انہوں نے اس کی شکایت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے کی۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے صورت حال معلوم کرنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ کو بلوا بھیجا۔ حضرت ابوبکرؓ آئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ''تم نے ایسا کیوں کیا؟''۔ انہوں نے جواب دیا ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار نہیں تھی ورنہ ایسے نازیبا کلمات کہنے پر میں ان کی گردن اڑا دیتا''۔ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن پاک کی یہ آیات لے کر حاضر ہوئے۔

ترجمہ: ''اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائے گا گو کہ وہ ان کے باپ بیٹے، بھائی یا کنبہ و قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ انہی لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور ان کی تائید اپنی روح سے کی ہے۔ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ وہ خدائی لشکر ہے۔ آگاہ رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے لشکر والے لوگ ہی کامیاب ہیں''۔ (سورہ مجادلہ، آیت نمبر 22)

7۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہم سے گفتگو فرماتے پھر جب آپ خاتم النبیین ﷺ کھڑے ہوتے تو فوراً ہی ہم سب لوگ بھی (از راہ ادب) کھڑے ہو جاتے تھے۔ (نسائی، ابوداؤد)

8۔امام بخاریؒ اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو شخص نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ خاتم النبیین ﷺ سے آپ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کی نشانیوں کے متعلق دریافت کیا۔ جب آپ خاتم النبیین ﷺ نشانیاں بیان فرما دیں تو انہوں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے دونوں ہاتھوں پاؤں کو ادب سے اور محبت سے بوسہ دیا اور کہا ہم لوگ گواہی دیتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

9۔حضرت زراعؓ سے روایت ہے کہ وفد عبدالقیس کے لوگ جب مدینے آئے تو جلدی جلدی اپنے کجاوں سے نکل کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھوں اور پاؤں کو محبت اور ادب سے چومنے لگے (احمد، داؤد)

10۔حضرت ابن عمرؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں تشریف لائے اور منبر نبوی خاتم النبیین ﷺ پر جو جگہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے بیٹھنے کی تھی اسے ہاتھ سے مس کیا اور تبرکاً اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر پھیر لیا۔ (شفا، طبقات ابن سعد)

11۔ترمذی شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حزیفہ بن یمانؓ سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے مصافحہ کرنا چاہا تو انہوں نے غسل کی حاجت لاحق ہونے کا عذر پیش کیا۔

12۔حضرت ابو محذورہؓ کے سر کے سامنے والے حصے میں بالوں کا ایک اس قدر لمبا گچھا تھا کہ جب آپؓ زمین پر بیٹھ کر اسے کھولتے تو بال زمین سے لگ جاتے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپؓ نے ان بالوں کو کٹواتے کیوں نہیں ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا میرے ان بالوں کو ایک مرتبہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے پیار سے پکڑا تھا۔ اس کے بعد میں نے انہیں کٹوانا چھوڑ دیا۔

13۔درمنثور میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کو غسل کی حاجت تھی۔ اس حالت میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ جلدی سے کہیں چھپ گئے۔ پھر غسل کرنے کے بعد وہاں تشریف لائے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیر سے آنے کی وجہ معلوم کی تو آپؓ نے فرمایا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ مجھے غسل کی حاجت تھی۔ اس ناپاکی کی حالت میں آپ خاتم النبیین ﷺ سے ملنا مجھے خلاف ادب لگا۔ اب میں پاک صاف ہو کر آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

14۔ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ محفل نبوی خاتم النبیین ﷺ کا نقشہ یوں کھینچا کرتے تھے۔ ''جس وقت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کلام شروع فرماتے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے اصحاب اس طرح سر جھکا لیتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب آپ خاتم النبیین ﷺ خاموش ہو جاتے تب حاضریں میں سے ایک کلام کرتا۔ دوران گفتگو کبھی آپ خاتم النبیین ﷺ سے کوئی بحث ومباحثہ نہیں کرتا تھا۔

15۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ جب ہجرت کر کے مدینہ گئے تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں آپ خاتم النبیین ﷺ نے قیام فرمایا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے لیے مکان کے نچلے حصہ میں رہنا پسند فرمایا لیکن حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے بے حد اسرار کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ کو اوپر والے حصے میں ٹھہرانے پر راضی کیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نیچے اور ہم اوپر ہوں اور وحی آ رہی ہو۔ اور یہ سب کچھ صحابہ کرامؓ کا آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ ادب کو ظاہر کرتا ہے۔

حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے بعد آداب نبوی

1۔ سیدہ حضرت عائشہؓ اگر مسجد نبوی کے قریب کسی مکان میں میخیں ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجا کرتیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ (وفاالوفا)

2۔ حضرت علیؓ نے اپنے گھر کے لیے لکڑی کا دروازہ بنوایا۔ آپؓ نے کاریگر سے یہ شرط طے کی کہ وہ دور کسی جگہ پر دروازہ تیار کرے گا تاکہ تیاری کے دوران آواز وغیرہ سے آپ خاتم النبیین ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے اور فرمایا "جب دروازہ تیار ہو جائے تو اس کو جگہ پر نصب کر دینا"۔

3۔ حضرت سائبؓ بن یزید سے روایت ہے کہ میں مسجد نبوی میں لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے میری طرف ایک کنکری پھینکی۔ جب سر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ ہیں۔ آپؓ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا کہ ان دونوں کو بلا لاؤ۔ جب وہ دونوں حاضر خدمت ہوئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو"۔ انہوں نے جواب دیا "ہم طائف سے آئے ہیں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا "اگر تم لوگ مدینے کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں درے لگواتا۔ کیا تم رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو"؟ (بخاری)

4۔ ابن حمیدؒ سے روایت ہے کہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے امام مالکؒ سے مسجد نبوی میں کسی بات پر بحث کی۔ اس وقت خلیفہ کے ہمراہ پانچ سو شمشیر بند بھی تھے دوران

گفتگو جب خلیفہ کی آواز قدرے بلند ہوئی تو امام مالکؒ نے فرمایا ''امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ادب واحترام انتقال کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ حیات مبارکہ میں تھا۔ یہ سنتے ہی ابوجعفر کی آواز پست ہوگئی"۔

5۔ حضرت امام مالکؒ مدینہ کی گلیوں میں گزرتے ہوئے درمیان میں چلنے کی بجائے دیواروں کے قریب قریب چلتے، پوچھنے پر فرمایا ''ممکن ہے ان راستوں پر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے قدموں کے نشان موجود ہوں۔ اگر میرے قدم ان نشانوں پر آ گئے تو سخت بے ادبی ہوگی"۔

6۔ امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ حضرت امام مالکؒ سے پوچھا" آپؒ کے پاس بے شمار گھوڑے ہیں آپؒ مدینے میں گھوڑوں پر سوار کیوں نہیں ہوتے "؟ حضرت امام مالک نے جواب دیا، " مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ جس مقدس زمین پر آپ خاتم النبیین ﷺ کے قدم مبارک لگے ہوں میں اس جگہ کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کروں"۔

قرآن پاک میں آداب رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی مثالیں:- قرآن پاک میں جہاں سابقہ امتوں کی اپنے اپنے پیغمبروں سے گفتگو بیان کی گئی ہے۔ وہاں (قرآن مجید) میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ پیغمبر خدا کو نام لے کر مخاطب کیا کرتے تھے مثلاً

1۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''اے موسیٰ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے''۔

2۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا ''اے عیسیٰؑ کیا تیرا رب ہمارے لیے آسمان سے دسترخوان اتار سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے امت محمد خاتم النبیین ﷺ کو ایسے طرز کلام سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ ارشادی باری تعالیٰ ہے: (سورہ نور، آیت نمبر 63)

ترجمہ: ''تم رسول پاک کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو''۔

قربان جائیں صحابہ کرامؓ کی اطاعت اور فرمابرداری پر اور حسن ادب پر کہ اس آیت کے نزول کے بعد جب بھی وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو پکارتے تو یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، یا نبی اللہ خاتم النبیین ﷺ، یا حبیب اللہ خاتم النبیین ﷺ کہہ کر مخاطب کرتے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے۔ فداک امی و ابی (میرے ماں باپ آپ خاتم النبیین ﷺ پر قربان)۔ صحابہ کرامؓ کے ادب نبوی تک پہنچنا ہمارے بس کی بات نہیں بحر حال ہمارے لیے ایک نمونہ موجود ہے۔ آفرین ان مقدس ہستیوں پر جنہوں نے اپنے آداب واخلاق کا لوہا دشمنوں سے بھی منوایا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو نمائندہ بنا کر بھیجا تاکہ مصالحت کی شرائط طے کی جاسکیں۔ عروہ انتہائی ذہین اور جہاں دیدہ آدمی تھا۔ مسلمانوں کے لشکر میں پہنچتے ہی اس نے ایک چیز کا بغور جائزہ لینا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں گفتگو کرنے کے دوران وہ کن انکھیوں سے صحابہ اکرام کی حرکات وسکنات کو دیکھتا رہا۔ جب وہ قریش مکہ ایک پاس واپس آیا تو اس نے صحابہ اکرام کے بارے میں مندرجہ ذیل اثرات بیان کئے۔ صحیح مسلم میں ہے:

ترجمہ: ''اے میری قوم اللہ کی قسم میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے کبھی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے اصحاب اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جیسا کہ محمد خاتم النبیین ﷺ کے اصحاب ان کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم جب وہ تھوک بھی پھینکتے ہیں تو وہ بھی ان کے اصحاب میں سے کوئی نہ کوئی ضرور اپنے ہاتھ پر لے لیتا ہے۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی لینے کے لیے ان کے اصحاب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ جب کوئی حکم فرماتے ہیں تو ان کے اصحاب حکم کی تعمیل کرلیے دوڑتے ہیں۔ جب وہ کلام فرماتے ہیں تو ان کے اصحاب اپنی آوازیں پست کر دیتے ہیں۔ ان کے کلام کے دوران ان کے صحابہ اپنی گردنیں جھکا لیتے ہیں اور خاموشی سے ان کو سنتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھ گئے ہیں۔ ان کے اصحاب انہیں بڑی ہی محبت، الفت اور ادب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں''۔

صحابہ اکرام کے ادب نبوی خاتم النبیین ﷺ کی گواہی اس سے اچھے الفاظ میں دینا مشکل ہے اور پھر تعریف اگر دشمن کی زبان سے نکلے تو اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے امراء کی مجالس میں ان آداب کا مشاہدہ کبھی دیکھنے میں نہیں آتا کیونکہ ان آداب کا تعلق قلبی محبت اور عقیدت سے ہے بھلا اہل دنیا کو یہ نعمت کہاں نصیب ہوسکتی ہے؟

آداب معاشرت:- حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''حجتہ اللہ البالغہ'' میں آدب کی خصوصیت پر نہایت عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شریعت نے ان آداب میں امور ذیل کا خیال رکھا ہے۔

1۔ بعض اوقات انسان ان آداب کی پابندی کے وقت اللہ سے غافل ہوجاتا ہے۔ شریعت نے ان آداب سے پہلے اور ان کے ساتھ اور ان کے بعد چند دعائیں مسنون (سنت) کردیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتی ہیں۔

2۔ بعض افعال اور اشکال شیطانوں کے مزاج سے مناسبت رکھتے ہیں۔مثلاً ایک جوتا پہن کر چلنا، بائیں ہاتھ سے کھانا وغیرہ اس لیے شریعت نے ان کی مخالفت کر دی۔ بعض باتیں ایسی ہیں جو فرشتوں سے مناسبت رکھتی ہیں مثلاً گھر میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت دعا پڑھنا۔اس لیے شریعت نے ان کی ترغیب دی ہے۔

3۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے بعض اوقات تکلیف پہنچتی ہے۔مثلاً ایسی چھت پر سونا جس پر چار دیواری یا کوئی اور آڑ نہ ہو یا سوتے وقت آگ کا نہ بجھانا، یا چراغ جلتا چھوڑ کر سونا۔ان سے بھی شریعت نے منع کر دیا ہے۔

4۔ بعض آداب ایسے ہیں جن سے عجمیوں کے عیش والے تمدن کی ممانعت مقصود ہے مثلاً ریشم پہننا مردوں کے لیے، تصویر دار کپڑے لٹکانا یا سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا۔پس ان کی بھی ممانعت فرمادی۔

5۔ بعض چیزیں وقار اور تمدن کے منافی ہوتی ہیں اور انسان کو وحشیوں اور جنگلیوں میں شامل کر دیتی ہیں اس لیے نبی پاک خاتم النبیین ﷺ نے اعتدال کی راہ کو پسند فرمایا ہے۔اس تفصیل کو پیش نظر رکھنے سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ دنیا کی تمام مہذب قوموں کے اجتماعی اور معاشرتی آداب کی بنیاد جن اصولوں پر قائم تھی۔اسلام کے احکام میں اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے فرمان میں وہ سب آداب ملحوظ ہیں۔مذہبی، اخلاقی، طبی غرض ہر قسم کے فوائد ومنافع ان آداب میں موجود ہیں۔گویا ان آداب کی پیروی کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا اتباع، روح وجسم کی پاکیزگی، گھر کی صفائی، اخلاق کی بلندی، معاشرت کی اچھائی، صحت کی حفاظت وترقی، بزرگوں کے آزمودہ اصول کار اور طریق زندگی کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔اوران سب کے مجموعے کا نام ''اسلامی آداب معاشرت'' ہے۔اسلام نے ان آداب میں بڑی لچک رکھی ہے۔ان میں جو اصلی اور بنیادی باتیں ہیں ان کی تو قرآن مجید اور حدیث نبویہ میں پوری تاکید کر دی گئی ہے اور اس تاکید سے ان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ان میں سے بعض امور ایسے ہیں جو وقتی مصلحت اور ملکی معاشرت اور زمانے کے حالات بدلنے سے بدل سکتے ہیں۔ایسے آداب کے لیے اسلام میں نہ زیادہ تاکید کی گئی ہے اور نہ ہی ان کے چھوڑنے پر وعید فرمائی گئی ہے۔فقط ان کی دینوی مصالح اور فائدے بتادیئے گئے ہیں۔پس ان میں اگر ایسا تغیر کیا جائے جس سے اصل مقصد فوت نہ ہو بلکہ اس کی خوبیاں اور زیادہ بڑھ جائیں تو ایسا کرنا برا نہیں ہے۔مثلاً ہاتھ دھونے کے لیے مٹی کی جگہ صابن استعمال کیا جائے، کپڑے سے ہاتھ صاف کرنے کے بجائے تولیہ استعمال کیا جائے، گوشت چھری سے کاٹا جائے، پلیٹیں اور گلاس الگ الگ رکھے جائیں وغیرہ وغیرہ اس کی پوری اجازت ہے۔لیکن اس اجازت کے باوجود ایک مرتبہ عشق ومحبت کا ہے جو لوگ اس راہ سے پیروی کا عزم رکھتے ہیں۔ان کے لیے زمانہ کتنا ہی بدل جائے ان کی نظر میں وہی ادائیں محبوب ہوں گی۔جو محبوب سے نسبت رکھتی ہیں۔یہی کمال ایمان کی نشانی ہے اور اسی جذبے سے آداب معاشرت کی پابندی کرنے میں مزا ہے۔عقلمند کو اشارہ کافی ہے۔

آدابِ طعام:۔مومن اگر اس نیت سے کھائے کہ مجھے اس سے جو قوت حاصل ہوگی میں اس سے اعمال صالحہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کروں گا تو کھانا پینا بھی عبادت بن جاتا ہے اعمال کا دارومدار نیتیوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جو اس کی نیت کی۔

سورہ بیّنہ آیت نمبر 5 میں فرمان الٰہی ہے۔ ترجمہ:''اور ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی عبادت کریں خاص کر کے''۔

حضرت سالم بن عبداللہؓ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھا ''اے عمرؒ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بندے کی نیت کے بقدر اس کا مددگار ہے جس کی نیت کامل ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی کامل ہے اور جس کی نیت ناقص ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ناقص ہے"۔بعض علما کا کہنا ہے "عمل سے پہلے عمل کی نیت چاہو"۔

بنی اسرائیل کا ایک آدمی قحط کے زمانے میں ریت کے ایک بہت بڑے ٹیلے کے سامنے سے گزرا تو اس نے دل میں کہا" کاش اس ریت کے برابر میرے پاس آٹا ہوتو میں اسے لوگوں میں تقسیم کر دوں"۔اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی کی طرف وحی کی "اس شخص سے کہہ دو کہ میں نے تیرا صدقہ قبول کرلیا۔تیری نیکی کی قدر کی اور تجھے اس قدر ثواب عطا کر دیا"۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ کا فرمان ہے'' قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس کا فاقہ، پیاس اور غم دنیا میں طویل مدت تک رہا، اگر وہ غائب ہو جائیں تو لوگ انہیں تلاش نہ کریں۔جب رات کو لوگ بستر بچھا لیتے ہیں تو وہ رب کے حضور پیشانیاں اور گھٹنے بچھا لیتے ہیں اور ایسے لوگوں کو زمین کھو دیتی ہے تو زمین روتی ہے۔ایسے لوگوں کو جب تو کسی شہر میں دیکھے تو جان لینا کہ یہ شہر میں ایمان کی علامت ہیں"۔

ایک شخص نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے سامنے ثرید اور گوشت کا ڈکار لیا تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''اپنا ڈکار ہم سے روک رکھو، تم میں دنیا سے زیادہ سیر ہونے والا قیامت کے دن زیادہ بھوکا ہوگا''۔(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، السلسلۃ الصحیحۃ)

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں''مومن اس ننھی بکری کی طرح ہوتا ہے جس کو ایک ہتھیلی گھاس، ایک مٹھی بھر جو اور ایک گھونٹ پانی کافی ہوتا ہے''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں" نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد سب سے پہلی بدعت جو لوگوں میں ظاہر ہوئی وہ ان کا پیٹ بھر کر کھانا تھا۔جب لوگ پیٹ بھر کر کھانے لگے تو ان کے نفس ان کو گھسیٹ کر بازاروں میں لے آئے (کہ زیادہ کمائیں تا کہ زیادہ کھاسکیں) اور پھر وہ دنیا کی جانب بھر پور میلان کرنے لگے "۔

ایک روایت میں ہے کہ ''بنی آدم کو چند لقمے کافی ہیں کہ کمر سیدھی کر لے''۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ ''وہ سات لقمے کھایا کرتے تھے''۔

بعض مشائخ سے مروی ہے کہ ''جو آدمی صرف گندم کی روٹی کھائے اور ادب کے ساتھ کھائے وہ مرض موت کے سوا کسی مرض میں مبتلا نہ ہوگا''۔ پوچھا گیا کہ "ادب کے ساتھ کھانے سے کیا مراد ہے"؟ فرمایا" بھوک کے بعد کھائے اور پیٹ بھرنے سے پہلے ہاتھ اٹھالے"۔

خلیفہ منصور کا حکیمانہ جواب:- ایک مرتبہ شاہ ہند نے خلیفہ منصور کی طرف کچھ تحائف بھیجے۔ان کے ہمراہ ایک طبیب کو بھی بھیجا۔طبیب نے خلیفہ منصور سے کہا''امیر المومنین میں آپ کی خدمت میں تین دوائیں پیش کرتا ہوں۔یہ دوائیں صرف اور صرف بادشاہوں کے لیے بنائی جاتی ہیں اور وہی ان کی قدر کر سکتے ہیں۔منصور نے پوچھا ''وہ کیا ہیں؟''طبیب نے کہا''آپ کی ریش پر ایسا خضاب لگاؤں گا کہ سیاہی کبھی نہ اترے گی''خلیفہ نے پوچھا کہ''دوسری دوا کیا ہے؟''طبیب نے کہا''میں آپ کو ایسی دوا دوں گا کہ آپ جتنا دل چاہے کھائیں گے اور بدہضمی نہ ہوگی''خلیفہ منصور نے پوچھا''تیسری دوا کیا ہے''؟۔طبیب نے جواب دیا''میں آپ کو ایسی دوا دوں گا کہ آپ جتنا دل چاہے اپنی شہوت پوری کریئے گا کمزوری نہ ہوگی''۔خلیفہ نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا منہ نیچا کیا اور پھر سر اٹھا کر کہا''میں سمجھتا تھا کہ تم عقلمند ہو لیکن درحقیقت یہ اس سے مختلف ہے۔سیاہ بالوں کی مجھے ضرورت نہیں۔بڑھاپا ایک وقار اور ہیبت ہے اور میں اس چہرے پر پیدا کئے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نور کو سیاہی کی ظلمت میں نہ بدلوں گا۔کثرت طعام سے بدن بوجھل ہوتا ہے اور غفلت پیدا ہوتی ہے، رہی بات شہوت پوری کرنے کی تو شہوت جنون کی ایک شاخ ہے اس کا حد سے زیادہ ہونا برا ہے۔پس جہاں سے آئے ہو وہیں واپس لوٹ جاؤ مجھے تمہاری دواؤں کی کوئی ضرورت نہیں ہے "۔

حلال غذا اور اس کے آداب

1۔کھانا شبہ والا نہ ہو۔ 2۔کھانا ممنوع ذرائع سے نہ آیا ہو،حرام ذرائع نہ ہو،ظلم اور خیانت سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔

3۔احکام سنت کے مطابق ہو،رسومات کا کھانا نہ ہو۔ 4۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا''اللہ تعالیٰ نے حلال اور عمدہ کھانے کو عمل پر مقدم فرمایا ہے''۔

سورہ مومنون میں آیت نمبر 51 میں فرمان الٰہی ہے: ترجمہ:''کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے اور نیک عمل کرو''۔

حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ''اگر ایک آدمی کسی بستی میں جائے اور وہاں پر اس کو مشتبہ چیزیں ملیں حلال میسر نہ ہو اور وہ بھوکا رہے اور فاقہ سے رات گزرے تو اس ساری بستی والوں کے سارے اعمال کے برابر اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی''۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ''جس نے طلب حلال کے لیے اپنے آپ کو تواضع میں ڈالا اس کے گناہ اس طرح جھڑ گئے جیسے موسم سرما میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں''۔

ایک قول ہے کہ''جس نے حرام کا ایک لقمہ کھایا اس کے قلب میں 40 دن تک قساوت (سختی) رہتی ہے"۔

کھانے کے آداب

1۔کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا 2۔دسترخوان بچھا کر کھانا کھانا (زمین پر) 3۔ٹیک لگا کر، جوتے پہن کر، پیر لٹکا کر کھانا مکروہ ہے۔

4۔کھانا اپنی طرف سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانا۔ 5۔کھڑے ہو کر، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھانا منع ہے۔ 6۔مل کر کھانا کھانے میں برکت ہے۔

حضرت جعفر بن محمدؒ سے مروی ہے کہ''جب تم دسترخوان پر اپنے بھائیوں کے ہمراہ بیٹھو تو نشست طویل کرو۔اس لیے کہ تمہاری عمروں میں یہ ایک ایسی گھڑی ہے جس پر حساب کتاب نہ ہوگا''۔

7۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے زیادہ کھانے کو پسند نہیں فرمایا۔ایک روایت میں فرمایا کہ زیادہ کھانا''شوم'' ہے یعنی اس شخص کو ایسی علت لگی ہوتی ہے جس سے ہر جگہ تکلیف ہوگی اور لوگ بری نظر سے دیکھیں گے''

حکما کے واقعات میں لکھا ہے کہ ارسطو کے ایک خادم نے ایک سیاہ حبشی آدمی سے کسی کام میں مدد مانگی۔اس نے انکار کر دیا۔خادم نے کہا" شاید تجھے بھی کبھی ارسطو کی ضرورت پڑے گی"؟حبشی نے کہا" مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی"۔خادم نے ارسطو کو یہ بات بتائی تو اس نے کہا" اور اگر وہ بھوک لگنے کے بعد کھاتا ہے اور سیر ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھالیتا ہے تو اسے میری ضرورت کبھی نہیں پڑے گی''۔اسی لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''ابن آدم نے پیٹ سے زیادہ بُرا برتن نہیں

بھرا۔ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں کہ کمر سیدھی کر سکے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ایک تہائی کھانا، ایک تہائی پینا اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے ہو‘‘۔ (جامع ترمذی)

کھانا دراصل مرض بھوک کا علاج ہے۔ اگر ضرورت سے زیادہ کھائے تو پھر کھانا ہی مرض ہے۔

کسی حکیم نے کیا خوب کہا ہے کہ ’’چالیس سال تک انسان کھانے کو کھاتا ہے اس کے بعد کھانا انسان کو کھاتا ہے‘‘۔

8۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کافی ہو جاتا ہے۔ اس لیے اکٹھا کھانے میں برکت ہوتی ہے"۔ (مسلم)

9۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ پسند آیا تو کھالیا، نہ پسند ہوا تو چھوڑ دیا۔ (بخاری)

10۔ کھانے کے برتن کو صاف کرنے سے برتن اس بندے کے لیے استغفار کرتا ہے۔ (ترمذی)

11۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو شخص پیاز، یا لہسن کھائے تو بدبو کے جانے تک مسجد میں نہ جائے"۔ (بخاری و مسلم)

12۔ جب پانی پینے لگو تو بسم اللہ کہو اور ختم کرنے پر الحمد اللہ کہو۔ (ترمذی)

13۔ حدیث مبارکہ ہے "پانی کے برتن میں سانس نہیں لینا چاہیے"۔ (ابوداؤد)

14۔ حدیث پاک میں ہے "برتن میں نہ سانس لو نہ پھونک مارو"۔ (ترمذی)

15۔ مشکیزے سے منہ لگا کر پانی نہ پیو۔ (بخاری)

16۔ کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرو۔ ایک مختصر دعا یہ ہے ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا‘‘۔

مہمان نوازی کے آداب

جس کی دعوت کی گئی اور اس نے قبول نہ کی تو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

1۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’جو آخرت اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مہمان کا اکرام کرے"۔ (متفق علیہ)

2۔ مہمان کے اکرام میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے لیے جلدی سے کھانا تیار کرے۔

3۔ مہمان کے سامنے سے جو کھانا بچ جائے اس کا حساب کتاب نہیں ہے۔

4۔ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں لکھا ہے کہ ’’ان کے ہاں مہمان آئے انہوں نے جو کے ٹکڑے اور روٹی پیش کی اور جو سبزی وہ بوتے تھے وہ سامنے رکھی اور فرمایا ’’کھاؤ اگر اللہ تعالیٰ تکلف کرنے والوں پر لعنت نہ کرتا تو میں تمہاری خاطر تکلف کرتا‘‘۔

5۔ اگر مہمان اور میزبان میں بے تکلفی ہے تو مہمان کو چاہیے کہ اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کر دے۔ امام شافعیؒ ایک مرتبہ زعفرانی کے گھر مہمان ہوئے۔ جمعہ کے روز دونوں نماز کے لیے جانے لگے تو زعفرانی اپنی لونڈی کو رقعہ بنا کر دیا کہ فلاں فلاں کھانا تیار کر دینا۔ ایک روز امام شافعیؒ نے لونڈی کو بلایا اور رقعہ میں اپنی پسند کے ایک کھانے کا اضافہ کر دیا جب زعفرانی نے دسترخوان پر نیا کھانا دیکھا تو اسے حیرت ہوئی لونڈی نے بتایا کہ امام شافعیؒ نے اس رقعہ میں اس کھانے کا اضافہ کر دیا تھا۔ زعفرانی نے کہا رقعہ لاؤ۔ جب امام شافعیؒ کی تحریر دیکھی تو اتنا خوش ہوا کہ لونڈی کو آزاد کر دیا۔

حدیث پاک میں ہے ’’جس نے اپنے بھائی کی جائز خواہش کو پورا کیا اس کی بخشش ہوگئی اور جس نے اپنے مومن بھائی کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش‘‘۔ (مشکوٰۃ)

مسنون طریقہ ہے کہ مہمان کو رخصت کرتے وقت مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک نکلے۔

6۔ میزبان کو چاہیے کہ دعوت دیتے وقت سات سنتیں ذہن میں رکھے۔

1۔ دعوت میں اللہ اور رسول خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کی نیت ہو۔ 2۔ سنت قائم کرنے کی نیت ہو۔

3۔ بھائی کی عزت افزائی کی خاطر دعوت کرے۔ 4۔ بھائی کی پسند کا خیال کرے۔ 5۔ نیت اس کے دل سے غم دور کرنے کی ہو۔

6۔ بھائی سے ملاقات کی نیت ہو۔ 7۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت ہو۔

مہمان کو چاہیے کہ پانچ آدمیوں کی دعوت قبول نہ کرے۔

1۔ ظالم اور ظالم کے مددگاروں کی دعوت قبول نہ کرے۔ 2۔ سود کھانے والے کی دعوت قبول نہ کرے۔

3۔ ایسا فاسق جو برملا فسق میں مبتلا ہو اس کی دعوت قبول نہ کرے۔ 4۔ جس کا مال زیادہ تر حرام کا ہو۔

5۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہے اور نبی خاتم النبیین ﷺ کو آخری نبی نہ مانے۔

رزق کا ادب

1۔ حتیٰ الوسع کوشش کی جائے کہ کھانے سے پہلو وضو کر لیا جائے۔

2۔ کھانے والے دستر خوان پر پہلے بیٹھیں اور کھانا بعد میں چنا جائے اور جب کھا چکیں تو دستر خوان پہلے اٹھایا جائے بعد میں لوگ اٹھیں۔

3۔ زمین پر دستر خوان بچھا کر کھانا میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے سے زیادہ ادب کے قریب ہے۔

4۔ پلیٹ میں کھانا لے کر چل پھر کر کھانا ادب سے دور ہے چل پھر کر کھانا حیوانوں کا کام ہے۔

5۔ ٹیک لگا کر کھانا ادب کے خلاف ہے۔

6۔ کھانے میں عیب نکالنا بے ادبی ہے۔

7۔ دستر خوان پر گرے ہوئے لقمے یا ٹکڑوں کو اٹھا کر کھا لینا ادب میں داخل ہے۔

8۔ سالن سے آلودہ ہاتھ چاٹ لینا بہتر ہے۔ برتن کا بچا ہوا سالن اچھی طرح صاف کر لینا چاہیے۔

9۔ سالن پلیٹ میں چھوڑ دینا ادب کے خلاف ہے۔

10۔ دستر خوان مناسب جگہ پر جھاڑا جائے۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ کے ہاں مہمان ہوئے کھانے سے فراغت پر مفتی صاحب نے دستر خوان سمیٹنا چاہا۔ مولانا اصغر حسینؒ نے پوچھا "کیا کرنا چاہتے ہو"؟ بتایا "دستر خوان جھاڑنا چاہتا ہوں"۔ پوچھا "دستر خواں جھاڑنا آتا بھی ہے"؟ مفتی صاحب حیران ہوئے کہ اس میں جاننے والی کونسی بات ہے؟ فرمایا "یہ بھی ایک فن ہے"۔ پھر ہڈیوں کو، گوشت لگی ہڈی والی بوٹیوں کو، روٹی کے ٹکڑوں کو، اور چھوٹے چھوٹے ذرات کو الگ الگ کیا۔ پھر ہڈیوں کو ایسی جگہ پھینکا جہاں سے جنات اٹھا سکیں۔ گوشت لگی ہڈیوں کو ایسی جگہ پر ڈالا جہاں بلیاں کھا سکیں۔ روٹی کے ٹکڑوں کو دیوار پر رکھ دیا تاکہ پرندے کھا سکیں۔ چھوٹے چھوٹے ذروں کو ایسی جگہ ڈالا جہاں چیونٹیوں کا بل قریب تھا۔ پھر فرمایا "یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اس کا کوئی حصہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے"۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ہاں ایک عالم مہمان ہوئے۔ انہوں نے پھل پیش کئے فراغت پر اس عالم نے کہا حضرت میں یہ پھلوں کے چھلکے باہر پھینک دیتا ہوں۔ پوچھا "پھینکنے آتے بھی ہیں"؟ انہوں نے کہا "اس میں آنے والی کیا بات ہے"؟ فرمایا "میرے پڑوس میں غرباء رہتے ہیں۔ اگر سب چھلکے ایک جگہ پھینک دیئے تو انہیں دیکھ کر حسرت ہو گی"۔ پس تھوڑے تھوڑے چھلکے متعدد جگہوں پر ڈلوائے تاکہ دیکھنے والے کو احساس بھی نہ ہو۔

11۔ ایک بزرگ اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے کہیں جا رہے تھے اور چنے بھی کھا رہے تھے ایک چنا نیچے گر گیا۔ انہوں نے سواری روکی اور نیچے اتر کر چنا اٹھایا اور کھا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گناہوں کی مغفرت فرما دی کہ اس بندے نے میرے رزق کا ادب کیا ہے۔

12۔ آج کل مشروبات پیتے ہوئے تھوڑا سا مشروب برتن میں بچا دینا فیشن بن گیا ہے یہ تکبر کی علامت اور رزق کی بے ادبی ہے۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے انسان اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے اس کی تھوڑی سی مقدار کی قدر اور تعظیم اس کے ذمہ واجب ہو جاتی ہے۔

آداب لباس:۔ اسلام دین فطرت ہے اس نے ستر پوشی کو دین کا اتنا اہم جز ٹھہرایا ہے کہ بلا مجبوری اس کے بغیر نماز بھی ادا نہیں ہو سکتی۔ لباس پہننے کے تین مقاصد ہوتے ہیں۔

1۔ جسم کو سردی اور گرمی سے بچانا۔ 2۔ انسانی بدن کے جن حصوں پر دوسروں کی نظر نہیں پڑنی چاہیے ان کو چھپانا۔ 3۔ انسانی شخصیت کو زیب و زینت نصیب ہو۔

4۔ مردوں کے لیے ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ اور شریف آزاد عورتوں کے لیے سر کے بالوں سے لے کر ٹخنوں اور گٹوں تک کا حصہ اور لونڈیوں کے لیے گردن، پیٹ اور پیٹھ سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ستر قرار دیا گیا ہے۔ اور ستر کا کسی غیر کے سامنے کھولنا جائز نہیں۔ حتیٰ کہ تنہائی میں بھی بلا ضرورت کھولنا پسندیدہ نہیں۔

ایک روایت میں ہے "کبھی ننگے نہ ہو کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے رہتے ہیں جو برہنگی کے وقت تم سے الگ ہو جاتے ہیں ان سے شرم کرو اور ان کا لحاظ رکھو"۔

1۔ آسائش کا لباس (یہ جائز ہے) 2۔ زیبائش کا لباس (یہ بھی جائز ہے) 3۔ نمائش کا لباس (یہ ناجائز ہے)

مردوں کو ریشم کا لباس نہیں پہننا چاہیے کیونکہ اس سے زنانہ پن کا اظہار ہوتا ہے۔ مردوں کے لیے عورت کا لباس اور عورت کے لیے مردوں کا لباس پہننا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں کی اخلاقی پستی کی دلیل ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنو اور سفید کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن دو (ترمذی)

4۔ مرد یا عورت ایسے باریک کپڑے ہرگز نہ استعمال کریں جن میں سے ستر دکھائی دے۔

5۔ ایسا لباس جس کی طرف بے اختیار لوگوں کی انگلیاں اٹھیں پہننا ٹھیک نہیں خواہ وہ امیروں کی زرق برق پوشاکیں ہوں یا صوفیوں کے گیروے جبے ہوں۔ کیونکہ ایسے کپڑے پہننے والوں کی اصل منشا اپنے کو دوسروں سے ممتاز بنانے کی چھپی خواہش ہے اور یہ ہوس نفس کا کھلا ثبوت ہے۔

6۔ رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "ٹخنے سے نیچے جو تہبند یا پاجامے کا حصہ ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا" - (بخاری)

یہ حکم مردوں کے لیے بھی ہے۔ انہیں تہبند یا پاجامہ اس طرح باندھنا چاہیے کہ ٹخنوں سے اوپر رہے۔ عورتوں کو چاہیے کہ ٹخنے ڈھکے رہیں البتہ اتنا نیچا کپڑا عورتیں بھی نہ پہنیں کہ زمین پر گھسٹتا رہے۔ یہ تکبر کی نشانی ہے۔

7۔ مومن کا لباس کفار کے لباس کے مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔

حدیث پاک میں ہے ''جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہوا''۔ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4031)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ''لباس لباس سے اس وقت مشابہ ہوتا ہے جب دل دل سے مشابہ ہوتا ہے۔ جو لوگ مسنون لباس پہنتے ہیں یہ ان کے قلب میں عشق رسول خاتم النبیین ﷺ راسخ ہونے کی دلیل ہوتی ہے بعض سلف صالحین کا قول ہے ''زہد کی ابتداء لباس سے ہے ''

بشر بن مروان نے کوفہ کے منبر پر خطبہ دیا تو ایک صحابیؓ نے فرمایا ''اپنے امیر کو دیکھو لوگوں کو وعظ کر رہا ہے اور اس پر فساق کا لباس ہے" کسی نے پوچھا فساق کا لباس کیا ہے؟ فرمایا "باریک لباس''۔

حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آئمہ ہدایت پر پابندی لگائی کہ وہ معمولی درجے کا لباس اختیار کریں تا کہ دولت مند اُن کی پیروی کریں اور فقیر کو ان کا فقر شکستہ دل نہ کرے''۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سوت کا موٹا لباس پہنتے تھے ان کی قمیص کی قیمت تین درہم اور پانچ درہم تھی۔

اللہ تعالیٰ سادہ لباس پہننے والے کو پسند کرتا ہے جو اس کی پرواہ نہ کرے کہ کیا پہنا ہے۔ یعنی نفاست اور قرینے میں ڈوبا نہ رہے بلکہ جیسا ملے ویسا پہن لے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''اگر تو مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو اغنیاء کی ہم نشینی سے بچتی رہنا اور اس وقت تک کپڑا نہ اتارنا جب تک اسے پیوند نہ لگے''۔ (جامع ترمذی، حدیث نمبر 1780)

آداب ملاقات:- دنیا کی تمام قوموں میں ملاقات کے وقت خوشی اور محبت ظاہر کرنے کے لیے کچھ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اسلام میں پہلے پہل عربوں میں ملاقات کے وقت (تمہاری صبح خوشگوار ہو کے الفاظ کہنے کا دستور تھا۔ اہل فارس ہزار سال جیو کا فقرہ کہتے تھے۔ یورپ میں گڈ مارننگ (اچھی صبح) یا گڈ ایوننگ (اچھی شام) وغیرہ کہنے کا رواج تھا۔ مگر اسلام نے ان سب کے بجائے اسلام علیکم کے الفاظ کہنے کی تعلیم دی۔ اس میں مندرجہ ذیل مصلحتیں ہیں۔

1۔ یہ تمام انبیائے کرام کا متفقہ طریقہ ہے۔ 2۔ اس کی صورت ذکر و دعا کی ہے۔ 3۔ اس میں مذہبی شان زیادہ پائی جاتی ہے۔

4۔ اس کی سلامتی وہ ہے جو اللہ کی طرف سے بندوں پر نازل ہوتی ہے۔ 5۔ دنیا میں ایک انسان دوسرے کو سب سے بہتر دعا یہی دے سکتا ہے کہ تم پر سلامتی ہو۔

6۔ یہ الفاظ مسلمانوں کے درمیان آپس کی پہچان اور علامت ہیں۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے سلام کرنے کے بارے میں فرمایا:

1۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرے۔ (بخاری)

2۔ ہر سوار پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑی تعداد والے بڑی جماعت کو اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (بخاری)

3۔ بات کرنے سے پہلے سلام کیا جائے۔ (ترمذی)

4۔ یہود و نصاریٰ کو سلام نہ کرو۔ (مسلم)

5۔ گھر میں داخل ہو کر گھر والوں کو سلام کرو۔(ترمذی)

6۔ گھر سے رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرو۔(بیہقی)

7۔ اللہ کے قریب وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔(بخاری)

کسی گھر میں داخل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ باہر سے سلام کر کے کہے کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ اگر تین مرتبہ ایسا کہنے کے باوجود اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔(ابوداؤد)

آداب مجلس:۔ نشست و برخاست کے چند آداب ہیں۔

1۔ مجلس میں جہاں تک نشت کا دائرہ پہنچ چکا ہو بے تکلف وہاں جگہ ملنے پر بیٹھ جانا چاہیے۔مجمع کو چیر کر آگے جانے کی کوشش نہ کرے اس سے پہلے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔مزید براں ایسا کرنا غرور اور تکبر کی علامت ہے۔جمعہ کی جماعت میں بالخصوص دوسروں کی گردنوں کو روند کر آگے بڑھنے کی حدیث میں ممانعت کی گئی ہے۔

2۔ مجلس میں اگر لوگ بیٹھے ہیں اور جگہ موجود ہے تو ایسی جگہ پر بیٹھ جانا چاہیے خوامخواہ کھڑے رہنا منع ہے۔(ابوداؤد)

3۔ اگر مجلس میں کچھ لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوئے ہیں تو کسی کو بھی اس حلقے کے وسط میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔اس حالت میں کچھ لوگوں کی طرف منہ ہوگا اور کچھ لوگوں کی طرف پیٹھ ہو جائے گی۔ایسے شخص پر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

4۔ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہیں بیٹھنا چاہیے۔

5۔ بیٹھنے والوں کو آنے والے کے لیے جگہ کشادہ کرنی چاہیے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:(سورہ مجادلہ،آیت نمبر 11)

ترجمہ:''اے لوگو ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کر لیا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی کرے گا اور کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو''۔

6۔ جب کوئی مسلمان بھائی تمہارے پاس آئے تو جگہ نہ ہونے کے باوجود اس کے اکرام میں ذرا سا کھسک جاؤ۔(بیہقی)

عورتیں بھی اس کا خیال رکھیں کہ جب کوئی عورت آئے تو اس کے لیے اپنی جگہ سے ذرا سا کھسک جائیں۔

7۔ جب مجلس میں تین آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کیونکہ اس سے تیسرے کو رنج ہوگا(بخاری)

کسی ایسی زبان میں باتیں کرنا،جس کو تیسرا آدمی نہیں جانتا وہ بھی اسی حکم میں ہے۔

8۔ انسان پر سب سے زیادہ اثر صحبت کا پڑتا ہے۔اس لیے ہمیشہ نیک لوگوں سے مجلس رکھنی چاہیے۔حدیث میں ہے کہ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے''۔اس لیے ہر شخص کو دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی رکھتا ہے۔

9۔ ہر چیز کا سردار ہوتا ہے اور مجلسوں کی سردار مجلس وہ ہے جس میں قبلہ رخ ہو کر بیٹھا جائے۔

آداب گفتگو:۔ انسانی شخصیت کا پہلا اندازہ چہرے کو دیکھنے سے ہوتا ہے اور دوسرا حتمی اندازہ اس کی گفتگو سے ہوتا ہے۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں

ترجمہ:''آدمی اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوا ہوتا ہے''۔

1۔ بعض حکما کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبان میں کوئی ہڈی نہیں رکھی تا کہ نرم رہے اور اس سے نرمی سے گفتگو کی جائے۔ایک بزرگ کسی نوجوان سے سخت ناراض ہوئے اور اسے سخت سست کہنے لگے۔اس نوجوان نے کہا حضور نرمی فرمائیں۔پروردگار عالم نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے پاس بھیجا تو حکم دیا تھا کہ بات نرمی سے کرنا۔

سورہ طٰہٰ،آیت نمبر 44 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ:''تم ان سے نرم بات کرنا''۔

2۔ حدیث پاک میں آیا ہے "اللہ تعالیٰ نرمی پر جو رحمتیں نازل فرماتا ہے وہ سختی پر نہیں فرماتا"۔(صحیح مسلم)

سورۃ البقرہ آیت نمبر 83 میں ارشادی باری تعالیٰ ھے: **وقولو اللناس حسنا** ترجمہ:''لوگوں سے اچھی بات کہو''۔

یعنی ایسی بات نہ کی جائے جس میں طعن ہو یا جس میں دوسرے کی تحقیر ہو۔

3۔ قرآن پاک سورہ الاحزاب،آیت نمبر 71,70 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ:''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو سنوار دے گا اور گناہ معاف کر دے گا''۔

4۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نرم معقول اور دل جوئی کی بات کرنا صدقہ کے برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ، آیت نمبر 263 میں فرماتا ہے: ترجمہ: ''نیک بات کہنا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دل آزاری ہو''۔

5۔ گفتگو آہستہ آہستہ اور مناسب آواز سے کی جائے۔ بے موقعہ چیخ چیخ کر باتیں کرنا حماقت اور جہالت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ لقمان، آیت نمبر 19 میں فرماتا ہے: ترجمہ: ''اور اپنی آواز پست کر کہ سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی آواز ہے"۔

6۔ فضول باتوں سے پرہیز کرنا وقار کی نشانی ہے۔

قرآن پاک میں مومنین کے ایک صفت یہ بھی بتائی ہے کہ (سورۃ المؤمنون، آیت نمبر 3)　　وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝

ترجمہ: ''اور جو لغو (بے ہودہ) باتوں سے اعتراض کرتے ہیں''۔

7۔ سورہ ق آیت نمبر 18 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:　　ترجمہ: ''آدمی کوئی لفظ نہیں بولتا مگر ایک نگران اس پر حاضر رہتا ہے''۔

آدمی کی اسلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز سے اس کو مطلب نہ ہو اس پر توجہ نہ دے۔

8۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے سورہ الفرقان آیت نمبر 63　　ترجمہ: ''جب ناسمجھ ان کو خطاب کریں تو وہ جواب میں سلامتی کی بات کریں''۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''بعض اوقات ایک بات سے اللہ تعالیٰ کی تا قیامت خوشنودی حاصل ہوتی ہے یا پھر تا قیامت ناراضگی ہاتھ آتی ہے''۔ (موطا امام مالک)

9۔ حدیث پاک میں ہے ''نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب کوئی بات کہتے تو تین بار اس کا اعادہ فرماتے تھے''۔ (ابوداؤد)

10۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کا کلام واضح ہوتا تھا ہر سننے والا اس کو سمجھ لیتا تھا۔''

11۔ سلف صالحین کا قول ہے: ترجمہ: ''بہتر کلام وہ ہے جو تھوڑا ہو مدلل ہو اور مخاطب کو ناگوار نہ ہو''۔

12۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص انداز گفتگو میں اس لیے ادل بدل کرتا ہے کہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنائے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا فدیہ اور توبہ قبول نہ کرے گا ''۔ (ابوداؤد)

چلنے پھرنے کے آداب

1۔ متانت اور خاکساری کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سورہ الفرقان آیت نمبر 63 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں''۔

2۔ اکڑ کر چلنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ سورہ لقمان آیت نمبر 18 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''زمین پر اکڑ کر نہ چل بے شک اللہ تعالیٰ مغرور اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

دوسری جگہ بنی اسرائیل آیت نمبر 37 میں فرمان الٰہی ہے:-

ترجمہ: ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ بے شک نہ تو تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ اونچائی میں پہاڑوں تک پہنچ سکتا ہے''۔

3۔ راستے میں ادھر ادھر تاک جھانک سے منع فرمایا گیا ہے۔ سورہ نور آیت نمبر 30 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''اور ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں''۔

4۔ عورتوں کے لیے حکم ہوا: (سورہ نور، آیت نمبر 31)

ترجمہ: ''اور (عورتیں چلنے میں) پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ (لوگوں کو) ان کے اندرونی زیور کی خبر ہو''۔

5۔ شریف عورت جب گھر سے باہر نکلے تو کسی بڑی چادر یا برقعہ میں اپنا سارا جسم چھپالے۔

سورہ الاحزاب آیت نمبر 59 میں ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ''اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (مونہوں) پر چادر لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔ یہ امر ان کے لئے موجب شناخت (و امتیاز) ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے''

6۔ عورت خوشبو لگا کر بازار میں نہ نکلے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔

7۔ راستے میں چلتے ہوئے ادب اور وقار کا خیال رکھا جائے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اگر مسجد میں تکبیر ہو رہی ہو یا نماز کھڑی ہو چکی ہو تو بھی دوڑ کر اس میں شامل نہ ہوں بلکہ متانت اور وقار کے ساتھ آ کر جماعت میں ملیں" (مسلم)

8۔ گلی کوچوں میں طہارت اور پاکیزگی کی نیت سے پاؤں میں جوتے پہنے جائیں۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اکثر جوتے پہنو کیوں کہ جوتے پہننے والا بھی ایک طرح کا سوار ہوتا ہے"۔ (ابوداؤد)

آداب سفر:۔ مثل مشہور ہے "سفر وسیلہ ظفر ہے"۔

1۔ سفر کے وقت مسافر کو رخصت کرنا اور خیر و عافیت کی کوئی دعا دینی چاہیے۔ جیسے فی امان اللہ۔

2۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ مجاہدین کو رخصت کرتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے

ترجمہ: ''میں تمہارے دین، امانت اور خاتمہ عمل کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں"۔

3۔ سفر میں اپنے ساتھ سفر کرنے والوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

4۔ اگر کوئی معزز اور محبوب شخص سفر سے آئے تو اس کا استقبال کرنا چاہیے۔ (ابوداؤد)

5۔ جب سفر سے واپس گھر آئیں تو آنے سے پہلے گھر والوں کو مطلع کر دینا بہتر ہے۔ کچھ لوگ اچانک پہنچ کر اپنی طرف سے ''سرپرائز'' دینا چاہتے ہیں۔ اسلام میں اس کی ممانعت فرما دی گئی ہے۔

واقعہ: ایک صاحب جو کہ امریکہ میں رہتے تھے کئی سال کے بعد واپس گھر آنے کا پروگرام بنایا۔ شیطان نے ان کے دل میں یہ تجویز ڈالی کہ اہل خانہ کو اطلاع نہ دو اچانک پہنچ کر حیران کر دو۔ چنانچہ انہوں نے چھٹی لی جہاز کا ٹکٹ لیا اور پاکستان پہنچ گئے۔ اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے استقبال کے لیے کوئی آیا ہی نہیں تھا ان صاحب نے ٹیکسی کرایہ پر لی۔ اہل خانہ کے لیے بہت سے تحفے وغیرہ ساتھ لائے تھے گھر شہر سے دور تھا۔ سامان کافی زیادہ تھا، انہیں اکیلا دیکھ کر اور اتنا سارا سامان دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور کی نیت خراب ہو گئی۔ چنانچہ ٹیکسی ویرانے میں لے گیا اور ایک جگہ اتر کر اس کو قتل کر دیا اور لاش زمین میں دفن کر دی۔ جب کئی ماہ گزر گئے تو دفتر والوں نے گھر والوں سے رابطہ کیا اور گھر والوں نے اپنی پریشانی بتائی کہ اتنے عرصے سے ان سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہو رہا کہ کیسے ہیں؟ دوستوں نے اہل خانہ کو بتایا کہ وہ تو پاکستان فلاں تاریخ کو چھٹی پر چلے گئے تھے۔ تب چھان بین شروع کی ایک ہنگامہ برپا ہوا لیکن کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ کاش کہ وہ اسلامی آداب سفر کا خیال کرتے تو اہل خانہ کو غم کی بجائے خوشیاں نصیب ہوتیں۔

آداب خواب:۔ انسان کی نیند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

سورہ روم، آیت نمبر 23 میں فرمان الٰہی ہے:　　ترجمہ: ''اور (اللہ تعالیٰ) کی نشانیوں میں سے ایک تمہارا رات کے وقت سونا ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: (سورہ النبا، آیت نمبر 11)　　ترجمہ: ''اور دن کو کاروبار کا ذریعہ بنایا''۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیند کے لیے رات کا وقت ہے اور کاروبار زندگی کے لیے دن کا وقت آج کل لوگوں نے دن کو رات اور رات کو دن بنا دیا ہے جبکہ قلب سلیم رکھنے والے لوگ رات کا کچھ حصہ آرام میں اور آخری حصہ یاد الٰہی میں گزارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سورہ الذریٰت آیت نمبر 17 میں فرمایا ہے:

ترجمہ: '' تھے وہ رات کو تھوڑا سونے والے"۔

لیٹنے اور سونے کے متعلق چند آداب

1۔ سوتے وقت گھر کا دروازہ بند کر لینا چاہیے اور کھانے پینے کی چیزوں کا ڈھانپ دینا چاہیے۔

2۔ حدیث پاک میں ہے ''بلاشبہ آگ تمہاری دشمن ہے لہٰذا جب سونے لگو تو اس کو بجھا دو''۔ (بخاری)

3۔ ایک اور حدیث پاک ہے ''جب تم سونے لگو تو چراغ بجھا دو''۔ (بخاری)

4۔ نماز عشاء پڑھنے سے پہلے سو جانا غفلت کی نشانی ہے۔ نماز عشاء پڑھ کر فضول باتیں نہیں کرنی چاہیں اور ضروری کاموں سے فارغ ہو کر جلدی سو جانا چاہیے۔ (ابوداؤد)

5۔ جب بستر پر جائیں تو اسے جھاڑ لینا چاہیے۔ پھر داہنی کروٹ لیٹ جانا چاہیے۔

6۔ سوتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے: اللھم باسمک اموت و احیٰ ترجمہ: ’’اے اللہ تیرے نام سے جیتا اور مرتا ہوں"۔

7۔ سوتے وقت دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیں (بخاری)

8- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہر رات جب بستر پر آرام فرماتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر قل ھو اللہ أحد، قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس (تینوں سورتیں مکمل) پڑھ کر ان پر پھونکتے اور پھر دونوں ہتھیلیوں کو جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر پھیرتے تھے۔ پہلے سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیرتے اور سامنے کے بدن پر۔ یہ عمل آپ خاتم النبیین ﷺ تین دفعہ کرتے تھے۔ (بخاری، حدیث نمبر 5017)

9۔ حدیث پاک میں ہے "اس طرح نہ لیٹو کہ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا ہو"۔ (مسلم)

10۔ حدیث پاک میں ہے "اوندھا ہو کر لیٹنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے"۔ (یہ شیطان کا لیٹنا ہے)

11۔ دوپہر کے قیلولہ سے تہجد کے وقت جاگنے میں آسانی ہوتی ہے۔

12۔ جاگتے وقت یہ دعا پڑھیں۔ الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا و الیہ النشور

ترجمہ: ’’ اس اللہ ہی کے لیے حمد ہے جس نے مرنے کے بعد مجھے زندہ کیا اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

13۔ حدیث پاک میں ہے "جب کوئی اچھا خواب دیکھو تو اسے اُس سے بیان کرو جو تم سے محبت کرتا ہے"۔ (بخاری)

14۔ جب برا خواب دیکھو تو تین بار بائیں طرف تھتکار دو اور کسی سے بیان نہ کرو۔ پھر تین بار آعوذ باللہ من الشطین الرحیم پڑھو۔ پھر اس خواب کے شر سے پناہ مانگو تو یہ خواب کبھی نقصان نہ دے گا۔

چھینک اور جمائی کے آداب

1۔ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ "الحمد للہ" کہے اور سننے والا جواب میں "یرحمک اللہ" کہے۔ (بخاری)

حضرت شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ چھینک میں شفا ہے کیونکہ ہمارے دماغ میں ہوا جمع ہوتی رہتی ہے جو کہ سر درد کا باعث ہوتی ہے۔ اگر یہ ہوا موجود رہے تو دماغی کیفیت ٹھیک نہیں رہتی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دماغی بخارات کو نکالنے کے لیے ایک قدرتی پریشر کا انتظام کیا ہے جس سے یہ بخارات دماغ سے نکل جاتے ہیں اور انسان ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔ اس لیے جب چھینک آتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ موت سے 40 دن پہلے چھینک نہیں آتی۔

2۔ جمائی شیطان کی جانب سے ہوتی ہے جب یہ آئے تو منہ پر ہاتھ رکھیں اور دانتوں پر دانت جما کر اس کو روکیں۔ جب کوئی شخص منہ پر ہاتھ نہیں رکھتا اور منہ پھاڑ کر جماعی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے اور بعض اوقات شیطان مکھی یا مچھر وغیرہ کو اس کے منہ میں داخل کر دیتا ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’جب تم کو جماعی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھ لو اور جماعی کو روک دو اگر ایسا نہ کرو گے تو شیطان منہ کے اندر داخل ہو جائے گا‘‘۔ (مسلم)

طہارت کے آداب:- اسلام ایسے ملک میں ظاہر ہوا جہاں پانی نسبتاً کم تھا۔ پھر بھی اسلام نے طہارت کو نصف ایمان قرار دیا۔ یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ تہذیب اور شائستگی کی باتوں میں سب سے زیادہ اہم چیز طہارت ہے۔

1۔ قرآن پاک سورہ مائدہ آیت نمبر 6 میں آیا ہے کہ ترجمہ: ’’اگر تم ناپاک ہو تو غسل کر لو‘‘۔

2۔ سورہ مدثر آیت نمبر 4 میں فرمایا ترجمہ: ’’اپنے کپڑوں کو پاک رکھو‘‘۔

3۔ اگر پانی میسر نہیں ہے تو فرمایا (سورہ مائدہ آیت نمبر 6) ترجمہ: ’’تو پاک مٹی سے تیمم کرلو‘

وضو کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمان الٰہی ہے (سورہ مائدہ آیت نمبر 6)

ترجمہ: ’’جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے اور بازوؤں کو کہنیوں تک دھولو۔ اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں دھولو"۔

یہ یقینی بات ہے کہ کوئی غیر مسلم دن میں پانچ مرتبہ اپنا چہرہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ نہیں ٹخنوں تک دھوتا۔

4۔ جمعہ کے دن غسل کو سنت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک سورہ بقرہ آیت نمبر 222 میں فرمان الٰہی ہے۔

ترجمہ: ’’اور اللہ تعالیٰ طہارت کرنے والوں سے محبت کرتا ہے‘‘۔

5۔ دانتوں کی صفائی کے لیے مسواک کرنا سنت ہے۔

6۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا جائز نہیں۔فرمایا''پانی میں پیشاب نہ کریں''(بخاری)

7۔ ''غسل کی جگہ پر پیشاب نہ کریں اس سے اکثر وسوسے پیدا ہوتے ہیں''۔(ترمذی)،اِس سے حافظہ خراب ہوجاتا ہے۔

8۔ ''کسی سوراخ میں پیشاب نہ کریں''۔(ابوداؤد)

9۔ کھڑے ہوکر پیشاب نہ کریں۔

10۔ ''بڑا استنجا تین ڈھیلوں سے کرو''۔(مسلم)

''ڈھیلوں کے بعد پانی سے دھولو''۔(ابن ماجہ)

11۔ ''کوئلہ شیشہ گوبر اور ہڈیوں سے استنجا نہ کرو''۔(ترمذی)

12۔ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت دعا کرو : **اللھم انی اعوذبک من الخبث و الخبائث**

13۔ ترمذی شریف میں ہے کہ بسم اللہ پڑھنے کے بعد بیت الخلاء میں جائیں کیونکہ بسم اللہ جنات کی آنکھوں اور انسان کی شرم کی جگہ کے درمیان آڑ ہے۔

14۔ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ جمعہ کے دن مسلمانوں پر غسل کرنا، کپڑے بدلنا،عطر لگانا، تیل لگانا، ناخن کاٹنا مستحب ہے، کچھ فقہائے حدیث نے اِس کو واجب قرار دیا ہے۔

15۔ جہاں پانی کی بہتات ہو وہاں صفائی کی نیت سے روزانہ نہالے تو جائز ہے۔

عورتوں کے لیے مخصوص آداب:-

1۔ رستے میں الگ ہوکر چلیں، کنارے پر چلیں۔

2۔ بجنے والا زیور نہ پہنیں۔

3۔ جو عورت شان دیکھانے کے لیے سونے کا زیور پہنے گی تو اس کو عذاب ہوگا۔(ابوداؤد)

4۔ چاندی کے زیور سے کام چلانا بہتر ہے۔

5۔ باریک کپڑے نہ استعمال کریں۔اس کے نیچے استر لگائیں۔

6۔ عورتیں مردوں کی شکل اختیار نہ کریں۔ایسی عورتوں پر اللہ تعالی کی لعنت ہے۔(بخاری)

7۔ کوئی عورت ہرگز کسی نامحرم کے ساتھ سفر نہ کرے۔(بخاری)

8۔ عورتیں ایام حیض میں مقدس مقامات مثلاً مسجد میں نہیں جاسکتیں۔قرآن پاک کو نہیں چھوسکتیں۔تاہم وہ کسی اور چیز کو چھولیں تو وہ ناپاک نہیں ہوتی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں "جب آپ خاتم النبیین ﷺ دولت کدہ پر تشریف فرما ہوتے تو میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے سر میں کنگھی کرتی تھی حالانکہ میں مخصوص ایام سے گزر رہی ہوتی تھی لیکن آپ خاتم النبیین ﷺ میرے مخصوص ایام کی وجہ سے کراہت محسوس نہیں فرماتے تھے"۔اسی طرح وہ فرماتی ہیں "مخصوص ایام میں بھی آپ خاتم النبیین ﷺ میری گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر آرام فرماتے تھے"۔(مسلم)۔

****

اسلام میں مردوں اورعورتوں میں برابری کی نوعیت کیا ہے؟

مغربی ذرائع ابلاغ اسلام میں خواتین کے بارے میں بڑا واویلا کرتے ہیں اگر ہم اسلام میں خواتین کے حقوق کے بارے میں مغربی میڈیا کی پیش کردہ تصویر سے متفق ہوجاتے ہیں تو پھر ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ یہ مان لیں کہ خواتین کے حقوق اس عہد میں متروک (ختم) ہو چکے ہیں۔مغربی دنیا میں عورت کی آزادی کا بڑا چرچا ہے جو دراصل اس کے جسم کے استحصال کی ایک شکل ہے۔جسے ایک نئے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔جو اسے احترام سے محروم کرتا ہے اور اس کی روح کے درجے کو پست کرتا ہے۔مغربی معاشرہ کا دعویٰ ہے کہ اس نے خواتین کے مقام کو بلند کیا ہے۔جبکہ اس نے دراصل خواتین کے مقام کو داشاؤں اور باندیوں کے مقام تک گرادیا ہے۔عورت مغربی معاشرے میں شمع محفل اور مرد کی تسکین کا ذریعہ ہے۔اسلام مردوں اور عورتوں میں برابری میں یقین رکھتا ہے۔مگر برابری کا مطلب یکسانیت یا ایک جیسا ہونا نہیں ہے۔اسلام میں عورت اور مرد کا کردار مکمل ہے یہ باہم متصادم نہیں ہے۔یہ ایک طرح سے شراکت ہے۔ایک دوسرے کے برعکس نہیں ہے کہ فوقیت کی کوشش کی جاسکے۔

اسلام میں جہاں تک خواتین کے حقوق کا سوال ہے۔اس کی چھ بڑی قسمیں ہیں:

1۔ روحانی حقوق 2۔ معاشی حقوق 3۔ سماجی حقوق 4۔ تعلیمی حقوق 5۔ قانونی حقوق 6- سیاسی حقوق

1- روحانی حقوق:- سورہ النساء آیت نمبر 124:

ترجمہ:''جو ایمان والا ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا''۔

سورہ النحل آیت نمبر 97 میں کہا گیا ہے:

ترجمہ:"جو شخص نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت لیکن ایمان والا ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا کریں گے اور ان کے اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے''۔ایسا اس لیے ہے کہ اسلام میں جنس معیار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر 11 میں فرماتا ہے:

ترجمہ:''وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے''۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں فیصلہ کرنے کا معیار تقویٰ ہے-

سورہ الحجرات کی آیت نمبر 13 میں ہے:

ترجمہ:"اے لوگو،ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عوت سے پیدا کیا اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔کنبے اور قبیلے بنادیئے۔بیشک اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ (ڈرنے والا) پرہیزگار (یعنی تقویٰ والا) ہو''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کے روحانی فرائض ایک ہیں۔دونوں اللہ پر ایمان لاتے اور عبادت کرتے ہیں اور فرائض کی پابندی کرتے ہیں۔

2- معاشی حقوق:- اسلام نے مغرب سے 1300 برس قبل خواتین کو معاشی حقوق دیئے۔ایک نابالغ مسلمان عورت جائیداد رکھ سکتی ہے اسے بیچ سکتی ہے اور بغیر کسی کی مرضی کے یا مشورے کے اپنی جائیداد سے دستبردار ہوسکتی ہے۔خواہ وہ شادی شدہ ہو یا کنواری۔اسلام میں عورت کو اس بات کی اجازت ہے کہ اگر وہ ملازمت کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔قرآن وحدیث میں کہیں نہیں آیا کہ عورت ملازمت نہ کرے۔تاوقت کہ یہ غیر قانونی نہ ہو۔اور یہ کام اسلام میں شریعت کے دائرے میں آتا ہو۔اور عورت اسلامی لباس کی پابندی کررہی ہو۔لیکن اسلام میں عورت ایسی ملازمت نہیں کرسکتی جس میں اس کے جسم،حسن اور خوبصورتی کی نمائش ہوتی ہو۔مثال کے طور پر ماڈلنگ،فلموں میں اداکاری اور ایسی ہی دوسری ملازمتیں۔بہت سے ایسے پیشے اور ملازمتیں ہیں جو مرد اور عورت دونوں کے لیے غیر اخلاقی کاروبار ہیں ایک اسلامی معاشرہ عورت سے تقاضا کرتا ہے کہ اس قسم کا پیشہ اختیار کرے۔جیسے ڈاکٹرز،نرسز،ٹیچرز وغیرہ۔

خاندانی مالی ذمہ داری کا بوجھ مرد کے کندھوں پر ہوتا ہے۔جب مالی بحران ہو اور گزارہ مشکل ہوجائے تو عورت کے پاس کام کرنے کا دروازہ کھلا ہے۔یہاں بھی کوئی اسے کام کرنے کے لئے مجبور نہیں کرسکتا۔وہ اپنی مرضی اور خوشی سے ملازمت کرسکتی ہے۔عورت گھر میں کام کرسکتی ہے،کپڑے سی سکتی ہے،کشیدہ کاری کرسکتی ہے۔ظروف سازی اور ٹوکریاں بناسکتی ہے۔وہ ایسی صنعتوں میں کام کرسکتی ہے جہاں صرف عورتیں ہوں۔وہ جگہ جہاں مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ سیکشن ہوں۔کیونکہ اسلام

مردوں اورعورتوں کے مخلوط اجتماعات پر پابندی لگاتا ہے۔عورت تجارت بھی کرسکتی ہے۔وہ اپنے خاوند، بھائی، باپ، بیٹے کے ساتھ مل کر کام کرسکتی ہے۔

اس کی بہترین مثال حضرت خدیجہؓ ہیں جو تاجر خاتون تھیں اور لین دین کے معاملے میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی مدد لیا کرتیں تھیں۔ پھر اگر عورت ملازمت کرتی ہے تو وہ جو کچھ کماتی ہے وہ اس کی ذاتی ملکیت ہے۔اسے ان پیسوں میں سے گھر کے اخراجات میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ بیوی خواہ کتنی ہی امیر کیوں نہ ہو۔اس کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنے کی ذمہ داری اس کے شوہر کی ہے۔طلاق کی صورت میں یا عورت اگر بیوہ ہوجائے تو اس صورت میں اس کو مالی سہارا دینا ضروری ہے۔اور اگر اسکے بچے بھی ہیں تو ان بچوں کی بھی مالی امداد کی جائے۔

3- سماجی حقوق:-

بیٹی، بیوی، ماں، بہن کو دیئے گئے حقوق:

بیٹی کے حقوق:- اسلام سے پہلے شیر خوار بچیوں کو زندہ گاڑھ دیا جاتا تھا۔اسلام میں شیر خوار بچیوں کو مار ڈالنے کی ممانعت فرمائی گئی۔لیکن اب بھی انڈیا میں مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ ہے۔اس لیے کہ انڈیا میں ہر روز 3000 سے زیادہ عورتیں حمل گروا دیتی ہیں۔یعنی جب الٹرساؤنڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی ہے تو حمل گروا دیا جاتا ہے۔کچھ جگہوں پر بڑے بڑے اشہارات لگائے جاتے ہیں۔500 روپے خرچ کرو اور 5 لاکھ روپے بچاؤ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ 500 روپے خرچ کر کے طبی معائنہ کروائیں الٹراساؤنڈ کروائیں اور لڑکی کا حمل گروا کر 5 لاکھ روپے بچائیں۔یعنی 2 لاکھ روپے پرورش پر خرچ ہونگے اور 3 لاکھ روپے جہیز پر۔جبکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ بیٹی کی پیدائش پر بھی خوشیاں مناؤ۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص دو بیٹیوں کو اچھی طرح پالتا ہے، ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا ہے، ان کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔اسلام میں بیٹی اور بیٹے کی پیدائش اور پرورش میں کسی طرح کا فرق رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

بیوی کے حقوق:- زمانہ قدیم کی تمام تہذیبوں میں عورت کو "شیطان کی آلہ کار" تصور کیا جاتا تھا مگر قرآن کریم نے عورت کو محسنہ کہا جس کا مطلب ہے شیطان کے خلاف قلعہ۔اس لیے کہ ایک اچھی عورت مرد کو غلط راستوں پر جانے سے روکتی ہے اور اسے صراط مستقیم پر رکھتی ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے نوجوان مردوں کو حکم دیا کہ "وہ نوجوان جو وسائل رکھتے ہیں وہ ضرور شادی کریں۔اس لیے کہ اس سے ان کو نگاہیں نیچے رکھنے اور شرم و حیا کی حفاظت کرنے میں مدد ملے گی"۔ (صحیح بخاری، جلد چہارم، باب 3، حدیث نمبر 4)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "جو کوئی بھی شادی کرتا ہے وہ اپنا نصف دین مکمل کرلیتا ہے"۔(مشکوۃ) یعنی بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

سورۃ النساء کی آیت 19 میں ہے: ترجمہ: "اے ایمان والو تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ شادی کے لئے عورت اور مرد کی رضامندی ضروری ہے۔

ایک خاتون کو اس کے والد نے اس کی مرضی کے خلاف شادی پر مجبور کیا۔وہ خاتون حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس چلی گئی۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس شادی کو ناجائز قرار دیا" اس کا مطلب یہ ہوا کہ شادی سے پہلے مرد اور عورت کی رضامندی ضروری ہے۔اسلام میں عورت کی شادی کسی آقا سے نہیں ہوتی کہ اس کے ساتھ وہ غلام یا باندی کا سا سلوک کرے۔اس نے برابری کی سطح پر ایک مرد سے شادی کی ہوتی ہے۔(صحیح بخاری)

"مسلمانوں میں سب سے اچھے وہ ہیں جو کردار اور برتاؤ میں اچھے ہیں۔اور اپنے اہل خانہ اور بیویوں سے حسن سلوک کرتے ہیں"۔(احمد بن حنبل)

سورۃ البقرہ آیت نمبر 228

ترجمہ: "اور عورتوں کا حق بھی ایسا ہی ہے جیسا اُن پر (مردوں کا حق) ہے۔شرع کے موافق اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے"۔

جسٹس ایم۔ایم قاضی صاحب کا کہنا ہے کہ یہاں مسلمانوں نے اس آیت کو غلط سمجھا ہے۔جب ان سے کہا گیا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

سورہ النساء، آیت نمبر 34 میں فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: "مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں"۔

لوگوں کا یہ کہنا کہ قوام کا مطلب ہے درجہ بندی میں ایک درجہ اوپر لیکن دراصل قوام کا مادہ ہے اقامہ جس کے معنی ہیں کھڑے ہوجانا۔ پس قوام کا مطلب ہوا ذمہ داری میں ایک درجہ بلند ابن کثیر میں بھی لفظ قوام کا یہی مطلب بتایا گیا ہے کہ ذمہ داری میں ایک درجہ اوپر نہ کے حاکمیت میں۔ اور یہ ذمہ داری خاوند اور بیوی کی باہمی رضا مندی سے پوری کی جاتی ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر 187 میں ارشاد ہوا ہے:

ترجمہ: ''تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس''۔

لباس سے کیا مراد ہے؟ اسے ستر پوشی اور جسم کو چھپانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ خاوند اور بیوی کو ایک دوسرے کے عیوب اور کمزوریوں کی پردہ پوشی کرنے کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ انہیں چاہیے کہ ایک دوسرے کو خوبصورت بنائیں۔ یہ دست اور دستانہ کا رشتہ ہے۔

قرآن پاک میں ہے کہ اگر تمہیں تمہاری بیویاں پسند نہ ہوں تب بھی ان سے مہربانی سے پیش آؤ۔

سوراالنساء کی آیت نمبر 19 میں ہے:

ترجمہ: ''ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھی ہو۔''

اسلام میں بیوی کے حقوق خاوند کے حقوق کے برابر ہیں۔

ماں کے حقوق:- ماں کے ادب واحترام سے بالاتر صرف ایک شے ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت۔

سورہ انعام آیت نمبر 151 میں حکم باری تعالیٰ ہے:　　ترجمہ: ''اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو''

سورہ لقمان آیت نمبر 14 میں بھی بات یوں فرمائی گئی ہے۔

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے۔ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہوئی''۔

یہی بات سورہ الاحقاف کی آیت نمبر 15 میں یوں بیان کی:

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا''

حدیث میں ہے:　　ترجمہ: ''جنت ماں کے قدموں میں ہے''۔ (مشکوۃ المصابیح، بیہقی، نسائی)

ایک شخص حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا "اس دنیا میں سب سے زیادہ میری محبت، میری رفاقت اور ادب واحترام کی کِسے ضرورت ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تمہاری ماں"، اس نے پوچھا "پھر اس کے بعد کون"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تمہاری ماں"، اس نے کہا "یا حضرت اس کے بعد کون"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تمہارا باپ"۔ (بخاری جلد ہشتم باب 8 حدیث نمبر 12، صحیح مسلم)

پس محبت اور پیار کا 75% تو ماں کے حصہ میں چلا گیا۔ اور 25% باپ کے لیے رہ گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سونے چاندی اور کانسی کے تمغے تو ماں جیت لیتی ہے اور باپ کو صرف حوصلہ افزائی کا انعام ملتا ہے۔

بہن کے حقوق: سورہ توبہ کی آیت نمبر 71 میں ارشاد ہوا ہے:　　ترجمہ ''مومن مرد اور عورت آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں''۔

معاون اور دوست ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بھائی بہنوں کو آپس میں محبت اور مددگاری کے جذبات رکھنے چاہییں۔

4- تعلیمی حقوق:- قرآن پاک میں جو پہلی 5 آیات سورہ علق کی نازل ہوئی ہیں:

ترجمہ: ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے، تو پڑھ تیرا رب کرم کرنے والا ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا''۔

قرآن پاک نے بنی نوع انسان کو جو پہلی راہنمائی فراہم کی وہ عبادت نہیں تعلیم تھی۔ اسلام تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے بیٹیوں کو مذہبی تعلیم دینے کی تاکید فرمائی۔ صحیح بخاری کے مطابق جو عورتیں تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند تھیں۔ انہیں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک خاص دن تعلیم حاصل کرنے کے لئے دیا تھا اور اگر آپ خاتم النبیین ﷺ اس خاص دن میں عورتوں کے پاس تعلیم دینے نہ جاسکتے تو صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو وہاں بھیج دیتے تھے۔

ذرا غور کریں جس زمانے میں عورت کو اِملاک سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اُس دور میں عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی تھی۔ ہمارے ہاں بہت سی

مسلمان عالمات کے نام مشہور ہیں ان میں سے بہترین حضرت عائشہؓ ، جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔انہوں نے صحابہ کرامؓ اور خلفاء کی راہنمائی کی۔ان کی مشہور طالبہ کا نام اروی ؓ بنت زبیرؓ تھا وہ کہا کرتیں تھیں کہ انہوں نے قرآن فہمی ،احکامات کی پیروی،قانون کی پابندی،ادب ،شاعری اور تاریخ عرب میں حضرت عائشہؓ سے بڑی شاعرہ کوئی نہیں دیکھی ۔وہ صرف مذہبی میدان میں ہی ماہر نہیں تھیں بلکہ ادب کا بھی گہرا علم رکھتی تھیں۔آپؓ ریاضی میں بھی مہارت رکھتی تھیں۔صحابہ کرامؓ کئی بار آپؓ کے پاس ''میراث''

ترکے میں ملنے والی جائیداد کے بارے میں پوچھنے کے لئے آتے تھے۔کہ ہر فرد کو فلاں فلاں جائیداد میں کتنا کتنا حصہ ملے گا۔آپؓ حضرت ابو ہریرہؓ کی بھی راہنمائی فرمایا کرتی تھیں جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ خود بھی 2219 احادیث کے راوی ہیں۔

ابو موسیٰؓ جو ایک مشہور فقہی تھے فرماتے ہیں: ''جب کبھی صحابہ کرامؓ کو کسی معاملے میں علم نہ ہوتا تو ہم حضرت عائشہؓ کے پاس چلے جاتے تھے اور ان کے پاس یقینا اس معاملے سے متعلق علم ہوتا تھا۔حضرت عائشہؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے 88 علما کرام کو پڑھایا تھا۔تو کہہ سکتے ہیں کہ عالموں کی عالمہ تھیں۔حضرت صفیہؓ (آپ خاتم النبیین ﷺ کی زوجہ محترمہ) فقہ اسلامی اور فقہ قانون کی ماہر تھیں۔امام نوویؒ کے مطابق ''وہ اس عہد کی ذہین ترین عورت تھیں''،ام سلمہؓ (آپ خاتم النبیین ﷺ کی زوجہ محترمہ) کے لیے کہا جاتا ہے کہ ابن حجرؒ کے مطابق ام سلمہؓ 32 مختلف سکالروں کو پڑھایا کرتی تھیں۔یعنی انہوں نے 32 مختلف سکالرز کو تعلیم دی۔بقول حضرت انسؓ بن مالک وہ تبلیغ دین میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی تھیں۔

سیدہ نفیسہ رحمۃ اللہ حضرت حسنؓ کی پوتی تھیں۔وہ حضرت امام جعفر صادقؒ کی اہلیہ تھیں کہا جاتا ہے کہ آپؓ نے حضرت امام شافعیؒ کو بھی پڑھایا تھا۔جو ایک مکتبہ فکر کے بانی تھے۔ام دردا ؓ ماہر سائنس تھیں۔امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ وہ اپنے شعبہ میں مہارت رکھتی تھیں۔

اب دیکھئے کہ اس عہد میں جب لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اسلام میں طب کے شعبے اور مذہب کے شعبے میں خواتین سکالرز موجود تھیں۔

5- قانونی حقوق:- اسلامی قانون کے مطابق مرد اور عورت برابر ہیں۔شریعت مرد اور عورت دونوں کی زندگی اور املاک کی حفاظت کرتی ہے۔

سورہ مائدہ آیت نمبر 38 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:''چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا،یہ عذاب اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ قوت اور حکمت والا ہے۔''اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چوری کرے خواہ مرد ہو یا عورت تو اس کے ہاتھ کاٹ دینے چاہیے۔سزا مرد اور عورت دنوں کے لئے برابر ہے''۔

سورہ نور کی آیت نمبر 2 کے مطابق ترجمہ:"زنا کار مرد اور عورت میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ"۔

اسلام میں عورت کو گواہی دینے کی اجازت ہے۔

سورہ نور کی آیت نمبر 4 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ:''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کاری کی تہمت لگائیں۔پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں 80 کوڑے لگاؤ اور پھر کبھی بھی انکی گواہی قبول نہ کرو یہ فاسق لوگ ہیں''۔

اسلام میں ایک چھوٹے جرم کے لئے بھی دو گواہوں کہ ضرورت ہوتی ہے لیکن بڑے جرم کے لئے چار گواہ درکار ہوتے ہیں۔

اسلام عورت کی پاک دامنی کو بہت اہمیت دیتا ہے جب کسی خاتون کی شادی ہوجاتی ہے تو عام طور پر عورتیں اپنے شوہر کے نام کو اپنے نام کا حصہ بنا لیتی ہیں۔ تاہم اسلام میں اس کی اجازت ہے کہ وہ باپ کا نام اپنے نام کے ساتھ لگائے رکھے یا خاوند کا لگالے۔یعنی عورتیں شادی کے بعد بھی اپنے نام کے ساتھ اپنے باپ کا نام رکھ سکتی ہیں۔کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق مرد اور عورت برابر ہیں۔

6- سیاسی حقوق:- سورہ توبہ کی آیت نمبر 71 میں ہے کہ:

ترجمہ:''مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے معاون مددگار اور دوست ہیں۔معاون اور مددگار''۔

محض سماجی طور پر نہیں بلکہ سیاسی طور پر بھی عورتوں کو مردوں کی مدد کرنے کی اجازت ہے۔اسلام عورت کو حق رائے دہی دیتا ہے۔اس لئے آپ خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ پر عورتوں نے بھی بیعت کی تھی۔یعنی عہد وفاداری کا ووٹ دیا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فتح مکہ کے وقت مرد اور عورتوں دونوں سے بیعت لی تھی۔جو دراصل ووٹ دینے کے حق کا استعمال ہے۔ایک مشہور حدیث کے مطابق ''حضرت عمرؓ صحابہ کرامؓ کے ساتھ مہر کی بالائی حد مقرر کرنے کے بارے میں تبادلہ خیال کر رہے تھے۔اس لئے کہ نوجوان مردوں میں شادی کرنے کے بارے میں حوصلہ شکنی کا احساس پایا جارہا تھا۔(غالباً مہر کی رقم نہ دینے کی وجہ سے) پیچھے بیٹھی ہوئی ایک عورت نے اعتراض کیا اور کہا

سورہ النساء کی آیت نمبر 20 میں تو قرآن کہتا ہے۔

ترجمہ: ''اور اگر ایک بیوی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اُسے ڈھیروں مال دے چکے ہو، اُس میں سے کچھ واپس نہ لو''۔

یوں قرآن مہر کی بالائی حد مقرر کرتا ہے۔ پھر عمرؓ کون ہوتے ہیں مہر کی بالائی حد مقرر کرنے والے؟ حضرت عمرؓ نے فوراً فرمایا، عمر غلطی پر ہے یہ عورت ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ذرا غور کریں وہ ایک عام عورت تھیں کیونکہ اگر کوئی معروف خاتون ہوتیں تو ان کا نام ضرور اس حدیث میں آ گیا ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک عام عورت بھی اس وقت خلیفہ وقت پر تنقید کرسکتی تھیں۔ جو سربراہ مملکت ہوتا تھا۔ تکنیکی زبان میں اس بات کو یوں کہیں گے کہ وہ عورت آئین شکنی پر اعتراض کر رہی تھی۔ کیونکہ قرآن مسلمانوں کے لئے آئین کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت آئین سازی میں حصہ لے سکتی ہے۔ صحیح بخاری میں ایک پورا باب ہے جس میں خواتین کا میدان جنگ میں موجود ہونے کا ذکر ہے۔ خواتین زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ ابتدائی طبی امداد دیتی تھیں۔ ایک عورت نصیبہ جنگ اُحد میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اپنی آڑ میں کئے دیوار بن کر کھڑی رہیں (جبکہ تیروں کی بارش ہو رہی تھی)

قرآن مردوں کو عورتوں کا محافظ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ عام حالت میں عورتوں کو میدان جنگ میں جانے کی اجازت نہیں لیکن اگر ضرورت ہو تو جا سکتی ہیں۔ مسلمان عورتیں میدان جنگ میں بھی اسلامی حجاب کی پابندی کرتی ہیں۔ اسلامی، اخلاقی اصولوں اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام مردوں اور عورتوں میں برابری کا یقین رکھتا ہے لیکن برابری کا مطلب یکسانیت نہیں (اس کو اس طرح سمجھیئے) فرض کریں کہ ایک کمرہ امتحان میں دو طالب علم A اور B امتحان میں 80% نمبر حاصل کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پرچے میں 10 سوال ہیں اور ہر سوال کے 10 نمبر ہیں۔ سوال نمبر 1 میں طالب علم A نے 10 میں سے 9 نمبر حاصل کئے اور طالب علم B نے 10 میں سے 7۔ سوال نمبر 2 میں طالب علم A نے 10 میں سے 7 نمبر حاصل کئے اور طالب علم B نے 10 میں سے 9۔ سوال نمبر 3 میں طالب علم A نے 10 میں سے 8 نمبر حاصل کئے اور طالب علم B نے 10 میں سے 8 اسی طرح جب ہم دس سوالوں کے نمبروں کو جمع کرتے ہیں تو A اور B دونوں طالب علموں کے نمبر 100 میں سے 80 آتے ہیں۔ یعنی کسی سوال میں A طالب علم کے نمبر زیادہ اور کسی میں B طالب علم کے اور مجموعی طور پر دونوں کے نمبر برابر۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آدمی کو زیادہ قوت دی ہے۔ اگر گھر میں چور گھس آتا ہے تو فوری طور پر آدمی عورتوں کو پیچھے کر دیتے ہیں اور خود آگے بڑھ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ اس طرح رات کو ذرا سے کھڑکے پر آدمی باہر نکل کر دیکھتا ہے کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ (یہاں مرد بلند ہو گیا)۔ بچے کی پیدائش پر مدد کے لئے بلانے کے لئے آنے والی عورت کے ساتھ عورت جائے گی۔ مرد پیچھے رہ جائیں گے۔ جہاں والدین کے احترام کی بات آتی ہے تو بچوں سے توقع کی جاتی ہے کہ ماں کا احترام زیادہ کریں اور مرد خود کرواتے ہیں اور بچے جب ماں کا احترام کرتے ہیں تو مرد خوش ہوتے ہیں۔ یہاں مرد عورت کی نسبت ایک درجہ بلند ہو گیا۔ چنانچہ جب کسی اولاد نے باپ سے گستاخی کی ماں لال پیلی ہو گئی۔ اور باپ کے سو احسان اولاد کو یاد دلائے۔ یہاں ماں کی نسبت بلند ہو گئی۔ ثابت ہوا کہ اسلام برابری پر یقین رکھتا ہے۔ یکسانیت پر نہیں اور یہ کہ اسلام نے عورتوں کو اس سے کہیں زیادہ دیا ہے، جو مغرب نے عورتوں کو دیا ہے۔ (خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک)

****

اسلام میں عورت کی عظمت (فضلیت النساء)

عورتوں کے بھی وہی حقوق ہیں جو مردوں کے ہیں بلکہ بعض امور میں عورتوں کے حقوق زیادہ ہیں اس لیے کہ بچوں کی تربیت میں سب سے پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے۔سب سے پہلے جوسیکھتا ہے ماں سے سیکھتا ہے۔باپ کی تربیت کا زمانہ شعور کے بعد آتا ہے اگر ماں کی گود علم ،نیکی ،تقویٰ اور صلاحتیوں سے بھری ہوئی ہے تو وہی اثر بچے پر پڑے گا۔اگر ماں کی گود خالی ہے تو بچہ بھی خالی رہ جائے گا۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ''جب عمارت کی پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دی جائے تو آخر تک عمارت ٹیڑھی ہوتی چلی جاتی ہے اور اگر شروع کی اینٹ سیدھی رکھ دی جائے تو عمارت آخیر تک سیدھی رہے گی"۔

اگر عورتیں مردوں کے حکم سے دین سیکھنے کے لیے آتی ہیں تو مردوں کا شکریہ اور اگر از خود آتی ہیں تو پھر ان کے دینی جذبے کی داد دینی چاہیے کہ ان کے اندر بھی از خود ایک جوش وجذبہ ہے کہ دینی باتیں سیکھیں اور معلوم کریں۔اور سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ ان کے اندر دین کی طلب ہے اگر خود پیدا ہوئی ہے تو وہ شکریے کی مستحق ہیں اور اگر طلب پیدا کی گئی ہے تو اس طلب کے پیدا کرنے والے اور جنہوں نے اس کو قبول کیا وہ بھی شکریے کی مستحق ہیں۔مردوں سے عورتوں کا حق زیادہ ہے۔اس لیے کہ زندگی کی ابتدا انہی سے ہوتی ہے۔خود خاوند بھی عورت سے متاثر ہوتا ہے۔عورتیں جب کسی چیز کو منوانا چاہتی ہیں تو منوا کر رہتی ہیں۔وہ ضد کریں، ہٹ دھرمی کریں جو کچھ کریں خاوند کو مجبور کر دیتی ہیں۔اس میں ایک پہلو جہاں عورتوں کے لیے عمدہ نکلتا ہے وہاں ایک بات کمزوری کی بھی نکلتی ہے۔

یہ عورتیں ہیں تو ناقص العقل ان کی عقل کم ہے مگر بڑے بڑے کامل العقل مردوں کی عقلیں ایک طرف کو رہ جاتی ہیں اچھے خاصے عقل مند بھی پاگل بن جاتے ہیں جب وہ چاہتی ہیں کہ یہ کام ہو تو مرد ان کے سامنے مجبور ہو جاتے ہیں ہمارے ہاں اور یہاں آپ کے ہاں بھی ایسا ہی ہو گا اس لیے کہ عورتوں کا مزاج سب جگہ ایک ہی ہے اور مردوں کی ذہنیت بھی ایک ہی ہے البتہ تمدن کا فرق ہے۔

شادی بیاہ وغیرہ میں جو اکثر رسمیں ہوتی ہیں وہ رسمیں تباہ کن ہوتی ہیں وہ دولت اور دین کو بھی برباد کرتی ہیں جب مردوں سے پوچھا جاتا کہ بھئی کیوں! ان خرافات میں پڑے ہوئے ہو تم سمجھدار اور عقل مند آدمی ہو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ دولت اور دین بھی برباد ہو رہا ہے تو کیوں ایسا کرتے ہو؟ کہ جی عورتیں نہیں مانتیں کیا کریں گویا عورتیں حکام ہیں وہاں سے آرڈر جاری ہوتا ہے اور یہ غلام اور رعایا ہیں ان کا فرض ہے کہ اطاعت کریں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہیں تو یہ ناقص العقل مگر اچھے عقل والوں کی عقلیں اچک کر لے جاتی ہیں اور انہیں بےوقوف بنا دیتی ہیں" (سنن ابن ماجہ) اور جب عورت میں یہ قوت موجود ہے کہ عقل مند کو بھی بےوقوف بنا دیتی ہے اور اچھے بھلے مرد کو مجبور بنا دے اگر وہ کسی اچھی چیز کے لیے مرد کو مجبور کرے گی تو مرد کیوں نہیں مجبور ہو گا۔اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے یوں کہہ دے کہ جناب سیدھی بات ہے کہ آپ کا حکم واجب الاطاعت ہے آپ خدا کی طرف سے میرے مربی سب کچھ ہیں مگر آپ نماز نہیں پڑھتے جب تک آپ نماز نہیں پڑھیں گے میں بھی آپ کے حکم کی پابند نہیں ہوں۔وہ جھک مارے گا وہ ضرور پڑھے گا چاہے خدا کی نہ پڑھے بیوی کی ضرور پڑھے گا جب عورتیں ضد کر کے دنیا کی بات منوا لیتی ہیں، کوئی وجہ نہیں کہ دین کی بات نہ منوا لیں عورتوں کی بدولت بہت سے خاندانوں کی اصلاح ہو گئی ہے۔عورتوں نے ضد پر مرد مجبور ہو گئے۔اس لیے اپنی بہنوں سے یہ درخواست ہے کہ جب وہ ایسا دباؤ ڈال سکتی ہیں کہ مرد ان کے سامنے مجبور ہیں تو جہاں دنیا کے لیے زیور، کپڑے لانے کے لیے، برتن لانے کے لیے، گھر بنانے کے لیے دباؤ ڈالتی ہیں اگر دین دار گھر بنانے کے لیے دباؤ ڈالیں تو وہ دین دار بنیں اور وہ اپنے خاوند کے لیے اصلاح کا ذریعہ بن جائیں۔اس لیے ان کے دل میں نیکی، تقویٰ اور بھلائی کا جذبہ ہونا چاہیے تاکہ خاوند پر بھی اس کا اثر پڑے تو ایک عورت بچوں پر خاوند پر اور کہنے والوں پر بھی بہتر اثر ڈال سکتی ہے۔

عموماً سننے میں آیا ہے کہ خاندانوں میں جو جھگڑے اور تفرقیں پیدا ہوتیں ہیں، عورتوں کی بدولت پیدا ہوتیں ہیں ایک دوسرے کو اتار چڑھاؤ کر کے بدظن بنا دیتی ہیں۔دو حقیقی بھائیوں میں لڑائی پیدا کرا دیتی ہیں۔حتیٰ کہ خاندانوں میں تنازع اور جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں اس کے برعکس اگر عورت نیک طبیعت اور نیک طینت ہے تو بڑے بڑے جھگڑے ختم کرا دیتی ہے۔خاندان مل جاتے ہیں اور اپنی اس طاقت کو نیکی میں کیوں نہ خرچ کیا جائے۔ برائی اور بدی میں کیوں خرچ کیا جائے؟ جب اللہ تعالیٰ نے ایک طاقت دی ہے تو اسے صحیح راستے پر خرچ کیا جائے۔

دینی ترقی کے لیے مرد وعورت کے لیے ایک ہی راستہ ہے:- دین کے راستے پر چل کر جتنی ترقی مرد کر سکتا ہے وہی بعینہ عورت بھی کر سکتی ہے اگر ایک مرد ولی کامل بن سکتا ہے تو عورت بھی ولی کامل بن سکتی ہے۔اسلام میں جیسے مردوں میں اولیاء اللہ کی کمی نہیں ہے۔ویسے ہی عورتوں میں اولیاء اللہ کی کمی نہیں ہے اس بارے میں بڑی بڑی کتابیں

لکھی گئی ہیں جن میں ان عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو ولایت کے مقام پر پہنچی ہیں اور ولی کامل گزری ہیں۔ ایک دو نہیں سینکڑوں، ہزاروں کی تعداد میں۔ کہیں حضرت رابعہ بصریؒ کہیں، رابعہ عدویہؒ ہیں پھر صحابیات جتنی ہیں وہ تو ساری کی ساری اولیائے کاملین میں سے ہیں تو تابعین، تبع تابعین اور بعد کے لوگوں میں بڑی بڑی کامل عورتیں پیدا ہوئیں ہیں۔ پھر ہر فن کے اندر پیدا ہوئیں ہیں، محدث، مفسر، ادب، شاعر اور مورخ بھی گزری ہیں۔ ان کی تصنیفات ہیں اور ہزاروں مرد ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اگر عورت دینی ترقی نہ کر سکتی تو عورتیں کہاں سے پیدا ہوگئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی زوجہ پاک ہیں ان کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں "ہمیں کوئی حدیث سمجھ نہ آتی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے رجوع کرتے اور ہمارا مسئلہ حل ہو جاتا"۔ (ترمذی، رقم ۳۸۸۳)۔ عائشہ صدیقہؓ ایک عورت ہی تو ہیں تو عورت کو اللہ نے وہ رتبہ دیا کہ ہزار ہا ہزار صحابہ ایک طرف اور ایک عورت ایک طرف اس سے معلوم ہوا عورت جب ترقی کرنے پر آتی ہے اتنی ترقی کر جاتی ہے کہ بہت سے مرد بھی پیچھے رہ جاتے ہیں تو اللہ کی طرف سے عورتوں کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ چاہے دنیا میں ترقی کرے یا دین میں۔ علم وفضل میں بھی برابر چل سکتی ہیں۔

آپ نے امام ابی جعفرؒ صادق کا نام سنا ہوگا جن کی کتابیں طحاوی شریف، جو حدیث شریف کی کتاب ہے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ عورت کا طفیل ہے امام طحاوی کی بیٹی نے حدیث کی کتاب املاء کی ہیں۔ باپ حدیث اور اس کے مطالب بیان کرتے تھے۔ بیٹی لکھتی جاتی تھی۔ اس طرح کتاب مرتب ہوگئی گویا جتنے علماء اور محدث گذرے ہیں یہ سب امام ابی جعفر صادقؒ کی بیٹی کے شاگرد اور احسان مند ہیں۔ یہ بھی ایک عورت ہی تھی۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ امام طحاویؒ کی بیٹی تو محدث بن سکے ہماری کوئی بہو بیٹی نہ بن سکے وہی نسل ہے وہی چیز ہے۔ وہی ایمان ہے وہی دین ہے، وہی علم آج بھی موجود ہے توجہ اور بے توجہی کا فرق ہے۔ ان لوگوں نے توجہ دی کہ عورتیں ہی ایسی بنیں کہ بڑے بڑے مرد بھی ان کے شاگرد بن گئے آج توجہ نہیں کرتیں کمال نہیں پیدا ہوتا مگر صلاحتیں موجود ہیں۔

عورت میں غیر معمولی ترقی کی صلاحیت موجود ہے:۔ بہر حال علماء اسلام میں ان بڑی بڑی عورتوں کا ذکر کیا ہے جو ولایت کے مقام تک پہنچی اور کامل ہوئی ہیں۔ ہاں البتہ کچھ عہدے اسلام نے ایسے رکھے ہیں جو عورتوں کو نہیں دیئے گئے وہ اس بناء پر کہ عورت کا جو مقام ہے وہ حرمت کا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ اجنبی مردوں میں غلط ملط اور ملی جلی پھریں۔ ان سے فتنے بھی پیدا ہوتے ہیں، برائیوں کا بھی اندیشہ ہے۔ اس لیے عورتوں کو ایسے عہدے نہیں دیئے گئے۔ جس سے فتنوں کے دروازے کھلیں لیکن صلاحتیں موجود ہیں۔ صلاحیت اس حد تک تسلیم کی گئی ہیں کہ علماء کی ایک جماعت اس بات کی بھی قائل ہے کہ عورت نبی بن سکتی ہے۔ رسول تو نہیں بن سکتی۔ مگر نبی بن سکتی ہے۔ نبی اسے کہتے ہیں جسے ملائکہ علیہم السلام خطاب کریں اور خدا کی وحی اس پر آئے، رسول اسے کہتے ہیں جو شریعت لے کر آئے اور خلق اللہ کی تربیت کرے۔

اس لیے تربیت کا مقام تو نہیں دیا گیا مگر ان کے نزدیک نبوت کا مقام عورت کے لیے ہے حتیٰ کہ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ حضرت مریمؑ نبی ہیں، فرشتے نے خطاب کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ نبی تھیں اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہؑ جو ابتدا سے ہی مسلمان تھی وہ نبوت کے مقام پر پہنچی۔ تو نبوت سے بڑا عالم بشریت میں انسان کے لیے کوئی مقام نہیں ہے۔ خدائی کمالات کے بعد اگر بزرگی کا کوئی درجہ ہے تو وہ نبوت کا ہے۔ اس سے بڑا کوئی درجہ نہیں ہے، جب عورت کو یہ درجہ بھی مل سکتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ عورت کی صلاحیتیں اتنی بڑھی ہوئی ہیں کہ وہ سب مقام طے کر سکتی ہے۔ البتہ رسول نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ رسول کے معنی یہ ہیں کہ وہ شریعت کے ساتھ تربیت کرے۔ اس لیے عورت کو اس مقام پر نہیں لایا گیا کہ وہ اجنبی مردوں کی تربیت کرے اس میں چونکہ فتنے کا اندیشہ تھا اس لیے یہ مقام چھوڑ دیا گیا۔ یا جسے شریعت اسلام کا مسئلہ ہے کہ قاضی، جج، چیف جسٹس نہیں بنائی جائے گی کہ وہ فیصلے کرنے لگے اس لیے کہ وہ فیصلہ کرنے بیٹھی تو مدعی اور مدعی علیہ اس کے سامنے آئیں گے اس کو حق یہ ہے کہ جرح کرے گواہوں کی حالت کو دیکھے سب اس کے سامنے ہوں گے اس میں پھر فتنے کے دروازے کھلنے کا اندیشہ ہے۔ اس واسطے اس مقام پر نہیں لایا گیا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت محنت و توجہ کرے۔ تو کوئی مقام بزرگی اور علم وفضل کا ایسا نہیں ہے جو عورت کو حاصل نہ ہو۔ امام طحاوی کی بیٹی حضرت رابعہ بصریؒ، حضرت رابعہ عدویہؒ ہزاروں لاکھوں کے قریب صحابہ کرام کی عورتیں تابعین کی بیویاں، بیٹیاں یہ بڑی بڑی عالمہ فاضلہ گزری ہیں۔

عورت اولیائے کاملین کے لیے مربی بھی بن سکتی ہیں:۔ حضرت رابعہؒ کے واقعات میں ہیں کہ ایک دن جوش سے چلیں ایک برتن میں آگ تھی اور ایک برتن میں پانی تھا بہت ہی جذبے اور جوش کے ساتھ جا رہی تھی۔ لوگوں نے کہا "اے رابعہ کہاں چلی؟ کہ ایک ہاتھ میں آگ کا برتن اور ایک ہاتھ میں پانی کا برتن کہاں جا رہی ہو"؟ جوش میں آ کر کہا "میں اس لیے جا رہی ہوں کہ اس آگ سے جنت کو جلا دوں اور اس پانی سے جہنم کو بجھا دوں اس لیے کہ جو عبادت کرتا ہے جنت کی طمع میں کرتا ہے یا دوزخ سے ڈر کر کرتا ہے اپنے مالک کی محبت میں کوئی عبادت نہیں کرتا میں اس لیے جا رہی ہوں تاکہ ان دونوں کو ختم کر دوں تاکہ بندوں میں خلوص پیدا ہو خلاص اور محبت خداوندی کا مقام پیدا ہو"۔

اس مقام کی عورتیں بھی گزری ہیں جن کے جذبات کا یہ عالم ہے۔عورتوں نے بہت بڑے اولیائے کاملین کی تربیت کی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ جمالی ہیں اور صوفیاء کے امام ہیں اور سلسلہ چشتیہ کے اکابر اولیاء میں سے ہیں ان کے واقعات میں لکھا ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ ان کے مکان پر آئیں کوئی مسئلہ پوچھنا تھا یا کوئی بات کرنی تھی معلوم ہوا، حضرت حسن بصریؒ مکان پر نہیں تھے،انہوں نے پوچھا" کہاں گئے ہیں"؟ معلوم ہوا کہ دریا کے کنارے پر گئے ہیں، یہ بھی وہیں پہنچ گئیں وہاں جا کے یہ عجیب ماجرا دیکھا کہ حسن بصریؒ نے پانی کے اوپر مصلیٰ بچھا رکھا ہے اور اس کے اوپر نماز پڑھ رہے ہیں نہ مصلیٰ ڈوبتا ہے نہ تر ہوتا ہے گویا کرامت ظاہر ہوئی۔رابعہ بصریؒ کو یہ چیز ناگوار گزری اور اسے اچھا نہ سمجھا کیونکہ یہ عبدیت اور بندگی کی شان کے خلاف ہے بندگی کے معنی یہ ہیں بڑے سے بڑا بزرگ لوگوں میں ملا جلا رہے کوئی امتیازی مقام پیدا کرنا یہ ایک قسم کا دعویٰ اور صورت تکبر ہے کہ میں سب سے بڑا ہوں اس لیے کہ تم وہ کام نہیں کر سکتے جو میں کر سکتا ہوں گویا میں بڑا صاحب کرامت اور صاحب تصرف ہوں، زبان سے اگر چہ نہ کہے مگر صورت حال سے ایک دعویٰ پیدا ہوتا ہے اور اہل اللہ کے نزدیک سب سے بڑی چیز جو ہے وہ دعویٰ کرنا ہے اس لیے کہ اس میں تکبر اور کبر کی علامت ہے اور ولایت کا مقام یہ ہے کہ تکبر مٹ کر خاکساری پیدا ہو تو جس بزرگ میں تکبر یا کبر کی صورت بن جائے وہ بزرگ ہی کیا ہوا؟ حضرت رابعہؒ کو یہ چیز اس لیے ناگوار گزری مگر چونکہ یہ بھی بزرگ ہیں تو انہوں نے اصلاح کی، اصلاح کس طرح کی؟ زبان سے کچھ نہیں کہا عمل سے اصلاح کی وہ اس طرح کہ انہوں نے پانی کے اوپر مصلیٰ بچھا رکھا تھا انہوں نے یہ کیا کہ اپنے مصلے کو ہوا کے اوپر اڑا کر اس کے اوپر نماز پڑھنی شروع کر دی اب مصلیٰ ہوا میں لٹکا ہوا ہے اور نماز پڑھ رہی ہیں، حسن بصریؒ سمجھ گئے کہ مجھے ہدایت کرنی مقصود ہے۔فوراً اپنا مصلیٰ لپیٹا اور دریا کے کنارے پر آ گئے-حضرت رابعہ بصریؒ نے بھی ہوا سے مصلیٰ لپیٹا اور نیچے آئیں اور آکر دو جملے ارشاد فرمائے:''اے حسن بصریؒ اگر تم پانی پر تیر گئے تو کوڑا کباڑ اور کچرا بھی پانی کے اوپر تیرتا ہے یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے اور اگر رابعہ ہوا میں اڑی تو مکھیاں بھی تو ہوا میں اڑتی ہیں یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔اپنے نفس کو قابو میں کر و اس پر کنٹرول حاصل کرو تا کہ صحیح معنی میں انسان بنو، انسان بننا کمال ہے، مکھی بننا کمال نہیں ہے، آدمی بننا کمال ہے کوڑا کچرا بننا کمال نہیں ہے''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ پوری امت کی استاد ہیں:- حضرت ابن عباسؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں امت میں سب سے بڑے مفسر قرآن ہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے شاگرد ہیں، علم زیادہ تر انہی سے سیکھا ہے، فتوے کی ضرورت ہوتی تھی تو حضرت عائشہؓ سے فتویٰ لیتے تھے، تو ابن عباسؓ ساری امت کے استاد ہیں اور ان کی استاد حضرت عائشہؓ ہیں، گویا حضرت عائشہؓ علوم و کمالات کے اندر پوری امت کی استاد ہیں بعض صحابہؓ حضرت عائشہؓ سے کہا کرتے تھے کہ اے آل ابی بکر! یہ پہلی برکت نہیں، تمہاری تو اتنی برکتیں ہیں کہ امت احسان سے تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکتی اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کے سوالات کرنے سے ہزاروں مسئلے کھلے ہیں، بڑی ذہین و ذکی تھیں، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے سوالات ایسے کیا کرتی تھیں کہ دوسرے کی جراءت نہیں ہو سکتی تھی جواب میں آپ خاتم النبیین ﷺ علوم ارشاد فرماتے تھے یہ ساری امت پر احسان تھا اگر وہ سوال نہ کرتیں تو علم نہ آتا۔

مثلاً حدیث میں ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کے تین بچے ہوں اور پیدا ہونے کے بعد دودھ پینے کی حالت میں گزر جائیں، برس، دن یا چھ ماہ کے بعد انتقال کر جائیں تو وہ تینوں کے تینوں ماں باپ کی نجات کا ذریعہ بنیں گے، شفاعت کریں گے اور اس طرح سے کریں گے گویا اللہ تعالیٰ کے اوپر اصرار کریں گے۔ضرور بخشنا پڑے گا۔حدیث میں ہے کہ ماں باپ کے لیے جہنم کا حکم ہے کہ یہ سزا کے مستحق ہیں، یہ جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے یہ تین بچے ملائکہ کے آگے آ کے روکیں گے کہ یہ ہمارے ماں باپ ہیں آپ ان کو کہاں لے جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے انہیں جہنم کا حکم ہے بچے کہیں گے ہم نہیں جانتے یہ ہمارے ماں باپ ہیں جیسے بچے کی ضد ہوتی ہے اس طرح ضد کریں گے وہ کہیں گے حکم خداوندی ہے بچے کہیں گے ہو گا اللہ نے ہمیں تو معصوم بنایا ہم انہیں نہیں جانے دیتے۔ ہمارے ہوتے ہوئے نہیں جائیں گے۔ملائکہ کو لوٹنا پڑے گا اور عرض کریں گے الٰہی یہ بچے راستہ روک رہے ہیں، جانے نہیں دیتے، معلوم ہوتا ہے بچوں کی ضد کے آگے فرشتوں کی نہیں چلے گی۔جیسے باپ اگر بادشاہ بھی ہوا اور بچہ ضد کرے تو بادشاہ کو بھی بچے کی ماننی پڑے گی۔اسکی حکومت کی ساری قوت دھری رہ جاتی ہے۔اسی طرح فرشتوں کی طاقت بھی رکھی رہ جائے گی اور وہ مجبور ہو جائیں گے۔بچے انہیں لوٹا دیں گے تو فرشتے عرض کریں گے کہ خداوند، آپ کا ارشاد تھا کہ انہیں جہنم میں ڈالا جائے یہ بچے روک رہے ہیں ضد کر رہے ہیں جانے نہیں دیتے، حق تعالیٰ فرمائیں گے،"ارے نادان بچو! تمہارے ان ماں باپ نے یہ برائی کی یہ برائی کی، یہ گناہ کیا، یہ معصیت کی یہ جہنم کے مستحق ہیں"۔

یہ کہیں گے ہم نہیں جانتے انہوں نے کیا کیا یہ تو ہمارے ماں باپ ہیں اگر آپ نے ان کو جہنم میں ہی بھیجنا ہے تو ہمیں بھی بھیج دیجئے، اب ظاہر ہے معصوم تو جہنم میں نہیں بھیجیں جائیں گے اور اگر آپ نے ہمیں جنت میں بھیجنا ہے تو ہم انہیں بھی لے کر جائیں گے۔جاؤ ارے جھگڑالو بچو، ہمارا پیچھا چھوڑو لے جاؤ ان ماں باپ کو جنت میں۔چنانچہ ان کو جنت میں لے جائیں گے۔

یہ حدیث آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کو سنائی، اس پر حضرت عائشہؓ سوال کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اگر کسی کے دو بچے اس طرح گزر جائیں فرمایا ''دو کا بھی یہی حکم ہے''، پھر سوال کیا اگر ایک گزر جائے فرمایا ''ایک کا بھی یہی حکم ہے'' حتیٰ کہ فرمایا ''اگر کوئی حمل ضائع ہو جائے، بشرطیکہ بچے میں جاں پڑ گئی، ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ اس طرح سے ضد کر کے اپنے ماں باپ کو بخشوائے گا''۔ اب دیکھئے چھوٹا بچہ جب گزرتا ہے تو ماں باپ پر بالخصوص ماں پر کیا گزرتی ہے۔ اس کے تو وہ جگر کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس نے نو مہینے اسے اپنے پیٹ میں رکھ کر پالا ہے۔ پرورش کیا تھا۔ پیدا ہونے کے بعد جب گزر جاتا ہے تو باپ کو تو کچھ جلدی صبر آجاتا ہے مگر ماں کو نہیں آتا کیونکہ اس کے لیے تو ایسا ہے جیسے اس کے بدن کا ٹکڑا کٹ کے ضائع ہو جائے تو ماں بہت زیادہ پریشان ہوتی ہے۔

لیکن جب حدیث سنے گی کہ یہ میری نجات کا سبب بنے گا تو اسے شاید اطمینان پیدا ہو جائے کہ میرے لیے کوئی دکھ نہیں اگر ضائع ہو گیا۔ میرے لئے تو جنت اور نجات کا سامان ہوگا۔ اگر حضرت عائشہؓ یہ سوال نہ فرماتیں نہ اتنا علم کھلتا نہ اتنی آسانی پیدا ہوتی۔ ہم تو یہی کہتے اگر تین بچے گزریں تو پھر جنت کا وعدہ ہے اور اگر دو یا ایک ہوا پھر جنت کا وعدہ نہیں مگر صدیقہؓ کے سوال کرنے سے معلوم ہوا دو اور ایک کا بھی یہی حکم ہے۔ بلکہ حمل ساقط ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ بشرطیکہ روح پڑ گئی ہو۔ تو حضرت عائشہؓ کی ذہانت و ذکاوت اور سوال کرنے سے امت کے لیے کتنی بڑی آسانی پیدا ہو گئی۔ کتنے راستے نکلے، تو عورتیں ایسی بھی گزری ہیں، جنہوں نے ہزاروں مردوں کے راستے درست کر دیئے اور ان کے لیے ہدایت کا سبب بن گئیں۔

عورتوں کی علمی و اخلاقی ترقی میں مرد سنگ راہ ہیں:- حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حاکم بھی نگہبان ہے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھی جائے گی اور غلام اپنے صاحب کے مال کا نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا" میں سمجھتا ہوں آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ بھی فرمایا "مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔ (صحیح بخاری) غرض ہر شخص سے سوال کیا جائے گا۔ تو آپ سے اور مجھ سے بھی سوال ہوگا۔ عورتوں کے بارے میں بھی سوال ہوگا کیونکہ وہ ہمارے زیر تربیت اور زیر عیال ہیں۔

عورتوں کے بارے میں مرض الموت میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی وصیت:- اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے سب سے زیادہ توجہ عورتوں کی طرف دی ہے حتیٰ کہ عین وفات کے وقت جو آخری کلمہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی زبان سے نکلا ہے وہ یہ تھا کہ

ترجمہ: ''اے لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو"۔ (مشکوۃ المصابیح) یہ امانتیں ہیں جو تمہارے سپرد کی گئی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم امانت میں خیانت کرو اور قیامت کے دن تم سے باز پرس ہو۔ یہ آخری کلمہ ہے جو عین وفات کے وقت فرمایا ہے وہ یہ تھا کہ عورتوں کی فکر کرو۔ کہیں یہ ضائع نہ ہو جائیں۔ ان کو خراب نہ کر دیا جائے۔ ان کی تربیت نہ تباہ ہو جائے۔ ان کا دین نہ برباد ہو جائے اور دنیا نہ خراب ہو جائے۔ تو جس ذات اقدس نے خود عورتوں کے بارے میں اتنی توجہ کی، اس کی امت کا فرض ہے کہ وہ توجہ کرے''

حدیث میں ہے کہ ''تم میں سے سب سے زیادہ قابل تکریم وہ مسلمان ہے جس کے اخلاق پاکیزہ ہوں اور عورتوں، بیویوں کے ساتھ لطف و مروت اور مدارات کا برتاؤ کرتا ہو"۔ (جامع ترمذی) مطلب یہ کہ جو عورتوں کے ساتھ زیادتی اور سختی سے پیش آئے۔ جوان کا دل دکھائے۔ وہ قابل تکریم نہیں ہے۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہی ہے تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے توجہ فرمائی اور پوری توجہ فرمائی اور عین وفات کے وقت آپ خاتم النبیین ﷺ نے جو نصیحت ارشاد فرمائی وہ عورتوں کے بارے میں تھی۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ عورت کے لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے جہاں اتنا خیال کیا امت کیا خیال کر رہی ہے؟ امت نے یہ کیا کہ طرز عمل سے یہ باور کرا دیا کہ تم نہ دینی ترقی کے قابل نہ عمل کے قابل۔ یہ تمہارا کام ہی نہیں، بس تمہارا کام یہ ہے کہ اگر تم غریب ہو تو گھر بیٹھ کے کھانا پکاؤ اور اگر تم دولت مند ہو تو کھانا ملازمہ پکالے گی۔ تم اچھے کپڑے پہن لیا کرو۔ بہترین زیور پہن لیا کرو اور جو جی میں آئے آرائش زیبائش کر لیا کرو۔ بس قصہ ختم ہو گیا زیادہ سے زیادہ یہ کیا۔

صورت کے عشق سے حقیقت کی محبت ختم ہو جاتی ہے:- اس کا مطلب ہے کہ ان کے بدنوں کو تو سنوار دیا لیکن دلوں کو بھی سنوارا ہے؟۔ بدن کی آرائش و زیبائش تو چند دن کی بہار ہے یہ چند دن میں ختم ہونے والی ہے۔ خدا بھلا کرے بخار تین دن میں بتلا دیتا ہے ساری جوانی ڈھیلی پڑ جاتی ہے اگر آدمی جوانی کے اوپر ناز کرے اور چہرے کی تازگی اور رونق پر اترائے تو تین دن کا بخار بتلا دیتا ہے کہ جوانی کی یہ حقیقت تھی۔ چہرے کی سرخی بھی ختم، منہ پر جھریاں پڑ گیں اور تین دن میں بخار سے ایسا حال ہو گیا اور بخار نے بتلا دیا کہ اس کی قدر و قیمت کیا ہے۔ اسی واسطے اہل اللہ نے اس کی خاص طور پر تاکید کی ہے کہ صورتوں کے حسن و جمال میں زیادہ مت گھسو۔ سیرت کے حسن و جمال کو دیکھو اخلاق کی پاکیزگی کو دیکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ صورتوں کا عشق گندگی کا عشق ہے۔ سیرت کا عشق پاکیزگی کا عشق ہے۔ اعلیٰ ترین سیرت اخلاق ہیں، محبت کے

قابل یہ چیز ہے۔

صورت کی خوبیاں فتنہ اور سیرت کی خوبیاں امن پیدا کرتی ہیں:- بلکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ صورت کی خوبی فتنہ پیدا کرتی ہیں سب سے زیادہ خوبصورت حضرت یوسفؑ ہیں۔ حدیث میں فرمایا گیا ''آدھا حسن اللہ نے ساری دنیا کو دیا اور آدھا حسن و جمال تنہا یوسفؑ کو دیا۔ حضرت یوسفؑ اتنے بڑے حسین وجمیل تھے لیکن یوسف علیہ السلام پر جتنی مصیبتیں آئیں وہ صورت کے حسن کی وجہ سے آئی ہیں۔ بھائیوں نے کنعان کے کنویں میں ڈالا۔ مصر کے بازار میں غلام بنا کے بیچے گئے۔ نو برس تک جیل خانہ بھگتا۔ یہ ساری صورت کی مصیبت تھی اور جب مصر کی سلطنت ملنے کا وقت آیا اس وقت خود حضرت یوسفؑ نے کہا کہ مجھے مصر کی سلطنت دیدو، تو وجہ یہ نہیں بیان کی کہ الٰہی میں حسین جمیل اور بڑا خوبصورت ہوں اس لیے مجھے بادشاہ بنادو بلکہ یوں فرمایا مجھے سلطنت بخش دو اس واسطے کہ میں عالم ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ سلطنت کس طرح سے چلتی ہے میں اپنے علم وکمال سے سلطنت چلا کے دکھلاؤں گا۔ تو مصیبتوں کا جب وقت آیا اور سلطنت ملنے کا وقت آیا تو اندرونی سیرت علم وکمال سامنے آیا اس لیے صورت کی خوبیاں فتنے میں مبتلا کرتی ہیں اور سیرت کی خوبیاں دنیا میں امن پیدا کرتی ہیں۔

ہمارے یہاں کیا ہوتا ہے کہ اگر غریب گھرانے کی عورت ہے تب تو بڑے سے بڑا کام مردوں کی طرف سے کیا سپرد ہوتا ہے؟ یہ کھانا پکائے۔ گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش کرے اس کے فرائض ختم ہو گئے اور اگر امیر گھرانے کی عورت ہے تو وہ بچے کی دیکھ بھال نہیں کرے گی وہ ملازمہ کرے گی، کھانا بھی وہ پکائے گی، ان کا کام یہ ہے کہ ذرا اچھے کپڑے پہن لے اچھا زیور پہن لے۔ ذرا اور آزاد ہوئیں تو تفریح کے لیے بازار بھی ہو آئیں ہر کام کرلیا اور زندگی کے فرائض ختم ہو گئے۔ آگے یہ کہ تمہاری سیرت کیسی ہے؟ تمہارا قلب کیسا؟ اخلاق کیسے؟ اس میں علم ہے یا نہیں؟ آخرت کا تعلق ہے یا نہیں؟ اللہ کے سامنے جانے کا کچھ خطرہ تمہارے سامنے ہے یا نہیں؟۔ قبر وحشر میں کیا گزرے گی۔ انجام کیا ہوگا؟ اس کا کوئی ذکر نہیں بس کھالیا، پی لیا، عمدہ لباس پہن لیا۔ بہتر سے بہتر زیور پہن لیا اور فرائض ختم ہو گئے۔ یہ تو اللہ کے ہاں سوال ہوگا کہ تمہیں بادشاہ بنایا گیا تھا کیا اس لیے کہ رعیت کو اچھا کھلا دو، پہنا دو اور ہم سے غافل کردو۔ اس لیے تمہیں بادشاہ بنایا گیا تھا کہ مقصد کی طرف توجہ دو وہ یہ کہ ہماری طرف متوجہ کرتے جس کے لیے تمہیں دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ یہ نہیں کیا تو تم سزا کے مستحق ہو۔ اس میں عورتوں کا کوئی قصور نہیں یہ سارا مردوں کا قصور ہے کہ نہ ان کی تعلیم کا بندوبست کرتے ہیں نہ ان کی تربیت کا ان کی دلداری کا بڑے سے بڑا طریقہ ان کے ہاں یہ ہے کہ جو ان کی خواہش ہو وہ پوری کرو۔ کپڑے زیور دے دو بس فرض ختم ہو گیا یہ نہیں کرتے کہ ان کے دل کو سنواریں ان کی روح میں آراستگی پیدا کریں کیا قیامت کے دن اس بارے میں ہم سے سوال نہیں ہوگا؟ کیا ہم سے پوچھا نہیں جائے گا؟ ضرور پوچھا جائے گا۔ ضرور پرسش ہوگی اس جوابدہی کے لیے تیار ہوجانا چاہیے۔

دولت میں رہ کر عورت متقی بن سکتی ہے:- اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب عورت کی گود علم وکمال سے خالی ہوگی تو بچے میں علم کہاں سے آئے گا؟ بچہ تو ماں کی گود سے علم حاصل کرتا ہے وہاں جہالت ہے تو وہ بھی جاہل ہوگا وہاں محض ظاہری ٹیپ ٹاپ کی خواہش ہے بچے میں بھی ایسی ٹیپ ٹاپ پیدا ہوگی اسے بھی دل سنوارنے کی کوئی فکر نہیں ہوگی۔

بچہ ماں باپ کا نقال ہے:- یہ جب ہوگا جب خود ماں باپ میں تقویٰ، پاکیزگی اور احتیاط موجود ہو، جتنی یہ پاکیزگی برتیں گے اتنی ہی پاکیزگی بچے کے قلب میں پیدا ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ دیہات کے بچے عموماً گالیاں دیتے ہوئے بڑھتے ہیں، شہروں کے تہذیب یافتہ ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دیہات میں خود ماں باپ گالیاں بکتے ہیں بچے کے دل میں بھی وہی چھپتی رہتی ہے شہر میں ذرا تہذیب کے کلمے ہوتے ہیں وہ چھپتے رہتے ہیں اس کا اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے آداب میں سے یہ رکھا کہ پیدا ہوتے ہی بچے کے لیے سب سے پہلے بندوبست نہ روٹی کا کیا کہ اسے دودھ پلاؤ، نہ کپڑے کا کیا۔ خیر وہ بھی پہنا دے۔ پہلا بندوبست یہ کیا کہ اس کے (اسے غسل دینے اور ظاہری آلودگی سے پاکی کے بعد) دائیں کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر اذان کہنا ایسا ہے جیسے دیوار کے سامنے کہے تو دیوار کو کیا خبر۔ تو یہی بات آتی ہے کہ اسے خبر تو نہیں ہے مگر کان کے راستے جب ''اشھد ان لا الہ الا اللہ'' پہنچے گا تو دل میں اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے یہ کلمہ جب پہنچے گا تو دل میں اس کی چھاپ لگ جائے گی۔ جب آپ ''اشھد ان محمد رسول اللہ کہیں گے دل پر رسالت پر ایمان لانا چھپ جائے گا۔ جب حی علی الصلوٰۃ کہیں گے کہ آپ نماز کی طرف دوڑو یعنی جملہ چھپ جائے گا تو دائیں کان کو آپ نے توحید ورسالت، عمل صالح اور اللہ کی عظمت وبڑائی سے بھر دیا اور بائیں کان کو تکبیر سے بھر دیا اس میں اللہ ورسول اور دین کی عظمت دل میں بٹھلائی تو اذان وتکبیر ہوگئی۔ علماء لکھتے ہیں کہ اس اذان اور تکبیر کی نماز کونسی ہے؟ جنازہ کی نماز آپ پڑھیں گے اس کی یہ اذان وتکبیر ہے۔ دنیا میں آتے ہی اذان دی گئی۔ تکبیر بھی کہی گئی اور دنیا سے جاتے ہوئے جنازہ کی نماز بھی پڑھی گئی یہ اس کی اذان وتکبیر تھی۔ تا کہ ایک مومن بچے کی ابتداء اور انتہا دونوں اللہ کے نام پر ہوں تو اللہ اکبر سے زندگی شروع ہوئی اور اسی پر ختم ہوگئی۔ زندگی کا اول وآخر اللہ کے نام سے چلا۔

زمین میں آپ بیج ڈال دیں لیکن نہ پانی دیں نہ دھوپ سے بچائیں، بیج جل کر ختم ہوجائے گا۔ امید بھی نہیں رہے گی کہ اس میں کوئی درخت پیدا ہو۔ بیج تو پیدا

ہوتے ہی ڈال دیا جاتا ہے آگے ماں باپ کو حکم ہے کہ بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہوجائیں اور مار کر پڑھاؤ جب وہ دس برس کے ہوجائیں، یہ گویا تربیت اور آبیاری ہے کہ بیج وہاں ڈالا تھا اب پانی دینا شروع کرو۔ دھوپ سے بچاؤ تاکہ وہ بیج پھل لائے اور درخت بن جائے یہ تربیت ہوگی تو اس کے بچے اور بچیاں بھی مستحق ہیں لڑکے اور لڑکیاں بھی۔ آگے ماں باپ قصوروار ہیں اولاد قصوروار نہیں ہے، اولاد جب قصوروار بنے گی جب وہ عاقل بالغ ہو، شریعت کا خطاب متوجہ ہو پھر مواخذہ ماں باپ سے ہوگا کہ کیوں نہ تم نے صحیح راستے پر ڈالا؟ کیوں غلط راستے پر ڈالا؟

عورتوں کی صحیح تعلیم وتربیت کی ضرورت:- عورتوں کی تعلیم کا بھی صحیح طریقے سے بندوبست کیا جائے۔ مثلاً ہمارے ہاں یہ قدیم زمانے میں دستور تھا بلکہ اب بھی کچھ قصبات ہیں کہ اسکول اور کالج نہیں قائم ہوتے بلکہ محلے میں جو بڑی بوڑھیاں ہیں اور وہ پڑھی لکھی ہوئی ہیں تو محلے کی بچیاں ایک گھر میں جمع ہوجاتی ہیں، وہ گھر کے کام کاج بھی کررہی ہیں، قرآن شریف بھی پڑھ رہی ہیں، ترجمہ بھی پڑھ رہی ہیں، مسئلے مسائل کے لیے ان کو بہشتی زیور پڑھایا جاتا تھا یہ ان کی گھریلو تعلیم ہوجاتی تھی جب یہ چیز کم ہوگئی تو مدرسے کھلے بچیاں وہاں پڑھنے چلی جاتی ہیں بہرحال کچھ نہ کچھ اس کی طرف توجہ ہے۔ یہ نہیں کہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو جیسے خودرو درخت ہوتے ہیں کہ جدھر کو ان کا جی چاہے چلے جائیں۔

بہرحال ان کو گھریلو تعلیم دی جائے جو عورتیں قرآن مجید پڑھی ہوئی ہیں یا اردو جانتی ہوں یا انہیں اپنی زبان میں مسائل معلوم ہوں یا کوئی کتاب ہے وہ پڑھائیں تاکہ ابتداء سے مسئلے کا علم ہو اس لیے شریعت اسلام نے علم کے سلسلے میں دو درجے رکھے ہیں ایک درجہ پر انسان مرد ہو یا عورت واجب ہے یہ فرض عین ہے جو ہر ایک پر فرض ہے، جیسے روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ دوسرا فرض کفایہ ہے کہ سو میں سے ایک ادا کردے تو سو کے لیے کافی ہے جیسے علما کا وجود، نماز جنازہ اعتکاف وغیرہ وہ حصہ جو ہر ہر شخص پر واجب ہے وہ ضروریات دین کا ہے کہ جس سے عقیدہ معلوم ہوجائے۔ اخلاق کا پتہ چل جائے حقوق کی ادائیگی، ماں باپ، اولاد، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے کیا حقوق ہیں۔ اللہ اور رسول خاتم النبیین ﷺ کا کیا حق ہے؟ کچھ عبادات، کچھ معاشرات، کچھ اخلاق، کچھ اعتقادات یہ سیکھے تو واجب ہیں خواہ مرد ہو یا عورت اور دوسرا ہے پورا عالم بننا یہ ہر ایک کے اوپر فرض نہیں ہے۔ یہ فرض کفایہ ہے۔ سو دو سو میں سے اگر دو بھی عالم بن گئے تو سب کے لیے کافی ہے ہاں ایک بھی نہیں بنے گا تو سب گنہگار رہوں گے۔

غرض فرض کفایہ کی یہ شان ہے کہ پوری قوم مل کر فرض کو چھوڑ دے تو پوری قوم گنہگار ہے لیکن اگر ایک فیصد کو عالم بنا دیا ساری قوم کے اوپر سے گناہ ہٹ گیا ایک فرض عین ہے، یعنی ہر شخص جو نہیں کرے گا وہ گنہگار رہے۔ اس لیے اتنا حصہ مرد اور عورت دونوں کے لیے ضروری ہے۔ جس سے وہ یہ سمجھیں کہ اسلام کسے کہتے ہیں؟ ہم مسلمان کیوں ہیں؟ ہم پر کیا چیزیں فرض ہیں؟ ہم پر کیا ضرورت عائد ہوتی ہیں؟۔ عورت بھی اور مرد بھی اس کا ذمہ دار ہے۔ اس کا سیکھانا فرض ہے خود مرد اپنی بچیوں کو سکھلائیں یا مرد کسی ایک عورت کو پڑھا دیں وہ عورت اور عورتوں کو تیار کردے کہ وہ گھروں میں جاکے یا کسی ایک جگہ مدرسہ قائم کرکے ان بچیوں کو پڑھا دے۔ اس سے زیادہ کوئی حصہ نہیں۔ ذرا توجہ کی جائے تو یہ معاملہ با آسانی ہوسکتا ہے۔ رہا عالم بننا، سب کے لیے عالم بننا ضروری نہیں نہ مردوں کے لیے نہ عورتوں کے لیے۔ قوم میں سے ایک دو بھی بن گئے، پوری قوم سے گناہ ہٹ گیا اس عالم کا فرض ہے وہ اپنی قوم کی اصلاح کرے جو ان کی دینی ضروریات ہیں۔ انہیں پورا کرے انہیں مسائل بتلائے ،فتویٰ دے الجھنوں میں، شرعی طور پر ان کی راہنمائی کرے۔ دل وسوسوں میں الجھ گئے ہوں تو فکر کا راستہ درست کرے یہ اس کا فریضہ ہے۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ عورتیں بھی علم واخلاق کی اتنی حقدار ہیں جتنے مرد حقدار ہیں۔ جتنا حصہ مردوں پر ضروری ہے وہ ان پر بھی ضروری ہے۔ ان کی دیکھ بھال مردوں کے ذمہ ہے اگر وہ نہیں کرتے ہیں تو مردوں سے مواخذہ ہوگا جب ملائکہ حضرت مریمؑ کے پاس آئے اور انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے خطاب کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں، نہایت مقدس اور پاکباز بی بی ہیں۔ حتیٰ کہ علما ان کے نبی ہونے کے قائل ہوگئے ہیں ان سے ملائکہ نے خطاب کیا اور کہا ''اے مریم شہادت حاصل کر اللہ نے تجھے منتخب کیا تجھے پاکباز اور مقدس بنایا اور تیرے زمانے میں جتنی عورتیں ہیں ان سب پر تجھے فضیلت بڑائی اور بزرگی دی۔ جب اللہ نے یہ انعام تجھے دیا اور تجھے بڑا برگزیدہ کردیا تو تیرا کام کیا ہے؟

''اے مریم! اپنے پروردگار کے سامنے عبادت گزار بندی بن کر رہ۔ سجدے اختیار کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر''۔ رکوع سے مراد نماز ہوتی ہے جہاں رکوع کا لفظ آتا ہے وہاں نماز کا ذکر ہے وہاں محض رکوع نہیں بلکہ پوری نماز مراد ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ نماز قائم کرو عبادت خداوندی کو اپنا شعار اور طبیعت بناؤ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مریمؑ کتنی بڑی پارسا اور پاک بی بی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے کتنا بڑا مقام دیا کہ فرشتوں نے ان سے خطاب کیا۔ یہ شرف کس کو حاصل ہوا؟ یہ بڑی قسمت کی چیز ہے یہ شرف ایک عورت کو حاصل ہوا، ہماری بہو بیٹیوں کو کیوں نہیں ہوسکتا بشرطیکہ وہ بھی وہی کام کریں جو حضرت مریمؑ نے کئے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان

کی کچھ اور خصوصیات تھیں وہ ان کے ساتھ خاص تھیں لیکن جو بڑائی اور کمال اللہ نے دیا تھا اس کے دروازے اللہ نے کسی کے لیے نہیں بند کئے۔ مریمؑ اگر ولی کامل بن سکتی ہیں تو ہماری عورتیں بھی ولی کامل بن سکتی ہیں، نبوت کا بے شک دروازہ بند ہو گیا۔ نبی اب کوئی نہیں ہو سکتا ایک ہی نبوت قیامت کے لیے کافی ہے اس نبوت کے طفیل میں بڑے بڑے محدث و امام، مجتہد، اولیاء آتے رہے اور آتے رہیں گے نبوت ضرورت نہیں جو مراتب نبوت تھے اسی ذات خاتم النبیین ﷺ پر ختم کر دیئے گئے۔ اب کوئی مرتبہ نبوت کا باقی نہیں رہا۔ جس کے لانے کے لیے کسی کو بھیجا جائے کہ اس پر یہ مرتبہ پورا کیا جائے۔

ایک ہی ذات پر سارے مراتب ختم ہو گئے یہ وہی ذات ہے جس کی روشنی قیامت تک چلتی رہے گی۔ روشنی کو پہنچانے والے اللہ تعالیٰ ہزاروں آئینے پیدا کر دے گا۔ آئینہ آفتاب کے سامنے ہو گا اور عکس اندھیرے مکان میں ڈال دے گا وہ بھی روشن ہو جائے گا تو نبوت کا دروازہ تو بند ہو گیا مگر روایت کا دروازہ نہیں بند ہوا اس لیے اس نبوت کے نیچے رہ کر جو بڑے سے بڑا کمال مرد کو مل سکتا ہے تو عورت کو بھی مل سکتا ہے۔ عورتیں مایوس نہ ہوں اور یہ نہ سمجھیں کہ تعلیم و تربیت وغیرہ تو مردوں کے لیے ہے ہم صرف گھر میں بیٹھنے کے لیے ہیں۔ گھر میں بیٹھ کر سب کچھ ملتا ہے اگر محنت کی جائے اور عورتیں توجہ کریں۔

عورت کی عظمت

1۔ سب سے پہلی ہستی جو مسلمان ہوئیں ایک خاتون تھیں۔ یہ اعزاز حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہوا۔

2۔ پیدائشی طور پر مسلمان بھی ایک عورت تھیں اور یہ اعزاز حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوا۔

3۔ سب سے پہلی شہادت جس نے پائی وہ بھی عورت تھی اور یہ اعزاز حضرت سُمیہؓ کو حاصل ہوا۔ یہ ابوجہل کی کنیز تھیں۔ اسلام لانے پر ابوجہل نے انہیں شہید کر دیا تھا۔

عورت مرشد کے روپ میں:- گو کے عورت کے چند روپ ہی شہرت پا سکے ہیں مثلاً ماں کا روپ، بیٹی کا روپ، بہن کا روپ اور بیوی کا روپ وغیرہ۔ عورت کا بحیثیت روحانی استاد اوراقِ تاریخ میں ذکر ملتا تو ہے لیکن بہت کم جس کی وجہ سے عورت کا یہ روشن پہلو مانند پڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ اب اگر عورت کا یہ روحانی روپ نظر آئے تو بہت حیرت ہوتی ہے اور اسے اچھا خیال نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

زمانہ نبوت سے لے کر آج تک ہر دور میں عورت اس روپ میں سرگرم عمل نظر آئی ہے۔ معروف روحانی بزرگوں نے اپنی روحانی اولاد میں سے عورتوں کو خلافت عطا کی اور ان درویش صفت خواتین نے لوگوں کی روحانی تربیت کی۔ وہ مرد کو کلاہ اور عورت کو دامن تبرک دے سکتی ہے اور اپنا نام شجرہ میں درج کر سکتی ہے۔ اس کے دلائل کتب میں موجود ہیں۔

حضرت شیخ احمد صدیقی المعروف علامہ جیون جنفیؒ "تفسیر احمد" میں اور ملا کمال الدین حسین بن علی الواعظ الکاشی المرادیؒ مواہب علیہ، المشہور "تفسیر حسینی" میں لکھتے ہیں کہ

ترجمہ: "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی بہن حضرت امیمہؓ کو حکم دیا کہ وہ عورتوں سے بیعت لیں" اس سے ثابت ہوا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت اُمیمہؓ کو اجازت بیعت عطا فرمائی جس کو اصطلاح صوفیہ میں خلافت طریقت کہتے ہیں اور انہوں نے عورتوں کو بیعت کیا۔

1۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتاب "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں لکھتے ہیں "سیدی الشیخ ابو محمد عبدالقادر جیلانیؒ اخذ الطریقت عن ابیہ ابی صالح موسیٰ جنگی دوست، عن ابیہ اسید عبداللہ عن ابیہ اسید یحییٰ زاہد عن ابیہ اسید محمد رومی عن ابیہ اسید داؤد امیر محمد اکبر، عن ابیہ موسیٰ ثانی، عن ابیہ موسی الجون، عن ابیہ اسید عبداللہ المحض، عن ابیہ اسید حسن، عن ابیہ الامام حسن المجتبیٰ، عن ابیہ وامہ سیدنا علی المرتضیٰ وسیدنا فاطمۃ الزہرہ کلھا عن النبی خاتم النبیین ﷺ۔"

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہرہؓ کو اجازت طریقت مرحمت فرمائی اور انہوں نے اپنے فرزند حضرت امام حسینؓ کو اجازت طریقت عطا فرمائی اور ان سے سند مسلسل، متصل حضرت غوث اعظم حضرت عبدالقادر جیلانی تک پہنچی، نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مجاز عورت کا شجرہ شریف میں نام داخل ہو سکتا ہے۔

2۔ حضرت مولانا نعیم اللہ نقشبندی مجددیؒ اپنی کتاب "معمولات مظہریہ" میں اپنے پیر طریقت خواجہ شمس الدین حبیب اللہ المعروف مرزا مظہر جانجاناں شہید دہلویؒ کے سلاسل طریقت لکھتے ہوئے ایک سلسلہ میں لکھتے ہیں "حضرت امام حسینؓ نے خرقہ پہنا اپنی والدہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے اور انہوں نے خرقہ پہنا اپنے والد حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے"۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حضرت فاطمہ زہراؓ خلافت یافتہ تھیں اور انہوں نے اپنے بیٹے حضرت امام حسینؓ کو خرقہ پہنایا۔

3۔ حضرت مولانا شاہ محمد حسین چشتی، صابری، قدسی، رام پوریؒ نے اپنی کتاب "آئینہ تصوف" میں لکھا ہے "حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے اپنی بیٹی سیدہ حضرت فاطمہ زاہراؓ کو خلافت عطا فرمائی"۔

4۔ مولوی حافظ نورالدین گنجویؒ اپنی کتاب ''خزینتہ الفقرا منظوم'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ جمال الدین پٹی والہؒ نے اپنی والدہ صاحبہ کوعرض کیا کہ ''مجھے بیعت کریں کہ حضرت فاطمہؓ نے اپنے بیٹے کو بیعت کیا تھا''۔

5۔ مفتی غلام سرور لاہوری اپنی کتاب ''خزینتہ الاصفیا'' جلد دوئم میں بی بی حاج ''بی بیاں پاک داماں'' کے حال میں لکھتے ہیں کہ ترجمہ: بی بی صاحبان کی برکت سے بہت سے لوگ مشرف با اسلام ہوئے اوران کے مرید ہو گئے جب یہ خبر لاہور کے حاکم کو پہنچی تو وہ پریشان ہوا اور اپنے لڑکے کو حکم دیا کہ ان کے پاس جا کر کہے کہ میرے ملک سے نکل جائیں۔ جب وہ لڑکا ان کے پاس حاضر ہوا تو وہ بھی ان کا مرید ہو گیا اور ان کے پاس ٹھہر گیا۔ بی بی صاحبہ نے ان کا نام شیخ جمال رکھا۔

6۔ مرزا محمد ستار بیگ قادری مجددی سہرابیؒ نے ''کاتب سالک السالکین فی تذکرہ الواصلین'' میں حضرت رابعہ بصریؒ کو حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے خلفاء میں درج کیا ہے۔

7۔ مفتی محمد غلام سرور لاہوری ''خزینتہ الاصفیا'' جلد اول میں بحالات خواجہ معین الدین چشتیؒ لکھتے ہیں ''بی بی حافظہ جمال نہایت ہی عابدہ، زاہدہ اور پارسا عورت تھیں اور اپنے والد بزرگوار حضرت معین الدین چشتیؒ کی مرید تھیں۔ خواجہ معین الدینؒ نے ان کو خرقہ خلافت عطا فرمایا تھا اور ان کو مستورات کی ہدایت وتلقین کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ ہزاروں عورتیں ان کی توجہ سے مقام قرب الٰہی تک پہنچیں۔ مفتی صاحب موصوف نے آگے چل کر کتاب مذکورہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلفاء کی فہرست لکھی ہے۔ وہاں چودھواں خلیفہ حضرت بی بی حافظہ جمال صاحبہؒ لکھا ہے۔

8۔ کتاب ''لطائف المتن'' میں ہے کہ حضرت شیخ عبداللہ قریشی نے اپنی زوجہ کو خلفیہ بنایا تھا (انوار القادریہ)

9۔ مخدوم حسن بخش سجادہ نشین درگاہ غوثیہ ملتان اپنی کتاب ''انوار غوثیہ'' میں لکھتے ہیں ''بعد وفات مخدوم شیخ ولایت شاہ مسند نشین حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے مسمات ''بی بی راجی'' مسند نشین اور خلیفہ ہوئیں۔

10۔ حضرت شاہ عبدالرحمن پاک قادری نوشاہی موضع بھڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ نے اپنی خادمہ ''بی بی پرانی صاحبہ'' کو خلافت عطا فرمائی۔ ان کا شمار خلفائے رحمانیہ میں ہوتا ہے۔

11۔ حضرت مولانا سید حافظ حیات ربانی نوشاہیؒ نے اپنی کتاب ''تذکرہ نوشاہی'' میں حضرت سے شاہ عصمت اللہ حمزہ پہلوانؒ کے خلیفوں میں بی بی معروفہ اور بی بی دولتی سکینہ گجرات پنجاب کا ذکر کیا ہے۔

12۔ میاں امام بخش برقندازی جالندھریؒ اپنی کتاب ''مراۃ الغفوری'' میں لکھتے ہیں کہ میری والدہ مسماۃ ''سکھی'' حاجن فاطمہ، اور بی بی جنت تینوں سید حافظ قائم الدین سبزواری نوشاہیؒ پاک پتنی کے خلفاء میں سے تھیں۔

13۔ مولانا شیخ کمال لاہوری ''تحائف قدسیہ'' میں حضرت شہمیر قلندری لاہوریؒ کے خلیفوں کی فہرست میں مندرجہ زیل مستورات کے نام لکھتے ہیں۔

''بی بی خیر النساء دہلویہ، بی بی فہیم النساء دہلوی، بی بی عائشہ اور بی بی ''رکھی''۔

14۔ مولانا شیخ پیر کمال لاہور تحائف قدسیہ میں شیخ عثمان قصوریؒ کے خلفاء میں ان بیبیوں کے نام لکھتے ہیں۔

''مائی جنت بی بیؒ کوہستانی، مائی فیضؒ بی بی لاہوری، مائی نور بی بیؒ، بی بی کلثومؒ، بی بی نادرہؒ، بی بی زلیخاؒ، بی بی صابوؒ، بی بی بیگمؒ۔

15۔ مولانا محمد حسین کرت پوریؒ اپنی کتاب ''حالات مشائخ نقشبندیہ'' صفحہ 521 پر لکھتے ہیں ''حضرت مرشد خواجہ غلام نبی مجددی کی مجازین عورتیں بھی تھیں۔ ان میں سے ایک دختر جناب حافظ فضل محمد صاحب، دوئم دختر جناب حافظ محمد اعظم صاحب، ہر روز بعد نماز مغرب صالحات جمع ہوتیں تھیں اور حلقہ منعقد ہوتا تھا اور توجہ دیتی تھیں۔

16۔ ایسے ہی حضرت سید میر کلاں پیر نوشاہی نے اپنی مریدہ حضرت میر نواب صاحبہ کو خلافت عطا کی۔ جن سے مخلوق فیضاب ہوئی اور آج تک ان کا سلسلہ پوٹھوہار اور سرحد میں موجود ہے۔

مندرجہ بالا تاریخی حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ طریقت میں عورت کو خلافت بھی مل سکتی ہے اور وہ لوگوں کو مرید بھی کر سکتی ہے۔ (روحانی ڈائجسٹ)

****

اِسلام میں ماں کی عظمت

ماں،تخلیق ،تغیر،نشونما،تولیداورنومولود کے بقا کی ذمہ دار ہے۔

ماں 2 کروڑ 33 لاکھ 28 ہزار لمحات ایک نئے انسان کے تصور میں گزار دیتی ہے۔جوخوداس کے جسم کاایک حصہ ہے۔ایک کومل نرم و نازک بچے کے اعضاء کو اگر دیکھا جائے تو ہر عضوماں کے خون سے بنا ہوا ہے۔ایک صحت مند بچے کے اندر تقریباً 12 کھرب Cells کام کرتے ہیں اور یہ سارے Cells یا خلیے بچے کوماں سے منتقل ہوتے ہیں۔ماں اپنے خون سے بچے کوغذا فراہم کرتی ہے۔قدرت کی عطا کردہ قوت تخلیق سے اس کو بڑھاتی ہے اور پھر یہ رقیق قطرہ نطفہ منجمد صورت اختیار کر کے مضغہ میں تبدیل ہوجاتا ہے،پھر یہ حجم بڑھتا رہتا ہے۔عضلات تربیت پاتے رہتے ہیں۔پھر تقریبا 9 ماہ کے بعد یہ نومولود اپنی ماں کے جسم سے الگ ہوکر اس دنیا میں برملا اپنے وجود کا اعلان کردیتا ہے۔

ابتدائے حمل سے وضع حمل تک یہ پوراعمل ماں کے اندر موجود تخلیقی قوتیں سرانجام دیتی ہیں۔اس عمل میں ہرطرح ماں کی جسمانی توانائی صرف ہوتی ہے۔تخلیق میں باپ کاعمل یہ ہے کہ وہ اپنے جسم سے افزائش نسل کے لیے بیج فراہم کرتا ہے۔اس طرح باپ کے وجود کی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔لیکن اگر بیج کوماں کا رحم تخلیقی عمل میں آگے نہ بڑھائے تو تخلیق نہیں ہوتی۔اس تخلیقی عمل کی یہ صلاحیت رب تعالیٰ نے ماں کوعطا کی ہے۔اس لیے ماں باپ اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل کے ساتھ مستقبل کے خوش کن نتائج کا انتظار کرتے ہیں۔وضع حمل کے بعد ماں کے فرائض ختم نہیں ہوجاتے۔ولادت کے بعد بچے کوسوا دوسال یعنی 19 ہزار چار سو گھنٹے تک ماں غذا بھی اپنے جسم سے مہیا کرتی ہے۔جس میں پہلے چار مہینے ایسے ہیں کہ بچے کومزید کسی قسم کی غذا کی ضرورت پیش نہیں آتی ۔حتیٰ کہ پانی پینے کا تقاضہ بھی ماں کے دودھ سے پورا ہوجاتا ہے اور بارہ سال کی عمر تک ماں بچے کو ہرطرح کی حفاظت مہیا کرتی ہے۔اس میں بچے کی دیکھ بھال،اچھی خوراک،اچھا لباس،صحت مند ماحول اور ہرطرح کی نگرانی کرتی ہے۔اس عرصہ میں بچہ اگر کبھی بیمار ہوجائے،ماں کی حالت تمام دنیا کے سامنے ہے۔غرض یہ کہ پرورش اور تربیت سب کی ذمہ داری ماں نبھاتی ہے۔ان مشاہدات اور تجربات کے حقائق کوسامنے رکھتے ہوئے ہر صاحب عقل انسان ولادت کے مسئلے پرعورت کی فضیلت تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

قادر مطلق نے چونکہ ماں اور ماں کے جذبات کوتخلیق کیا ہے۔اس لیے وہ ماں کی عزت اور خدمت پر بے حد زور دیتا ہے۔زمانہ قدیم کی تمام تہذیبوں میں عورت کوشیطان کا آلہ کار تصور کیا جاتا تھا۔مگر قرآن پاک نے عورت کو''محسنہ'' کہا ہے۔جس کا مطلب ہے شیطان کے خلاف قلعہ۔ایک اچھی عورت مرد کوغلط راستوں پر جانے سے روکتی ہے اوراسے صراط مستقیم پر رکھتی ہے۔

صحیح بخاری جلد چہارم باب 3 کی حدیث نمبر 4 میں ہے کہ''حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے نوجوان مردوں کوحکم دیا کہ وہ نوجوان جووسائل رکھتے ہیں وہ ضرور شادی کرلیں۔اس لیے کہ اس سے ان کی نگاہیں نیچی رکھنے اور شرم وحیا کی حفاظت کرنے میں مدد ملے گی''۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"جوکوئی بھی شادی کرتا ہے وہ اپنا نصف دین مکمل کرلیتا ہے''۔(مشکوۃ)یعنی بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔بچہ جب پیدا ہوتا ہے تواسے بات سمجھنے یا سمجھانے کا طریقہ نہیں آتا وہ آہستہ آہستہ نشونما کےعمل سے گزرتا ہے۔ماں اس کے لیے ماڈل ہوتی ہے۔ماں اسے جس چیز کا نام بتاتی ہے وہ ہی اس کے حافظے پرنقش ہوجاتا ہے۔اس طرح وہ دنیا میں رہنے کا ڈھب اپنی ماں سے سیکھتا ہے۔اسلام میں ماں کے ادب و احترام سے بالاتر صرف ایک شے ہے اوروہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت،سورہ انعام آیت نمبر 151 میں حکم باری تعالیٰ ہے''اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو''

سورہ لقمان آیت نمبر 14 میں یہی بات یوں بیان فرمائی گئی ہے کہ

ترجمہ:''ہم نے انسان کواس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے''اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اوراس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہوئی''

یہی بات سورہ الاحقاف کی آیت نمبر 15 میں یوں بیان کی گئی ہے۔

ترجمہ:''اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کرکے اسے جنا''۔

قرآن وحدیث دونوں میں ہے''جنت ماں کے قدموں میں ہے''۔(مشکوۃ المصابیح،بیہقی،نسائی)

بخاری شریف جلد ہشتم باب 8 حدیث نمبر 12 اور صحیح مسلم میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ

ترجمہ:''ایک شخص حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا(یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ) اس دنیا میں سب سے زیادہ میری

محبت، میری رفاقت اور میرے ادب واحترام کی کسے ضرورت ہے؟'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تمہاری ماں''۔اس نے پوچھا پھر اس کے بعد کون؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تمہاری ماں'' اس نے پوچھا پھر کون آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تمہاری ماں''۔اس نے کہا یا حضرت خاتم النبیین ﷺ اس کے بعد کون؟ فرمایا ''تمہارا باپ۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماں محبت و پیار، عزت واحترام، ادب وتعظیم اور خدمت میں باپ سے 75 حصہ زیادہ کی مستحق ہے۔یعنی محبت پیار اور خدمت کا 75 فیصد تو ماں کے حصہ میں چلا گیا اور 25 فیصد باپ کے لیے رہ گیا۔ابن حنبلؒ کی حدیث نمبر 736 میں روایت ہے

''مسلمانوں میں سب سے اچھے وہ ہیں جو کردار اور برتاؤں میں اپنے اہل خانہ اور بیویوں سے حسن سلوک کرتے ہیں''۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر 228 میں ارشاد ربانی یوں ہوا ہے کہ

ترجمہ: ''عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں۔اچھائی کے ساتھ۔ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے''

یہاں مسلمانوں نے اس آیت کو کہ ''مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے''۔غلط سیکھا ہے۔دیکھیے۔سورہ النساء آیت نمبر 34 میں کہا گیا ہے کہ

ترجمہ: ''مرد عورتوں پر قوام ہیں''

اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اسی بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔لوگوں کا خیال ہے کہ ''قوام'' کا مطلب ہے درجہ بندی میں ایک درجہ اوپر لیکن دراصل قوام کا مادہ ''اقامہ'' ہے جس کے معنی ہیں کھڑے ہو جانا۔پس ''قوام'' کا مطلب ہوا ذمہ داری میں ایک درجہ بلند''۔

تفسیر ابن کثیر میں بھی لفظ قوام کا یہی مطلب بتایا گیا ہے کہ ذمہ داری میں ایک درجہ اوپر نہ کہ حاکمیت میں یہ دست اور دستانے کا رشتہ ہے۔ماں کی ممتا، باپ کی شفقت کو سب جانتے ہی، ممتا اور شفقت نہ ہو تو بچے کی پرورش محال ہے۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تمہاری اولاد تم سے اچھا سلوک کرے گی''(حاکم)

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کے لیے کوہ طور پر گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے موسیٰ اب تم سنبھل کر آنا، تمہاری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔جو جب تم ہمارے پاس آتے تھے تو تمہاری ماں سجدے میں جا کر دعا کرتی تھی ''اے سب جہانوں کے رب میرے بیٹے سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو اسے معاف کر دینا''۔

ایک غزوہ میں کسی عورت کا بچہ گم ہو گیا۔ماں کی محبت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بھی بچہ مل جاتا تو اسے سینے سے لگاتی اور اسے دودھ پلاتی۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اسے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا ''کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے''؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کبھی نہیں''۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس سے کئی گناہ زیادہ محبت کرتا ہے''۔(بخاری، حدیث نمبر 937)

تاریخ کے صفحات پر جتنے بھی لوگ اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے ہیں ان کے پیچھے والدین خصوصاً ماں کی تربیت کا عمل دخل ہے۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی والدہ کا نام بی بی زلیخاؒ تھا۔محبوب الٰہی خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں ''ایک دن گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہ تھا، اماں نے کہا آج ہم اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔تھوڑی ہی دیر میں ایک آدمی آیا اور اناج کی ایک بوری دے گیا۔یہ اناج اتنے دنوں تک چلا کہ طبیعت گھبرا گئی کہ یہ اناج ختم کیوں نہیں ہوتا؟

حضرت نظام الدین اولیاءؒ جب رشد وہدایت اور خانقاہی امور میں بہت زیادہ مصروف ہو گئے تو آپؒ نے والدہ سے ملاقات کے لیے ہر ماہ کی 14 تاریخ مقرر کر لی۔ایک مرتبہ آپؒ کی والدہ نے آپؒ سے فرمایا ''نظام الدینؒ آنے والے مہینے میں کس کے قدموں پر سر رکھو گے؟ نظام الدینؒ سمجھ گئے۔روتے ہوئے عرض کیا آپؒ مجھ غریب اور لاچار کو تنہا چھوڑ کر جا رہی ہیں؟۔بی بی زلیخا نے کہا ''کل صبح بات کریں گے تم آج رات شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے گھر آرام کرو''۔صبح صادق کے وقت ملازم نے کہا آپؒ کو بی بی صاحبہ بلا رہی ہیں۔حضرت نظام الدینؒ ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا ''نظام الدینؒ کل تم نے کچھ پوچھا تھا میں اب تمہیں بتاتی ہوں اور حضرت نظام الدینؒ کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''اے اللہ اسے میں نے تیرے حوالے کیا اور یہ کہنے کے بعد ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں''۔

قطب الدین بن علاؤ الدین خلجی نے جامع مسجد تعمیر فرمائی اور حکم دیا کہ لوگ نماز جمعہ مسجد میں ادا کریں۔لیکن شیخ نظام الدینؒ نے جامع مسجد جانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ''ہمارے قریب کی مسجد زیادہ مستحق ہے''۔پھر ایک دن ایسا ہوا کہ بادشاہ نے حکم جاری کر دیا کہ چاندرات کو تمام مشائخ، علما اور رؤسا نئے چاند کی مبارک باد پیش کرنے کے لیے بادشاہ کے حضور حاضر ہوں۔حضرت نظام الدینؒ اس تقریب میں نہ گئے بلکہ اپنے کسی نمائندے کو بھیج دیا۔حاسدوں نے اس بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اس بات کو بادشاہ کی توہین قرار دیا۔بادشاہ نے غصہ میں حکم دیا کہ آئندہ ماہ کی پہلی تاریخ کو جو شخص حاضر نہ ہوگا۔اسے سخت سزا دی جائے گی۔یہ بات

نظام الدینؒ کو معلوم ہوئی تو کچھ کہے بغیر اپنی والدہ زلیخاںؒ بی بی کی قبر پر گئے اور عرض کیا ''بادشاہ مجھے تکلیف دینا چاہتا ہے اور اگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا تو میں آپؒ کی زیارت کے لیے نہیں آسکوں گا''۔

اگلے ماہ کی پہلی تاریخ کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ بادشاہ کے ایک مقرب خرد خان نے بادشاہ کو قتل کر کے اس کی لاش محل سے باہر پھینک دی دنیا کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام ہو یا بڑے سے بڑا پلان۔ تربیت کا عمل ہو یا کسی کارخانے میں مشین کی تیاری۔ کیمیکل کی مکسنگ ہو یا دواؤں کی پروڈکشن اور تعلیم سیکھنے کا عمل ہو یا اخلاق اقدار کا حصول۔ سائنسی ایجادات ہوں یا تسخیری فارمولے ان سب کے پس منظر راہنمائی امر لازم ہے۔ **اللہ تعالیٰ نے ماں کو انسان کا راہنما اول بنایا ہے۔**

اقوال زریں

1۔ ماں کے نافرمان پر جنت حرام کر دی گئی ہے۔ (حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ)

2۔ جب عورت حاملہ ہوتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں روزہ رکھ کر جہاد کرنے اور رات بھر عبادت کرنے والوں کی طرح ثواب ملتا ہے۔ (حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ)

3۔ اللہ تعالیٰ کو پہچانو اور ماں کا حق ادا کرو۔ (حضرت آدم علیہ السلام)

4۔ ماں کو اذیت پہنچانا قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام)

5۔ پہلا حکم یہ ہے کہ ماں باپ کی فرمانبرداری کرو۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)

6۔ میں تمہیں تمہاری ماں کے لیے سفارش کرتا ہوں۔ جس نے تمہیں پیدا کیا۔ مدرسے کی طرف راہنمائی کی شب و روز تمہاری فکر میں لگی رہی۔ تمہیں کھلایا پلایا۔ اسے اس بات کا موقعہ نہ دو کہ وہ تم سے خفا یا مایوس ہو کر بد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ یقیناً اللہ اس کی شکایتوں کو سنتا ہے۔ (حضرت لقمان علیہ السلام)

7۔ ماں کے قدموں سے چمٹے رہو، وہیں جنت ہے۔ (حضرت فاطمۃ الزہرہؓ)

8۔ اگر تو اپنی ماں کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر ستر مرتبہ حج کروائے تب بھی ماں کا حق پورا نہیں ہوتا۔ (حضرت حسن بصریؒ)

9۔ ماں کے چہرے پر محبت کی نگاہ ڈالنا، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہے۔ (حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ)

10۔ میں تخت و تاج بچانے کے لیے بھی ماں کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ (رام چندر جی)

11۔ سوتیلی ماں کی شان میں بھی برے کلمات نہ کہو وہ بھی تمہاری ماں ہے۔ (کرشن جی)

12۔ اگر کوئی برگزیدہ ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اپنی ماں کی خدمت کرے۔ (گوتم بدھ)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر لڑکی وہ بہن ہو، بیٹی ہو، یا بہو ہو اللہ تعالیٰ نے اسے ذیلی تخلیق کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ یعنی ہر عورت ماں ہے۔ وہ اگر بچے کی صحیح تربیت کر دے تو یہی ماں کا عروج ہے اور یہی اس کا کمال ہے۔ بیوی اگر ماں کی خصوصیت کو سامنے رکھ کر شوہر کی تربیت کرے تو شوہر بیوی سے بے حد محبت کرنے لگے گا۔ اس لیے کہ شوہر بھی کسی ماں عورت کا بیٹا ہوتا ہے۔ میاں بیوی آپس میں ذہنی ہم آہنگی کو برقرار رکھیں تو اولاد صالح ہو گی۔ ذہنی ہم آہنگی کا بہترین عمل یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں۔ یہ ماں کی خدمت ہی ہے جو انسان کو اویس قرنیؒ بنا دیتی ہے۔

عورت کی چار حالتیں ہیں۔ ماں، بہن، بیٹی، بیوی، ان چاروں میں ''ماں'' کا مقام سب سے اعلیٰ ہے۔

علامہ اقبال اپنی ماں کے فوت ہونے پر فرماتے ہیں:

کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار؟
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار؟
خاک مرقد پر تیری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا؟
آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نور اَب اس گھر کی نگہبانی کرے

اسلام میں مدارس کی اہمیت

بعض ممالک میں مدارس نہ رہنے کے بھیانک نتائج:- ایک عالم دین بیان کرتے ہیں کہ میں ابھی تقریباً ایک مہینہ ہوا ہے انڈونیشیا گیا تھا۔ دس دن وہاں مختلف شہروں میں گزرے۔ دینی اداروں میں جانا ہوا۔ مدرسوں میں جانا ہوا۔ علماء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ تنظیموں سے رابطہ ہوا۔ انڈونیشیا میں غیر اسلامی نظام حکومت ہے۔ سکولر اور لادینی نظام۔ انڈنیشیا آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا مسلم ملک ہے جسکی آبادی اٹھارہ کروڑ ہے اور وہاں عام مسلمان الحمدللہ ایمان و دین پر جان دینے والے ہیں۔ قرآن کیا پڑھتے ہیں دل کھینچ لیتے ہیں۔ باقاعدہ تلاوت کرتے ہیں۔ خاموشی سے یا دل میں وہاں قرآن پاک کوئی نہیں پڑھتا یہ رواج وہاں ہے ہی نہیں۔ تلاوت کی طرح تلاوت کرتے ہیں گویا بہترین قرآن پاک پڑھتے ہیں۔ وہاں بڑے بڑے قاری ہیں۔ مساجد آباد ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ مساجد میں زیادہ تر نوجوان ہوتے ہیں لیکن حکومت وہاں پر غیر اسلامی ہے اور دوسروں کی آلہ کار ہے۔ لہٰذا وہاں پر کیفیت یہ ہے کہ ایک قصبہ میں وہاں کے ایک عالم دین نے جو مسجد کے امام تھے بھرے مجمع میں اپنے معتقدین سے کہہ دیا کہ ہمارے ملک میں اسلامی نظام آنا چاہیئے۔ اگلے ہی دن کمانڈوز پہنچے اور مسجد میں گھس گئے۔ جتنے لوگ مسجد کے اندر موجود تھے سب کو بھون ڈالا گیا۔ مسجد سے نکل کر کچھ لوگ گھروں میں پناہ لینے گھسے تو ان گھروں کو بھی مسمار کر دیا گیا۔

ایک دن میں نوسو مسلمان شہید کر دیئے گئے جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ ایک عالم دین نے یہ بات کہہ دی تھی کہ اسلامی نظام آنا چاہیئے اور عوام نے تائید کی تھی۔ ایک اور جزیرہ میں بھی ایسا ہی ہوا تھا وہاں ایک چھوٹی مسجد کے اندر اسلام کی بات کی گئی تھی۔ اگلے ہی دن وہ مولوی صاحب غائب کر دیئے گئے اور کبھی نہ پتہ چل سکا کہ وہ کہاں گئے۔ انڈونیشیا میں پرانے طرز پر چندوں سے چلنے والے مدرسے ختم کر دیئے گئے ہیں۔ وہاں کی حکومت سے ہم نے دینی مدرسوں میں جانے کے لئے کہا تھا اور ہمیں خوشی تھی کہ علماء سے ملاقاتیں ہوں گی۔ دینی مدرسے دیکھیں گے ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں گے علمی حلقوں سے روابط بڑھیں گے۔ لیکن وہاں تو آج کل تمام تر توانائیاں ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت (مسلم آبادی کو ختم کیا جائے۔ پکے مسلمانوں کو ختم کیا جائے) ایک بڑی مہم پر خرچ کر رہے ہیں۔ اور وہ ہے خاندانی منصوبہ بندی اس مہم پر حکومت کی پوری توانائیاں لگی ہوئیں ہیں اور یہ کام ان کی قومی پالیسی کا بنیادی حصہ اور بنیادی ستون بن گیا ہے۔ وہ جس مدرسے میں ہمیں لے کر گئے وہاں ہمیں بتایا گیا کہ فیملی پلاننگ کی ٹریننگ کا لیکچر ہو رہا ہے۔

علماء کی ایک تنظیم کے قائم کئے ہوئے ہسپتال میں بھی جانا ہوا۔ لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں اصل کام صرف فیملی پلاننگ کا ہی ہوتا ہے۔ آپریشن تھیٹر کی طرف لے جاتے ہوئے میزبانوں نے بتایا کہ یہاں ہماری عورتوں کے آپریشن کئے جاتے ہیں کہ وہ بچے پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں۔ علماء کی دو بڑی تنظیمیں ہیں جن کے تحت بہت سارے چھوٹے بڑے دینی مدرسے چل رہے ہیں ان مدرسوں میں ہم جہاں بھی گئے وہاں کے مہتمم نہ یہ بتاتے تھے کہ ہم قرآن کتنا پڑھاتے ہیں؟ نہ یہ بتاتے تھے کہ ہم حدیث کتنی پڑھاتے ہیں؟ اور نہ ہی یہ بتاتے تھے کہ فقہ کیا پڑھاتے ہیں؟ وہاں علمائے پاکستان کے وفد کو ہر مدرسے میں صرف یہ بتایا گیا کہ ہم نے فیملی پلاننگ کے سلسلے میں اتنے آدمیوں کو ٹیکے لگائے۔ اتنی عورتوں کے آپریشن کروائے اور فیملی پلاننگ کی تبلیغ کے لئے اتنا لٹریچر شائع کیا۔ ایک پرائمری سکول میں بھی لے جایا گیا پرائمری سکول میں بچیوں کی عمر کیا ہوتی ہے۔ ہم نے پوچھا یہ کیا پڑھ رہی ہیں جواب ملا ان کو فیملی پلاننگ کا سبق پڑھایا جا رہا ہے۔ عقلوں پر ایسے پردے پڑ گئے ہیں کہ ذرا ذرا سی نابالغ بچیوں کو بھی ایک ہی سبق دلوایا جاتا ہے کہ وہ ہے "فیملی پلاننگ کی افادیت" یہ حال وہاں کے دینی مدرسوں کا ہے۔

وجہ کیا ہے؟ وہ آزاد مدرسے ختم ہو گئے ہیں اور اب وہ دینی مدرسے رہ گئے ہیں جو حکومت کے خرچے پر چلتے ہیں تقریباً یہی حال اور بہت سے مسلم ممالک کا ہے۔ حرمین شریفین جو الحمدللہ ہمارا مرکز اور ہمارا منبع ہیں ہماری قوتوں کا سرچشمہ ہیں وہاں بھی علماء حق الحمدللہ کم نہیں ہیں۔ لیکن وہاں بھی اس قسم کے آزاد مدارس باقی نہیں رہے۔ جتنے مدرسے ہیں وہ سب سرکاری تحویل اور سرکاری انتظام میں ہیں اور جب کوئی سرکاری امداد لینے کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر وہ آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

شام کے ایک بزرگ کا واقعہ:- ملک شام کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ شام میں ابدال ہیں آپ خاتم النبیین ﷺ نے شام کے لیے دعا کی تھی ملک شام میں ایک بزرگ قلندرانہ انداز کے رہتے تھے۔ ترکی میں خلافت عثمانیہ کا زمانہ تھا ترکی میں ایک گورنر تھے وہاں کے اس گورنر کو ملک شام کے ایک قلندر بزرگ کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے اس بزرگ کی خدمت میں جانے کا فیصلہ کیا۔ گورنر ملک شام میں بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت وہ بزرگ ٹیک لگائے پاؤں پھیلائے بیٹھے ہوئے تھے۔ گورنر سے بڑی خندہ پیشانی سے ملے، مصافحہ کیا، بٹھایا محبت سے باتیں کیں۔ لیکن پاؤں نہیں سمیٹے۔ اس طرح پاؤں پھیلائے بیٹھے رہے جب گورنر جانے لگے تو ان کے دل میں خیال آیا میں گورنر اور حاکم تھا۔ انہوں نے اتنا بھی لحاظ نہ کیا کہ اپنے پاؤں ہی سمیٹ لیتے لیکن پھر اس بات کو دل سے نکال دیا۔ گھر جا کر گورنر نے ان

بزرگ کی خدمت میں ایک تھیلی اشرفیوں کی بھیجی انہوں نے واپس کر دی۔ دوبارہ اپنے وزیر کو بھیجا پھر بھی واپس کر دی۔ تیسری مرتبہ وہ خود حاضر ہوئے اور کہا "حضرت آپ میرا بھیجا ہوا تحفہ کیوں واپس کر دیتے ہیں؟ کیا مجھ سے کوئی قصور ہو گیا ہے"؟ بزرگ نے جواب دیا "نہیں تم نے کوئی قصور نہیں کیا ہے۔ بس بات اتنی سی ہے کہ ہم نے پاؤں پسار لیے ہیں اور ہاتھوں کو سمیٹ لیا ہے۔ ہاتھ پھیلانے والا پاؤں نہیں پھیلا سکتا"۔

یہ مدرسے پاکستان اور بنگلہ دیش میں الحمداللہ بڑی آزادی سے کام کر رہے ہیں۔ اور جو کارنامے انجام دے رہے ہیں اس وقت پوری دنیا میں اس انداز سے کہیں یہ کارنامہ انجام نہیں دیا جا رہا۔ ان مدرسوں کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ ان کی قدر و قیمت مسلمانوں کو نظر نہیں آتی لیکن امریکہ اور اسرائیل کی نگاہ ان مدرسوں پر ہے امریکہ اور دیگر اسلامی دشمن عناصر ان کی تباہی کی ہر ممکن کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ جامع حفصہ کی تباہی ان مغربی دنیا کی ایک سوچی سمجھی سکیم تھی۔ مدرسہ اور علما کرام اور ہمارے چار ہزار کے قریب زیر تعلیم طلباء اور حفاظ کرام کو ختم کرنے کا یہ منصوبہ امریکہ اور امریکہ کے خریداروں کے ہاتھوں رونما ہوا۔ اور ہمیشہ کے لئے اسلام دشمن مسلمانوں کے منہ پر سیاہی چھوڑ گیا۔ ان مدارس کی بڑی اہمیت ہے۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ كُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلِمَه "تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور دوسرں کو سکھائے"۔ (سنن ترمذی)

اب دیکھیے کہ قرآن کے سیکھنے میں اس کے الفاظ کا سیکھنا ہی داخل نہیں ہے بلکہ اس کے معنی کا سیکھنا اس پر عمل کرنے کا طریقہ سیکھنا بھی داخل ہے تو جو قرآن کے سیکھانے میں لگا ہوا ہے وہ اس امت کا بہترین انسان ہے۔ اور جو طبقہ اس کام میں لگا ہوا ہے (علماء کرام اور مدارس کا طبقہ) وہ اس امت کا بہترین طبقہ ہے۔ اور وجہ بھی ظاہر ہے کہ جب تک یہ طبقہ موجود ہے اس وقت تک مسجدیں آباد رہیں گی۔ اس وقت تک جہاد بھی چلتا رہے گا، تبلیغ بھی چلتی رہے گی جہاد کے لئے اخلاص کا ہونا اور اخلاص کے لیے دینی سمجھ کا ہونا ضروری ہے۔ جو شخص اپنے دین سے جتنی محبت کرے گا اس کے اعمال میں اتنا ہی اخلاص پیدا ہو گا اور ہر وہ کوشش جو کلمتہ اللہ کے بلند کرنے کے لئے کی جائے وہ جہاد ہے۔ اس سلسلے میں تبلیغ کا جاری رکھنا بے حد ضروری ہے۔ پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ تعلیم اور تبلیغ میں ایک نمایاں فرق ہے اور وہ یہ کہ **تعلیم طلب والوں کو دی جاتی ہے اور تبلیغ بے طلبوں میں طلب پیدا کرنے کے لئے اور بے حسوں میں احساس پیدا کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ طالب علم، علم کی طلب میں خود چل کر آتے ہیں۔ اور بے طلب لوگ ہمارے پاس خود چل کر نہیں آئیں گے۔ ہمیں ان کے پاس خود چل کر جانا پڑے گا۔ یہی انبیاء کرامؑ کا طریقہ ہے اور اسی کو تبلیغ کہتے ہیں۔** علماء اور عوام میں فاصلے نہیں ہونے چاہئیں۔ جن ممالک میں علماء کا طبقہ، مدارس چلانے والوں کا طبقہ نہ رہا، نہ وہاں جہاد رہا، نہ تبلیغ رہی اور نہ اسلامی نظام کی باتیں رہیں۔

****

حقوق اللہ اور حقوق العباد

حقوق کی چار قسمیں ہیں۔یعنی شریعت کی رو سے ہر انسان پر چار قسم کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق

2۔ اس کی اپنی جان یا اِس کے نفس کے حقوق

3۔ بندوں کے حقوق

4۔ مخلوقات کے حقوق۔یعنی اُن چیزوں کے حقوق جن کو اللہ تعالیٰ نے اُس بندے کے اختیار میں دیا ہے۔

ان چاروں قسم کے حقوق کو سمجھنا اور ٹھیک ٹھیک ادا کرنا۔ ہر مسلمان پر فرض ہے۔شریعت ان تمام چیزوں کے حقوق الگ الگ بیان کرتی ہے اور ان کو ادا کرنے کے ایسے طریقے بیان کرتی ہے کہ جن سے ایک ساتھ تمام حقوق بھی ادا ہو جائیں اور حتی الامکان کسی کی حق تلفی بھی نہ ہونے پائے۔

1۔اللہ تعالیٰ کے حقوق:

i)۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ انسان صرف اور صرف اُسی کو اپنا معبود جانے۔اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور یہ حق **لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ** پر ایمان لانے سے ادا ہو جاتا ہے۔

ii)۔ اللہ تعالیٰ کا دوسرا حق یہ ہے کہ جو ہدایت اُس کی طرف سے آئے اُسے سچے دل سے قبول کرے اور یہ حق **محمد خاتم النبیین** ﷺ پر ایمان لانے سے ادا ہو جاتا ہے۔

iii)۔ اللہ تعالیٰ کا تیسرا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمابرداری کی جائے اور یہ حق اُس کے قانون کی پیروی کرنے سے ادا ہو جاتا ہے۔جو قانون اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حضرت **محمد خاتم النبیین** ﷺ کی سنت میں بیان ہوا ہے۔

iv)۔اللہ تعالیٰ کا چوتھا حق یہ ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے۔اِس حق کو ادا کرنے کے لیے کچھ فرائض انسان پر عائد کئے گئے ہیں۔مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔

2۔اپنے جسم اور اپنے نفس کے حقوق:

ہمارے جسم کا بھی ہم پر حق ہے۔اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ انسان سب سے بڑھ کر خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔انسان میں ایک بڑی کمزوری ہے اور وہ یہ کہ اس پر جب کوئی خواہش غالب آجاتی ہے تو اس کا غلام بن جاتا ہے اور اس کے لیئے جان بوجھ کر یا انجانے میں بہت سا نقصان کر لیتا ہے مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ:

i)۔ ایک شخص کو لذیذ کھانوں کی چاٹ پڑ گئی وہ اچھے اور لذیز کھانوں کی لت میں پڑ کر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال لیتا ہے۔

ii)۔ ایک شخص کو نشے کی چاٹ لگ گئی ہے۔تو اِس نشے کی خاطر دیوانہ ہو جاتا ہے۔صحت کا نقصان، عزت کا نقصان۔ روپے پیسے کا نقصان۔غرض ہر چیز کا نقصان برداشت کر لیتا ہے۔

iii)۔ ایک شخص شہوانی خواہشات کا بندہ بن گیا ہے۔اور ایسی حرکتیں کرنے لگا کہ جِس کا لازمی نتیجہ ہلاکت ہی ہوگا۔

iv)۔ ایک شخص جس کو روحانی ترقی کی دھن سمائی وہ اپنی جان کے پیچھے پڑ گیا۔کھانے سے بچتا ہے۔کپڑوں سے بچتا ہے۔آرام سے بچتا ہے شادی سے بچتا ہے۔ آرام سے بچتا ہے۔حتی کہ سانس لینے سے بھی انکاری ہے۔

رشتہ دار عزیز و اقارب اُس کو وقت ضائع کرنے والے لگتے ہیں۔جنگلوں میں نِکل جاتا ہے۔اور یہ گمان کرتا ہے کہ یہ دنیا اُس کے لیئے نہیں بنائی گئی ہے۔ اسلامی شریعت چونکہ ایک انسان کی فلاح و بہبود چاہتی ہے اس لیئے یہ اُس کو خبر دار کرتی ہے کہ:

ترجمہ: "تیرے اوپر تیرے نفس کا بھی حق ہے"۔شریعت اُسے ایسے تمام کاموں سے روکتی ہے جو اس کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

مثلاً شراب، نشہ آور اشیاء، درندوں کا گوشت زہریلے جانور، ناپاک گوشت وغیرہ شریعت مردار جانور کو حرام قرار دیتی ہے کیونکہ انسان کی صحت اُس کے اخلاق اور اُس کی روحانیت پر ان چیزوں کا اثر ہوتا ہے۔شریعت پاک اور مفید چیزوں کو انسان کے لیئے حلال قرار دیتی ہے۔شریعت کا کہنا ہے کہ انسان اپنے جسم کو پاک غذاؤں سے محروم نہ کرے۔اپنے جِسم کو لباس سے محروم نہ کرے۔کیونکہ انسان کے جِسم کا بھی اُس پر حق ہے۔شریعت اُسے روزی کمانے کا حکم دیتی ہے۔خواہشات

نفسیانی کو پورا کرنے کے لئے اُسے شادی کا حکم دیتی ہے اور یہ بھی کہ آرام دہ زندگی کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ شریعت یہ بھی بتاتی ہے کہ اگر روحانی ترقی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور آخرت میں نجات چاہتے ہو تو اس کے لئے دنیا کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اِس دنیا میں پوری دنیاداری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اُس کی نافرمانی سے بچنا، اُس سے ڈرنا۔ اُس کے قوانین کی پیروی کرنا۔ دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ شریعت خودکشی کو حرام قرار دیتی ہے اور بندے کو کہتی ہے کہ تیری جان دراصل اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ یہ امانت تجھے اس لیے دی گئی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی مدت تک اس کی حفاظت کرے اور اس کو ضائع نہ کرے۔

3۔ بندوں کے حقوق:

ایک طرف تو شریعت نے انسان کو اپنے نفس اور جسم کے حقوق ادا کرنے کو کہا ہے اور دوسری طرف یہ کچھ پابندیاں بھی عائد کرتی ہے کہ ان حقوق کو ادا کرنے کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ جس سے دوسروں کے حقوق متاثر ہوں۔ چنانچہ شریعت، چوری، جھوٹ، لوٹ مار، رشوت، خیانت، سودخوری، شراب خوری اور خودکشی کو حرام قرار دیتی ہے۔ کیونکہ ان ذرائع سے انسان کو جو فائدہ ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے نقصان سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح غیبت، چغل غوری، بہتان تراشی کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ افعال دوسروں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جوئے، نشے اور لاٹری کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں ایک شخص کا فائدہ اور ہزاروں کا نقصان ہوتا ہے۔

دھوکے اور فریب کے لین دین سے منع کیا گیا ہے اور ایسے تمام معمولات کو حرام قرار دیا گیا ہے جس میں کسی فریق کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ ایک شخص کے فائدے اور تسکین کے لیے دوسروں کی جان لینے یا انہیں تکلیف پہنچانے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ زنا اور عمل لوط کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس قسم کی تمام بدکاریاں حرام ہیں۔ شریعت کہتی ہے کہ لوگوں کے باہمی تعلق اس طرح قائم کئے جائیں کہ وہ سب ایک دوسرے کی بہتری کا باعث اور ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔

4۔ تمام مخلوقات کا حق:

اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار مخلوق پر انسان کو اختیار دیا ہے انسان اپنی عقل وقوت سے ان کو تابع کرتا ہے۔ اِن سے کام لیتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے اس کو ایسا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے پورا حق دیا ہے۔ اور تمام مخلوقات کو انسان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کو اپنے استعمال میں لا سکے مگر پھر ان چیزوں اور جانوروں کے حقوق بھی انسانوں پر ہیں اور وہ حقوق یہ ہیں کہ انسان ان کو بلاضرورت تکلیف نہ دے ان کے ساتھ بے دردی سے پیش نہ آئے۔ اور ان کو فضول ضائع نہ کرے۔ صرف اپنے فائدے کے لیے ان کو کم از کم اتنا ہی نقصان پہنچائے جتنا شریعت میں اُن کے متعلق احکامات میں بیان کر دیا گیا ہے۔ مثلاً جانوروں کو صرف ان کے نقصان سے بچنے کے لیے یا پھر غذا کے لیے (ہلاک) یا ذبح کرنے کی اجازت ہے۔ مگر بلاضرورت کھیل یا تفریح کے لیے ان کی جان لینے سے روکا گیا ہے۔

اسلام جانوروں کو تکلیف دے کر بے رحمی کے ساتھ مارنے سے بھی روکتا ہے۔ جانوروں کو تکلیف دے کر مارنا ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ شریعت تو زہریلے جانوروں اور درندوں کو صرف اِس لیے مارنے کی اجازت دیتی ہے کہ انسانی جان اُن سے زیادہ قیمتی ہے۔ مگر ان جانوروں کو بھی عذاب دے کر بے رحمی سے مارنے پیٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ جانور تو جانور اسلام اِس کو بھی ناپسند کرتا ہے کہ درختوں اور پودوں کو بے فائدہ نقصان پہنچایا جائے۔ اس کے علاوہ اسلام تو بے جان چیزوں کو ضائع کرنے سے بھی منع کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانی کو فضول ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ٹھنڈے پانی کو اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرار دیا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ تمام مسلمان خواہ وہ کسی نسل یا کسی رنگ کے ہیں ایک وحدت ہیں۔ ایک جان ہیں۔ ایک روح ہیں۔ ایک رشتہ اسلام میں منسلک ہیں اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اسلام میں انسان اور انسان کے درمیان بجز عقیدے اور عمل کے کسی چیز کی بنا پر فرق نہیں رکھا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر دنیا کے کسی بھی کونے میں کسی مسلمان کو کوئی تکلیف ہو یا کسی مسلمان پر ظلم ہوتا ہے تو دنیا بھر کے مسلمان تڑپتے ہیں اور بے چین ہو جاتے ہیں۔

قرآن پاک سورۃ الحجرات آیت نمبر 13 میں فرمان خداوندی ہے:

ترجمہ: "بے شک تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر وہ ہے جو تقویٰ میں اچھا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہمارا معبود ہے، ایک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادات کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی کوئی انسان اپنی عبادات سے اللہ تعالیٰ کو ہرا سکتا ہے۔ ہر انسان اللہ کے فضل سے بخشا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حقوق العباد کا خیال رکھنے کے لیے فرمایا ہے۔ ایک کامل ایمان والا انسان ہی تقویٰ والا کہلاتا ہے۔ کامل ایمان والا وہ شخص ہوتا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورے طور پر بجا لاتا ہے۔ ایک شخص اگر حقوق اللہ بجالائے اور حقوق العباد کا خیال نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضعیف الایمان ہے۔ اگر ایک شخص حقوق العباد بجالائے اور حقوق اللہ ادا نہ کرے تو وہ ناقص الایمان کہلاتا ہے"۔ یعنی اُس میں ایمان ہے لیکن ضعیف ہے اللہ تعالیٰ غفار ہیں۔ معاف کرنے والا اپنے تمام بندوں کو اُن کی توبہ پر معاف کر دیتا ہے لیکن حقوق العباد کی معافی نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ شخص معاف نہ

کرے جس کا حق مارا گیا یا جس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو۔روزِ محشر تین طرح کی کچہریاں لگیں گی یعنی تین طرح کی پیشی ہوگی۔

i)۔شرک کی کچہری:۔ اِس میں وہ لوگ پکڑ میں آئیں گے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا۔ایسا ہر مجرم پکڑ میں آ جائے گا۔گویا اِس کچہری میں یا اِس پیشی میں معافی نہیں ہے۔

ii)۔حقوق اللہ کی کچہری:۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پیشی ہوگی اور اس میں معافی ہی معافی ہے۔

iii)۔حقوق العباد کی کچہری یا پیشی:۔ اِس پیشی میں پکڑ ہی پکڑ ہے۔یعنی حقوق اللہ میں معافی ہے۔اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔وہ غفار ہے اس لئے وہ اپنے حق میں کی گئی کوتاہی اور کمی کو معاف فرما دے گا۔لیکن حقوق العباد کی کوتاہیاں معاف نہیں کی جائیں گی۔حقوق العباد میں پہلا حق ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا ہے۔اور اُسے اپنے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رکھنا ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:"قیامت کے دن مُومن کے میزان میں حُسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ وزنی نہ ہوگی۔بلاشبہ اللہ تعالیٰ بد اخلاق،فحش گو اور بدکلام انسان کو پسند نہیں کرتا"۔(مشکوۃ المصابیح،جلد 3،حدیث نمبر 5081)

ایک مرتبہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہمارے نزدیک مُفلس وہ ہے جس کے پاس دینار و درہم نہ ہوں"۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:"میری امت کا مفلس وہ شخص ہوگا جس کے پاس عبادات کا ذخیرہ ہوگا۔لیکن اُس نے کسی کا حق مارا ہوگا۔کسی پر ظلم کیا ہوگا۔کسی پر بہتان لگایا ہوگا۔کسی کے ابرو ریزی کی ہوگی،کسی کو ستایا ہوگا۔روزِ محشر یہ تمام لوگ اپنے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا بدلہ لینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہو جائیں گے۔اور اللہ تعالیٰ سے اِس شخص کے بارے میں سوال کریں گے کہ آج ہمیں ہمارے ساتھ کئے گئے ظلم کا بدلہ دلوایا جائے"۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج ہر شخص دینار و درہم سے خالی ہے بدلہ کس طرح چکایا جائے۔یہ تمام لوگ کہیں گے کہ باری تعالیٰ آج ہم نیکیوں کے طالب ہیں۔اِس کی نیکیاں ہمیں دلوا دو۔پھر اِس شخص کی نیکیاں ان لوگوں کو اِس زیادتیوں کے کفارے کے طور پر دلوائی جائیں گی۔اگر نیکیاں ختم ہو گئیں اور اِس کے ظلم و زیادتی کے شکار لوگ اَب بھی باقی ہیں۔تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اَب کیا کیا جائے؟ یہ لوگ عرض کریں گے کہ باری تعالیٰ ہمارے گناہ اِس کے سر پر ڈال دے۔پھر ان لوگوں کے گناہ اُس کے اوپر لاد دیئے جائیں گے۔اور پھر اِس شخص کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا"۔(صحیح مسلم،جلد 6،حدیث نمبر 6579)(مسند احمد،جلد 12،حدیث نمبر 13167)

اِس لیئے عقلمند وہ ہے جو اِس دنیا میں رہتے ہوئے حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی پورا پورا خیال رکھے۔کیونکہ حقوق اللہ کا معاملہ روزِ محشر قابل سماعت اور قابل معافی ہے لیکن حقوق العباد کا معاملہ قابل سماعت تو ہوگا لیکن قابل معافی نہ ہوگا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ عقل اور فہم عطا فرمائے نیز حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے طور پر ادا کروا کر ہمیں ایمان کامل عطا فرمائے۔(آمین)

****

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی

حقوق اللہ میں پہلے فرائض آتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ ان عبادات کو اپنے وقت پر ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

حقوق اللہ کی ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد سے جن فرائض کو ترک کرتے رہے ہیں اور جن واجبات کو چھوڑا ہو ان کی ادائیگی کی جائے۔

فرض عبادات قرض کیا؟ یہ قرض کیسے ہے اس کے لئے حدیث مبارکہ ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرا باپ بوڑھا ہے سواری پر سوار نہیں ہوسکتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج ادا کروں؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "اگر تیرے باپ پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تو اس قرض کو ادا کرتا"؟ اس شخص نے جواب دیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ" "ضرور ادا کرتا" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "پھر اللہ تعالیٰ کا قرض تو اس بات کا زیادہ تقاضہ کرتا ہے کہ تو اسے اتارے"۔ (سنن نسائی)

اس سے ثابت ہوا کہ ہر فرض عبادت قرض ہے۔ اور قرض کا ادا کرنا لازم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ سب کی ادئیگی کرنا لازم ہے۔

سب سے پہلے قضاء نمازیں:۔

زندگی میں جو نمازیں قصداً یا سہواً چھوٹ گئیں ہوں ان کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے یوں حساب لگائے کہ جب سے میں بالغ ہوا ہوں میری کتنی نمازیں چھوٹی ہوں گی؟ ان کا اندازہ لگا کر مہینوں کی تعداد کو دنوں کی تعداد میں بدل لیں۔ قضا نماز کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ بس یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ سورج نکلتا چھپتا نہ ہو اور زوال کا وقت نہ ہو۔ سورج نکل کر جب ایک نیزہ بلند ہوجائے تو قضا نمازیں اور نوافل سب پڑھنا جائز ہے۔ اشراق کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد بھی قضا نماز پڑھنا درست ہے۔

ایک دن کی قضا نماز کی بیس رکعات ہوتی ہیں۔

2 فرض فجر، 4 فرض ظہر، 4 فرض عصر، 3 فرض مغرب، 4 فرض عشاء اور 3 وتر واجب۔ یہ کل 20 رکعت ہوئیں۔

قضا نمازوں کی ادائیگی سے پہلے کسی دن 2 رکعت نماز نفل ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں اور اس سے کہیں کہ باری تعالیٰ میں تیرا بڑا ہی مقروض ہوں میں آج توبہ کرتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ آج کے دن سے آئندہ میں کوئی نماز قضا نہیں کروں گا اور گزشتہ نمازوں کو ادا کرنے کی (قضا کو ادا کرنے کی) کوشش کروں گا باری تعالیٰ اس میں میری مدد فرمانا (آمین)۔ اب اگر موجودہ دن میں کوئی نماز قضا ہوجائے تو اسے دوسری نماز سے پہلے ادا کرلیں (یعنی اس کے صرف فرض رکعت کو) اور اس رات سوتے وقت خیال کریں کہ آج میری کوئی نماز رہ تو نہیں گئی۔ صرف اس طرح گزشتہ نمازوں کی قضاء ممکن ہوسکے گی۔ اگر کسی مقرر دن سے نماز قضا نہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا جائے گا تو پھر یہ قضا نمازوں کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ جمعۃ الوداع یا کسی اور دن یا رات میں قضاءِ عمری کے نام سے دو رکعت پڑھنے سے سب چھوٹی ہوئی نمازیں ادا ہوجاتی ہیں یہ بالکل غلط ہے۔

دوسرے بہت سے لوگ نفلوں کا اہتمام کرتے ہیں اور برس ہا برس کی قضا نمازیں ان کے ذمہ ہوتی ہیں ان کو ادا نہیں کرتے۔ یہ بہت بڑی بھول ہے۔ نفلوں کی بجائے قضا نمازوں کی ادائیگی کرنی چاہیے۔ اگر پوری قضاء نمازوں کے ادا کئے بغیر موت آگئی تو مواخذہ کا سخت خطرہ ہے۔

قضا نمازوں کی ادائیگی کا بیان:۔

(1) ایک دن کی قضاء نماز کی 20 رکعت ہوں گی۔

(2) قضاء نماز میں رکوع اور سجود میں تسبیح "سُبحَانَ رَبِّیَ الْعَلٰی" "سُبحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم" ایک مرتبہ پڑھنی ہے۔

(3) فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بجائے "سبحان اللہ" تین مرتبہ پڑھنا ہے۔

(4) وتر کی تینوں رکعت میں الحمد کے ساتھ سورہ بھی پڑھنی ہے۔

(5) وتر میں دعائے قنوت کے بجائے "اَللّٰھُمَّ الْغفِرْلِیْ" تین مرتبہ یا اللہ اکبر ایک مرتبہ پڑھنا ہے۔

(6) التحیات کے بعد "اَللّٰھُمَّ صِلِ عَلٰی محمدٍ وَّ آلِہٖ" پڑھ کر سلام پھیر دینا ہے۔

مندرجہ بالا تخفیف نماز میں علماء کرام نے صرف قضا نمازوں کے لئے فرمائی ہے۔ تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنی قضا نمازوں کو ادا کرسکیں۔

قضا نماز ادا کرنے کی نیت:۔ قضا نمازوں کے دِنوں کی تعداد نکال لی جائے۔ مثال کے طور پر کل دنوں کی تعداد 500 آئی ہے۔ اب نیت کرنی ہے۔

نیت:۔نیت کرتا ہوں یا۔نیت کرتی ہوں دو رکعت نماز فرض۔فرض فجر۔وقت قضا قضا اول منہ میرا کعبہ شریف کی طرف ''اللہ اکبر''۔اس طرح فجر کی قضا کے بعد ظہر کے چار فرض کی قضا کی نیت کرنی ہے۔یہ بات یاد رہے کہ وقت قضا اور قضا اول ضرور کہنا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ:

اے باری تعالیٰ 500 دنوں کی قضا میں سے جو سب سے پہلے والا دن ہے اس کی قضا میں ادا کر رہی ہوں یا کر رہا ہوں۔فجر،ظہر،عصر،مغرب اور عشاء کی قضاء ہوگی۔اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ بقایا 499 دن رہ گئے۔اب پھر اس طرح نیت کرنی ہے۔

''پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے لئے وقت قضاء فرض فجر،قضا اول منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر''۔اس طرح پانچوں نمازوں میں وقت قضا اور قضا اول کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ باری تعالیٰ 499 دنوں کی قضا میں سے سب سے اول دن کی قضا میں ادا کر رہا ہوں۔بس اس طرح ایک ایک دن کی قضا ادا کرتے رہیں۔

اس قضا کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتے رہیں کہ ''مالک میں تیری یا تیرا بڑا ہی مقروض ہوں۔تیری دی ہوئی توفیق کے ساتھ میں اس قرضے کو ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن باری تعالیٰ اگر درمیان میں میرا وقت پورا ہو جائے یعنی میری موت آجائے تو جہاں تو میرے اور بہت سے گناہ معاف فرمائے گا۔میری نمازوں کے اس قرضہ کو بھی معاف فرما دینا''۔یہ معافی اس شخص کو ہوگی جو قرضہ اتارنے کی کوشش میں لگا رہے موجودہ نمازوں کو قضا نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست بھی کرتا رہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی:۔

اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں خوب غور کریں کہ مجھ پر کتنی زکوٰۃ فرض ہے؟ اور میں نے پوری ادا کر دی ہے یا نہیں؟ حساب لگا کر پوری ادا کر دی جائے۔اگر پچھلے کچھ سالوں سے ادا نہیں کی اور اب اللہ نے توفیق دی ہے تو پچھلے سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی کر دی جائے۔

اگر زکوٰۃ فرض ہے لیکن ادا کرنے کے لئے مال نہیں ہے تو جتنی زکوٰۃ فرض ہے اس کو ایک یادداشت میں لکھ لیا جائے کہ یہ میں نے ادا کرنا ہے۔اور یادداشت کو باقی گھر والوں کو دکھا دیا جائے کہ میری یہ زکوٰۃ واجب الادا ہے۔بہتر تو یہ ہوتا ہے کچھ زیور ہی فروخت کر کے زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ورنہ ضرور لکھ لیا جائے اور جیسے ہی اللہ تعالیٰ فراخی دے فوراً ادا کر دی جائے اسی طرح صدقہ فطر کی ادائیگی بھی اگر نہیں کی ہے تو اس کو بھی بعد میں ادا کر دینا چاہیے۔اسی طرح قربانی کی اگر ادائیگی نہیں کی تو وہ بھی گزشتہ کئی سالوں کی کسی بھی عید الاضحیٰ پر ادا کی جا سکتی ہے۔

سجدہ تلاوت قرآن پاک کی ادائیگی:۔

ہمارے ہاں ایک عام دستور ہے کہ بچوں کو جب ناظرہ قرآن پاک پڑھایا جاتا ہے تو سجدہ تلاوت قرآن کرنے کا نہ تو طریقہ بتایا جاتا ہے اور نہ ہی یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ کتنا ضروری ہے۔کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت مکمل کر کے آخیر میں 14 سجدے ادا کر دیتے ہیں۔یہ بالکل غلط ہے۔

اگر ہم توجہ سے قرآن پاک کو پڑھیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہر سجدے کی آیت کا ایک خاص مطلب ہے اور اللہ تعالیٰ جہاں ہمیں جھک جانے کا حکم دے رہا ہے (سجدہ کرنے کا) وہیں پر ہم نے جھکنا ہوتا ہے۔اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم حکم عدولی کی سزا کے مستحق ہیں۔(اللہ ہمیں معاف فرمائے)

طریقہ ادائیگی:۔

جہاں بھی قرآن پاک میں آیت سجدہ آتی ہے تو پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔اگر پڑھنے والا تلاوت زور سے (پکار کر) کر رہا ہے تو اس آیت کے سننے والے پر بھی سجدہ ادا کرنا واجب ہوگا۔اس کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ جیسے ہی سجدہ کی آیت مبارکہ آئے۔اس آیت کو پڑھنے کے بعد قرآن پاک کو بند کر کے رکھ دیا جائے اور سجدہ کرنے کی نیت سے قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جانا ہے اور پھر ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے سجدے میں جانا ہے۔ہاتھ کو کانوں تک نہیں لے کر جانا۔سجدے میں تین مرتبہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلٰی'' کہنا ہے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہو جانا ہے (سلام نہیں پھیرنا)۔پھر قرآن پاک کھول کر تلاوت شروع کر دینی ہے۔

اگر کسی نے کئی قرآن پاک پڑھے اور سجدے ادا نہیں کیے۔یا کسی کے گھر قرآن خوانی میں شرکت کی اور وہاں پر سجدوں کی آیات مبارکہ پر سجدے نہیں کئے تو اکٹھے ادا کر دیں۔ادا شمار ہو جائیں گے (یعنی قرضہ سر سے اتر جائے گا) اس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو جائیں۔قبلہ رخ منہ کریں اس کے بعد نیت کریں یعنی کہیں کہ میں نیت کرتی ہوں سجدے تلاوت قرآن پاک کی منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر۔اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھوں کو کانوں تک نہیں لانا بلکہ اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں چلا جانا ہے اور پھر تشہد کی حالت میں اللہ اکبر کرتے ہوئے آ جانا ہے۔اس طرح پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں جانا ہے اور 14 سجدے پورے کرنے ہیں۔اس کے بعد سلام نہیں پھیرنا بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی ہے کہ:''باری تعالیٰ یہ سجدے تلاوت قرآن میں نے وقت پر ادا نہیں کئے تھے اب ادا کئے ہیں میرے اللہ انہیں قبول فرمانا

اور کمی کوتاہی اور تاخیر پر مجھے معاف فرما دینا''۔(آمین) اس طرح جتنے قرآن پاک کے آپ سمجھتے ہیں کہ سجدے قضا کئے ہوں وہ ادا کر دیئے جائیں۔

روزوں کی ادائیگی:۔

اسی طرح روزوں کا حساب کریں کہ بالغ ہونے کے بعد فرض روزے جو چھوٹ گئے ہیں وہ کتنے ہیں ان کو ادا کریں۔

روزے کا فدیہ: یہ ہے کہ جو شخص بڑھاپے یا دائم المریض ہونے کی وجہ سے روزے رکھنے پر قادر نہ ہو اور نہ ہی مستقبل میں اس کی صحت کی کوئی امید ہو تو ایسے شخص کو ہر روزے کے بدلے میں پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت بطورِ فدیہ دینی ہوگی، یا دو مساکین کو ایک وقت کا کھانا کھلانا ہوگا یا ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہوگا۔لیکن اس کے بعد اگر صحت یاب ہو گیا تو دوبارہ روزے قضا کرنا ضروری ہوگا، اور جو رقم فدیے میں دی وہ صدقہ شمار ہوگی۔ عام بیماری جس میں صحت یابی کی امید ہو اس میں روزے کا فدیہ ادا کرنا درست نہیں ہے۔

روزے کا کفارہ: اگر عاقل بالغ شخص رمضان المبارک کا وہ روزہ جس کی نیت صبح صادق سے پہلے کر چکا ہو قصداً (جان بوجھ کر) کھا پی کر یا جماع (ہم بستری) کر کے توڑ دے تو اس روزے کی قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ (ایک روزے کا کفارہ) اگر ممکن ہو تو ایک غلام آزاد کرے، لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو ساٹھ روزے مسلسل رکھنا واجب ہوں گے، اور اگر بڑھاپے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے مسلسل ساٹھ روزے رکھنے پر قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھلانا واجب ہوگا۔ جوان صحت مند آدمی کے لیے روزے کی قدرت ہوتے ہوئے ساٹھ روزے رکھنے کے بجائے بطورِ کفارہ کھانا کھلانا جائز نہیں، اس سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

حج بیت اللہ کی ادائیگی:۔

حج ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے اور ہر صاحب استطاعت اگر استطاعت ہونے کے باوجود حج نہیں کرتا تو ہر سال گناہ گار لکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی وقت گزارتا رہا اور ساری عمر حج کی فرصت ہی نہ ملی تو وصیت کر دے کہ اس کے مال میں سے حج ادا کر دیا جائے یا کروا دیا جائے تو اس کے سر سے حج کا قرض ادا ہو جائے گا۔ یعنی یہ قرضہ اتر جائے گا لیکن اصول شریعت کے مطابق وصیت صرف 1/3 مال میں جاری ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر بالغ ورثا اپنے حصہ میں سے بخوشی مزید دینا گوارہ کریں تو ان کو اختیار ہے۔

حقوق العباد اور ان کی ادائیگی کا اہتمام:۔

حقوق العباد کی تلافی کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے جو حقوق واجب ہوں ان سب کی ادائیگی کرے۔

یہ حقوق دو قسم کے ہیں: (1) مالی حقوق (2) عزت و آبرو کے حقوق

(1) مالی حقوق:۔

مالی حقوق کا مطلب یہ ہے کہ جس کسی کا تھوڑا بہت مال ناحق قبضہ میں آ گیا ہو۔ اسے معلوم ہو یا نہ معلوم ہو اسے واپس کر دیا جائے۔ اگر اب ادا کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے تو یہ تحفے کے نام سے دینے سے بھی ادائیگی ہو جائے گی۔

(2) عزت اور آبرو کے حقوق:۔

آبرو کے حقوق کی تلافی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ناحق تنگ کیا ہے۔ ناحق ظلم کیا ہے۔ ناحق لوٹا ہے۔ کسی کی غیبت کی۔ یا غیبت سنی گالی دی۔ تہمت لگائی یا کسی کو جسمانی، روحانی یا قلبی تکلیف پہنچائی ہو تو اس سے معافی مانگ لی جائے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے دوسری بات یہ کہ نابالغی میں نماز، روزہ، فرض نہیں ہوتے لیکن حقوق العباد نابالغی میں بھی معاف نہیں۔

بعض لوگ نماز روزہ کی ادائیگی بھی کرتے ہیں۔ لیکن حرام مال کمانے سے پرہیز نہیں کرتے غیبت کو عیب نہیں جانتے۔ دوسروں کا تمسخر اڑانا ان کا مذاق ہوتا ہے۔ رشوت لینا۔ سود لینا وغیرہ یہ سب گناہ عظیم ہیں اور یہ توبہ سے معاف نہیں ہوں گے جب تک اس متعلقہ فرد سے معافی نہ مانگ لی جائے۔ اہل حقوق میں سے جو لوگ زندہ ہوں لیکن ان کا پتہ معلوم نہیں کہ جا کر معافی مانگی جائے تو ان کی طرف سے ان کے حقوق کے مطابق مسکینوں کو صدقہ دے دیں اور ان کے لئے دعائے خیر اور استغفار ہمیشہ پابندی سے کرتے رہیں۔

یاد رکھیں! حقوق اللہ میں معافی شرط ہے اور حقوق العباد میں تلافی ضروری ہے۔ معافی اور تلافی کے بغیر والے کیس کا فیصلہ بروز قیامت ہوگا۔ اپنے کیس کا فیصلہ دنیا میں ہی کروا کے جائیں حشر کا معاملہ بہت نازک ترین ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق

ہمسایہ کی تعریف:" گھر کے برابر رہنے والے کو ہمسایہ یا پڑوسی کہتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ النساء، آیت نمبر 36 میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ:"اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دُور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھ سونے والے اور راہ گیر اور اپنے باندی وغلام سے۔"

حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"حضورِ اکرم خاتم النبیین ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا! ''خُدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خُدا کی قسم وہ مومن نہیں'، کسی نے عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کون شخص؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا! "جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور بدیوں سے محفوظ نہ ہو"۔(متفق علیہ)

"جنت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا، جس کا پڑوسی اس کی مصیبتوں سے محفوظ نہ ہوگا"۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر 172)

حضرت ابنِ عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

"حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے ان تاکیدوں سے یہ گمان ہوا کہ یہ پڑوسی کو وارث بنا کر رہیں گے"۔

(صحیح بخاری، حدیث نمبر 6014)(جامع ترمذی، حدیث نمبر 1942)

حضورِ اقدس خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ مہمان کا احترام کرے اور اپنے پڑوسی کو نہ ستائے اور اگر اپنی زبان سے کوئی بات نکالے تو بھلائی کی بات نکالے ورنہ چپ رہے اور دوسری روایت میں ہے کہ صلہ رحمی کرے۔"(متفق علیہ)

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد وارد ہوا "جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟

1۔ اگر وہ تجھ سے مدد چاہے تو اس کی مدد کر۔

2۔ اگر قرض مانگے تو اُس کو قرض دے۔

3۔ اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کر۔

4۔ اگر بیمار ہو تو عیادت کر۔

5۔ اگر مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔

6۔ اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو مبارکباد دے۔

7۔ اگر مصیبت پہنچے تو تعزیت کر۔

8۔ بغیر اس کی اجازت کے اس کے مکان سے اپنا مکان اتنا اونچا نہ کر جس سے اس کی ہوا رُک جائے۔

9۔ اگر تو کوئی پھل خریدے تو اس کو بھی دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس پھل کو پوشید گھر میں لا کہ وہ نہ دیکھے اور اس کو تیری اولاد لے کر باہر نہ نکلے، تاکہ پڑوسی کے بچے اُن کو دیکھ کر رنجیدہ نہ ہوں۔

10۔ اپنے گھر کے دھویں سے اس کو تکلیف نہ پہنچا، مگر اس صورت میں کہ جو پکاوے اس میں اس کا بھی حصہ رکھ لے"۔(الاحیاء فی علوم الدین 2/213)

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورِ اقدس خاتم النبیین ﷺ سے دریافت کیا کہ ''میرے دو پڑوسی ہیں کس سے ابتداء کروں''؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جس کا دروازہ تیرے دروازے کے قریب ہو''۔(مسند احمد، صحیح بخاری، سنن ابی داؤد)

پاس کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت ہو اور دُور کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت نہ ہو۔ پاس کا پڑوسی مسلمان پڑوسی ہے اور دُور کا پڑوسی یہود و نصاریٰ یعنی غیر مسلم۔

پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں۔

(1) ایک وہ پڑوسی جس کے تین حق ہوں

1۔ پڑوس کا حق 2۔ رشتہ داری کا حق 3۔ اسلام کا حق

(2) دوسری قسم کے پڑوسی کے دو حق ہیں

1۔ پڑوس کا حق 2۔ اسلام کا حق

(3) تیسری قسم کے پڑوسی کا صرف ایک ہی حق ہے یعنی پڑوس کا حق، یہ پڑوسی غیر مسلم پڑوسی ہوگا۔

گویا پڑوس کے تین درجے ترتیب وار ہو گئے۔

امام غزالیؒ نے اس حدیث شریف کو نقل فرمایا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دیکھو اس حدیث شریف میں محض پڑوسی ہونے کی وجہ سے مشرک کا حق بھی مسلمان پر قائم فرمایا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے "قیامت کے دن سب سے پہلے دو پڑوسیوں میں فیصلہ کیا جائے گا"۔ (مسند احمد، مجمع الزوائد)

ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور اپنے پڑوسی کی کثرت سے شکایت کرنے لگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: "جاؤ (اپنا کام کرو) اگر اس نے تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی (کہ تم کو ستایا) تو تم اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ فلانی عورت نماز و روزہ صدقہ کثرت سے کرتی ہے مگر اپنے پڑوسیوں کو ستاتی ہے"۔ حضورِ اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "وہ جہنم میں داخل ہوگی"۔ اور کہا "فلانی عورت روزہ، نماز، صدقہ، یعنی نوافل میں کمی کرتی ہے مگر اپنی زبان سے پڑوسیوں کو ایذا نہیں دیتی"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ عورت جنتی ہے''۔ (السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 449)

ایک بزرگ اپنے پڑوسی کی دیوار کے سایہ میں اکثر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ان کو معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ قرض ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا گھر فروخت کرنا چاہتا ہے، فرمانے لگے کہ ہم اس گھر کے سایہ میں ہمیشہ بیٹھے، اس کے سایہ کا حق ہم نے کچھ ادا نہ کیا، یہ کہہ کر اس کے گھر کی قیمت اس کو نذر کر دی۔ اور فرمایا کہ "تمہیں قیمت وصول ہو گئی ہے اب اس کو فروخت کرنے کا ارادہ نہ کرنا''۔

حضرت ابن عمرؓ کے غلام نے ایک بکری ذبح کی حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا "جب اس کی کھال نکال چکو تو سب سے پہلے اس کے گوشت میں سے میرے یہودی پڑوسی کو دینا۔ کئی دفعہ آپؓ نے یہی الفاظ دہرائے، غلام نے عرض کیا کہ "آپؓ کتنی دفعہ اس بات کو دہرائیں گے"؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: "مَیں نے حضورِ اقدس خاتم النبیین ﷺ سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت جبرائیلؑ بار بار پڑوسی کے متعلق تاکید فرماتے رہے (اس لیے میں بار بار کہہ رہا ہوں)"۔ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 5152)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "مکارم اخلاق دس چیزیں ہیں بسا اوقات یہ چیزیں بیٹے میں ہوتی ہیں باپ میں نہیں ہوتیں، حق تعالیٰ کی عطا جس کو چاہے عطا کر دے، **(1)** سچ بولنا **(2)** لوگوں کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرنا (دھوکہ نہ دینا) **(3)** سائل کو عطا کرنا **(4)** احسان کا بدلہ دینا **(5)** صلہ رحمی کرنا **(6)** امانت کی حفاظت کرنا **(7)** پڑوسی کا حق ادا کرنا **(8)** ساتھی کا حق ادا کرنا **(9)** مہمان کا حق ادا کرنا **(10)** ان سب کی جڑ اور اصل اُصول "حیا" ہے۔

حضورِ اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں"۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 172)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ مجھے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ مَیں نے اچھا کیا یا بُرا کیا"؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سُنو کہ تم نے اچھا کیا ہے تو بے شک تم نے اچھا کیا ہے اور جب یہ کہتے سُنو کہ تم نے بُرا کیا ہے تو بے شک تُم نے بُرا کیا ہے''۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4223)

عبدانس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک روز حضورِ اکرم خاتم النبیین ﷺ نے وضو کیا تو صحابہؓ نے وضو کا پانی لے کر منہ وغیرہ پر مسح کرنا شروع کر دیا۔ اس پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، "کیا چیز تمہیں اس کام پر آمادہ کرتی ہے"؟ عرض کی "اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی محبت" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "جس کو اس بات کی خوشی ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے محبت رکھتا ہے، یا اللہ اور رسول خاتم النبیین ﷺ اس سے محبت رکھتے ہیں تو اُسے چاہیے کہ جب بات کرے تو سچ بولے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو امانت ادا کرے، اور جو اس کے پڑوس میں ہو وہ اس کے ساتھ

احسان کرے''۔(السلسلۃ الصحیحۃ ،حدیث نمبر 78)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ مَیں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ فرماتے سُنا کہ "وہ مومن نہیں جوخود پیٹ بھر کرکھانا کھائے اور اُس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے"(یعنی کامل مومن نہیں)۔(السلسلۃ الصحیحۃ ،حدیث نمبر 387)

قیامت کے دن فقیر ہمسایہ امیر ہمسائے کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ "اے اللہ اس سے پوچھ اس نے اپنے صدقات مجھ سے کیوں روکے تھے اور اپنا دروازہ مجھ پر کیوں بند کیا تھا"۔

کسی بزرگ کے گھر میں چوہوں کی کثرت تھی، کسی نے مشورہ دیا کہ ایک بلی رکھ لیں، ان بزرگ نے جواب دیا کہ "مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ چوہے بلی کی آواز سے خوف زدہ ہوکر بھاگ کر ہمسایوں کے گھروں میں گھس جائیں گے تو گویا مَیں ایسا آدمی بن جاؤں جو خود تو ایک تکلیف پسند نہیں کرتا مگر دوسروں کو وہی دکھ پہنچانا چاہتا ہے "۔

حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا " کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو دیوار میں لکڑی گاڑھنے سے منع نہ کرے"۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 2463 - جامع ترمذی حدیث نمبر 1353)

ایک شخص حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ہمسائے کا شکوہ کیا۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اپنا سامان راستے میں ڈال دے" لوگوں نے جب اس کا سامان راستے میں پڑا دیکھا تو کہا "اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے"، جب اس ہمسائے کو پتا چلا تو بہت نادم ہوا اور معذرت چاہنے لگا۔(سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 5153)

اگرچہ ہمسایہ لاکھ جھگڑا کرے مگر ہمیں پتھر کا جواب اینٹ سے دینے کی بھی اجازت نہیں ہے۔گھر چھوڑ دو مگر پڑوسی سے نہ لڑو، پڑوسی اگر ایذا پہنچا کر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، تو تُم اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔

حضرت مالکؒ بن دینار نے ایک مکان کرایہ پر لیا، ان کے پڑوس میں ایک یہودی کا مکان تھا اور حضرت مالکؒ بن دینار کا حجرہ اس یہودی کے مکان کے دروازے کے قریب تھا۔اس یہودی نے ایک پرنالہ بنا رکھا تھا اور ہمیشہ اس پرنالہ کی راہ سے نجاست حضرت مالک بن دینارؒ کے گھر میں پھینکا کرتا تھا۔اس نے مدت تک ایسا ہی کیا، مگر حضرت مالک بن دینارؒ نے اس سے کبھی شکایت نہ فرمائی۔آخر ایک دن اس یہودی نے خود ہی حضرت مالک بن دینارؒ سے پوچھا؟ "حضرت! آپؒ کو میرے پرنالے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی"؟ آپؒ نے فرمایا "ہوتی تو ہے مگر مَیں نے ایک ٹوکری اور جھاڑو رکھ چھوڑی ہے جو نجاست گرتی ہے اس سے صاف کردیتا ہوں" اس یہودی نے کہا" آپؒ اتنی تکلیف کیوں کرتے ہیں اور آپؒ کو غصہ کیوں نہیں آتا"؟ آپؒ نے فرمایا ''میرے پیارے اللہ کا قرآن پاک سورہ آل عمران، آیت نمبر 134 میں ارشاد ہے: "اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں''۔ یہ آیتِ مقدسہ سُن کر وہ یہودی بے حد متاثر ہوا اور یوں عرض گزار ہوا، یقیناً آپؒ کا دین نہایت ہی عمدہ ہے آج سے میں سچے دل سے اسلام قبول کرتا ہوں۔ پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہمارے اسلاف کی طرح اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین یارب العالمین)

****

مسجدوں کا احترام

حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان فطرت کے مطابق پیدا ہوا ہے۔ پھر اس کے والدین چاہے تو اسے عیسائی، یہودی یا مسلمان، یا ہندو بنا دیتے ہیں۔ یعنی اس کا ماحول اسے صحیح عقائد سے گمراہ کر دیتا ہے۔ جبکہ عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر انسان فطری طور پر گناہ گار پیدا ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ نے صلیب پر لٹک کر اپنی جان کا کفارہ دے کر تمام عیسائیوں کے گناہ کو معاف فرما دیا ہے۔ خواہ ان کی عملی زندگی گناہوں کا پلندہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس اسلام اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی مکمل اتباع کی تلقین کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یہ ہدایت والے لوگ کہاں مل سکتے ہیں؟ ایسے لوگ اللہ کے گھروں میں ہی مل سکتے ہیں جن کو ہم مساجد کے نام سے جانتے ہیں مساجد اللہ کے گھر ہیں، اس لئے ہمیں ان کا احترام کرنا چاہئے۔

سورہ نور آیت نمبر 38-36 میں فرمان الٰہی ہے:

فِی بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَن تُرفَعَ وَیُذکَرَ فِیھَا اسمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیھَا بِالغُدُوِّ وَالاٰصَالِ - رِجَالٌ لَّا تُلھِیھِم تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیعٌ عَن ذِکرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُونَ یَومًا تَتَقَلَّبُ فِیہِ القُلُوبُ وَالاَبصَارُ - لِیَجزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحسَنَ مَا عَمِلُوا وَیَزِیدَھُم مِّن فَضلِہٖ وَاللّٰہُ یَرزُقُ مَن یَّشَآءُ بِغَیرِ حِسَابٍ

ترجمہ: ''ان گھروں میں جن سے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بلند کیا جائے یعنی ان کی تعظیم کی جائے۔ اور ان میں اس کا نام لیا جائے، ان گھروں میں لوگ صبح شام تسبیح کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی۔ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ پُلٹ ہو جائیں گی، اس ارادے سے کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہتر بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادہ عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

سورہ نور آیت نمبر 37 میں ان آدمیوں کی حقیقت بیان فرمائی ہے جو مسجدوں کو ہمیشہ آباد رکھتے ہیں اس آیت میں ''رُجال'' کا لفظ آیا جس کے معنی ہیں آدمی یا مرد۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجدیں بطور خاص مردوں کے لئے ہیں۔ جبکہ عورت کی نماز اس کے گھر میں زیادہ بہتر ہے۔ عورت کے لئے زیادہ بہتر ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھے ہاں اگر مسجد میں عورتوں کے لئے ایک جگہ کا انتظام ہو تو عورتیں مسجد میں نماز ادا کر سکتی ہیں، اگر کسی مسجد میں پردے کا انتظام ہے اور وہاں تعلیمی مجلس ہو تو عورتیں مسجد میں جا کر استفادہ حاصل کر سکتی ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''جو کوئی اللہ سے محبت کرتا ہے اسے چاہئے کہ مجھ سے محبت کرے، جو مجھ سے محبت کا دعویٰ دار ہو اسے چاہئے کہ میرے صحابہؓ کو عزیز رکھے، اور جو یہ کہتا ہے کہ میرے صحابہ اکرام کو بہت چاہتا ہے تو وہ مسجدوں سے محبت رکھے''۔

مسجدیں اللہ کا گھر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا ادب و احترام کرنے کا حکم دیا ہے، ان جگہوں پر رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہوتا ہے۔ یہ لوگ مساجد میں نمازیں ادا کرتے ہیں اور اس دوران اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کر دیتے ہیں اور یہ مسجدیں اور اس میں رہنے والے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ (قرطبی)

مسجدوں کی اہمیت زمین کے دیگر ٹکڑوں سے زیادہ ہے۔ حضرت ابو امامہؓ نقل کرتے ہیں کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو کوئی مسجد کے لئے گھر سے وضو کر کے نکلے، وہ ایسا ہو گا کہ جیسے کوئی گھر سے احرام باندھ کر حج کے لئے نکلے، اور جو کوئی نماز کے لیے وضو بنا کر گھر سے نکلے گا اور مسجد کی طرف جائے گا اس کو عمرے کا ثواب ملے گا۔ اور پھر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتا رہے گا تو اس کا نام علیین میں لکھا جائے گا"۔ (مسلم)

حضرت بریدہؓ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو کوئی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں مسجد کی طرف جائے گا اس کو قیامت کے روز بے حساب نور عطا کیا جائے گا''۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "مسجد میں نماز پڑھنا گھر کی نماز یا کسی اور جگہ نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اگر کوئی آدمی گھر سے وضو کر کے نماز پڑھنے کی نیت سے نکلے اس کا ہر قدم جو مسجد کی طرف بڑھتا ہے اللہ کی نگاہ میں اس کا ایک مقام اتنا ہی بڑھتا ہے۔ اگر وہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کا انتظار کر رہا ہے، تو اس کو اس انتظار کے وقت میں بھی حالت نماز میں لکھا جائے گا، اور جب تک وہ انتظار کرتا رہتا ہے فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر وہ وضو کی حالت میں ہو اور کسی کو کوئی تکلیف نہ دی ہو تو فرشتے اللہ سے کہتے ہیں ''اے اللہ اس بندے پر رحم فرما اور اس کے گناہ معاف فرما دے''۔ (مسلم)

حضرت حکم بن عمیرؓ کہتے ہیں کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اس دنیا میں مہمان کی طرح رہو، اور مسجدوں کو اپنا گھر سمجھو۔ اپنے دلوں کو نرم کرو اور اللہ کی ہدایت کو قبول کرنے والا بنو۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر غوروفکر کرو، اللہ تعالیٰ کی یاد سے اس کے خوف سے خوب روؤ۔ دلوں میں دنیا کی رنگینیوں کو جگہ نہ دو، اور عالیشان گھروں کی تعمیرات میں نہ لگ جاؤ، جہاں شاید تمہیں رہنا تک نہ نصیب ہو، علاوہ ازیں اپنی ضروریات سے زیادہ دولت جمع نہ کرو ایسی تمنائیں نہ کرو جن کو تم پا نہ سکو"۔ (قرطبی)

حضرت ابو دردا ؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ "مسجدوں کو اپنا گھر سمجھو، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ جو کوئی مسجدوں کو اپنا گھر سمجھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو سکون دے گا اور قیامت کے روز پل صراط پر سے گزرنا آسان کردے گا"۔ (قرطبی)

حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اپنی عمر کے آخری حصے میں فرماتے تھے کہ بہت سے لوگ مسجدوں میں گروپ کی شکل میں بیٹھیں گے، اور وہاں صرف دنیا کی باتیں کریں گے، اور ان کی گفتگو میں صرف دنیا کی محبت نظر آئے گی۔ تم ان کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مسجدوں میں ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا (قرطبی)

حضرت سعید بن المسیب ؓ کہتے ہیں "جو کوئی اللہ کے گھر میں بیٹھتا ہے وہ گویا اللہ کی مجلس میں بیٹھتا ہے، اس لئے اس کو چاہئے کہ وہ وہاں صرف اچھی اچھی باتیں کرے"۔ (قرطبی)

مساجد کے احترام کے متعلق علماء اکرامؒ نے ہمیں مندرجہ ذیل پندرہ نکات دیئے ہیں۔

1۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت لوگوں کو سلام کرو، لیکن اگر لوگ نماز یا قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوں تو ان کو سلام نہ کیا جائے۔ بعد میں علیک سلیک کر لیں۔ اگر مسجد میں کوئی نہ ہو تو ہمیں یہ کہنا چاہئے (**اسلامُ علیک ایھا النبیُ و رحمت اللہِ و براکتہ**) یعنی اے نبی آپ ہر سلام رحمت اور برکت ہو، اس سلام کا جواب فرشتے دیتے ہیں۔

2۔ مسجد میں داخلے کے بعد اعتکاف کی نیت بھی کر لیں پھر دو رکعت تحیۃ المسجد نماز پڑھیں، اگر داخلہ مندرجہ ذیل دو اوقات میں ہو تو تحیۃ المسجد منع ہے۔

I۔ طلوع آفتاب		II۔ غروب آفتاب

3) مسجد میں تجارت کی باتیں نہ کریں۔
4) مسجد میں تیر یا تلوار وغیرہ نہ نکالیں۔
5) اپنی گم شدہ چیزوں کا اعلان مسجد میں نہ کریں۔
6) مسجد میں کسی قسم کی دنیا کی باتیں نہ کی جائیں۔
7) اونچی آواز میں باتیں نہ کی جائیں۔
8) جھگڑا نہ کیا جائے۔
9) نمازی کے آگے سے نہ گزریں۔
10) مسجد میں تھوکنا یا ناک صاف کرنا منع ہے۔
11) اپنی انگلیاں نہ چٹخائیں۔
12) بدن کے کسی حصے سے نہ کھیلیں۔
13) صفوں میں اگر جگہ نہیں ہے تو آدمیوں کے درمیان صف میں نہ گھسیں۔
14) مسجد کی صفائی کا مکمل خیال رکھیں۔
15) مسجد میں اپنے آپ کو ذکر اللہ میں مشغول رکھیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اتنے سارے آداب ہیں تو مسجد کے معاملات کا ذمہ دار کون ہے؟

قرآن پاک سورہ توبہ آیت نمبر 18 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

ترجمہ ’’: اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی رونق اور آبادی تو ان کے حصے میں ہے۔ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ توقع ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"۔

ایمان والے لوگوں کی نشانی کیا ہے؟

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’تم اس آدمی کے ایمان کی گواہی دے دو جو پابندی سے مسجد میں آتا جاتا ہے‘‘ (ترمذی)

حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’جو کوئی مسجد میں آئے وہ اللہ کا مہمان ہے، جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لئے گیا ہے اللہ اس کی مہمان نوازی کرتا ہے‘‘۔ (مظہری)

سورہ توبہ کی آیت نمبر 18 کے مندرجہ ذیل معانی ہیں:- 1۔ مسجدوں کی تعمیر 2۔ مسجدوں کی صفائی 3۔ مرمت وغیرہ کا انتظام 4۔ مسجد کے دیگر تمام معاملات کا انتظام 5۔ مسجد کو ذکر اذکار، تلاوت قرآن پاک، نماز اور تعلیم کے لئے استعمال کرنا۔

پس ان تمام معاملات کے ذمہ دار صرف اور صرف وہی لوگ ہونگے جس کی صفات اوپر بیان کی گئیں ہیں۔ ہمیں کسی کو بھی مسجد میں اللہ کا ذکر کرنے اور نماز پڑھنے سے نہیں روکنا چاہئے۔

قرآن پاک کی سورہ بقرہ،آیت نمبر 114 میں ارشادِ ربانی ہے:

ترجمہ:''اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کئے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ایسے لوگوں کو تو یہ حق بھی نہیں ہے کہ مسجد میں داخل ہوں بلکہ ڈرتے ڈرتے۔ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں برا عذاب ہے''۔

پس کسی انسان کو مسجد میں عبادت نہ کرنے دینا بہت بڑا گناہ ہے۔

ایک حدیث میں قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ "مسجدیں تو بہت ہوں گی اور بہت عالیشان ہوں گی لیکن ان میں عبادت کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہوگی"---- علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

اس طرح ایک اور جگہ فرمایا:

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

حضرت علیؓ فرماتے ہیں" چھ چیزیں ہیں جو قابل تعظیم ہیں اور بہترین حسن اخلاق کی مظہر ہیں،ان میں سے تین چیزیں تو گھر میں کرنے والی ہیں اور دوسری تین سفر میں کرنے والی ہیں۔

1۔قرآن پاک کی تلاوت   2۔پابندی کے ساتھ مسجد میں حاضری   3۔ایسا گروپ بنانا جو اللہ کے راستے میں کام کرے
4۔کھانے میں غریبوں کو شامل کرنا   5۔اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا   6۔مسافروں سے حسن سلوک سے پیش آنا"۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جن عبادات کو مسجد میں کرنے کا حکم دیا ہے ہمیں انہیں مسجدوں میں کرنے کی توفیق دے اور ہمیں پابندی سے مسجدوں میں جانے والا بنادے۔(آمین)

جو مکانات ذکراللہ،تعلیم قرآن اور تعلیم دین کے لئے مخصوص ہوں وہ بھی مسجد کے حکم میں ہیں۔

تفسیر "بحرمحیط" میں ابوحیانؒ نے فرمایا کہ "فِی بُیُوتِ" کا لفظ قرآن پاک میں عام ہے۔جس طرح مساجد ان میں داخل ہیں۔اُسی طرح وہ مکانات جو خاص،تعلیم دین،تعلیم قرآن،وعظ ونصیحت یا ذکر وشغل کے لئے بنائے گئے ہیں وہ سب مسجد کے حکم میں آتے ہیں۔اسی طرح مدارس اور خانقاہیں بھی اِس حکم میں داخل ہیں۔ان تمام جگہوں کا ادب واحترام تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔ (معارف القرآن جلد 6 صفحہ 416 پارہ اٹھارہ سورہ نور)

مسجد کے آداب کیا ہیں:

1۔مسجد میں داخل ہو کر اگر لوگوں کو بیٹھا ہوا دیکھے تو سلام کرے۔لیکن اگر لوگ نماز،ذکر تلاوت وتسبیح وغیرہ میں مشغول ہیں تو سلام کرنا درست نہیں۔
2۔مسجد میں داخل ہوتے ہی اعتکاف کی نیت کرے۔   3۔مسجد میں بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نفل تحیۃ المسجد کے ادا کرے۔
4۔مسجد میں داخل ہونے کے بعد دنیا کی باتیں نہ کرے۔   5۔مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔
6۔مسجد میں کسی جگہ کے لیئے جھگڑا نہ کریں جہاں جگہ ہو بیٹھ جائیں۔
7۔مسجد کی صفیں پوری کریں۔لیکن اگر صف میں جگہ نہیں ہے تو وہاں گھس کر لوگوں کو تنگ نہ کریں۔
8۔نجاست سے پاک صاف ہو کر مسجد میں جائیں۔   9۔نمازی کے آگے سے نہ گزریں۔
10۔مسجد میں کثرت سے ذکر،عبادت،نماز یا تلاوت میں مشغول رہیں۔

****

سوال وجواب

بنیاد پرست؟(Fundamentalist)

راسخ العقیدہ اور بنیاد پرست مسلمانوں کا ذکر عالمی ذرائع ابلاغ میں بار بار کیا جاتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے متعلق تہمت بازی کی انتہا کردی جاتی ہے۔

بنیاد پرست (تعریف)

بنیاد پرست وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے عقیدے یا نظریے کی بنیادی باتوں سے مکمل طور پر وابستہ ہو اور ان پر عمل کرتا ہو۔

1۔ اگر ایک شخص اچھا ڈاکٹر بننا چاہتا ہے تو اسے میڈیکل کی بنیادی باتوں کا علم ہونا چاہیے اور اسے ان پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

2۔ اسی طرح ایک اچھے ریاضی دان کے لیے بھی ضروری ہے کہ اسے راضی کے شعبہ میں بنیاد پرست یا(Fundamentalist) ہونا چاہیے، بالکل اسی طرح

3۔ ایک سائنس دان کو سائنس کی مکمل معلومات ہونی چاہئیں۔

دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسے سائنس کے معاملے میں بنیاد پرست ہونا چاہیے۔اصل میں تمام بنیاد پرست ایک جیسے نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کو ایک جیسا کہا جاسکتا ہے۔اور بنیاد پرستوں کو اچھے یا برے گروپوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔کسی کا بنیاد پرست ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ اس گروہ کی سرگرمیاں کون کون سی ہیں؟ جس کی بنیاد پر وہ بنیاد پرستی کا مظاہرہ کررہا ہے۔ایک ڈاکو یا چور بھی اپنے شعبے میں بنیاد پرست ہوتا ہے۔وہ چونکہ تکلیف کا باعث بنتا ہے اس لیے اسے ناپسند کیا جاتا ہے جبکہ اس کے برعکس ایک بنیاد پرست ڈاکٹر انسانوں کے لیے کارآمد ہوتا ہے اس لیے لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔ہم بنیاد پرست مسلمان ہیں کیونکہ ہم اسلام کے بنیادی اصولوں سے واقف ہیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ایک مسلمان کو بنیاد پرست ہونے پر کسی شرمندگی کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔ہم اپنی بنیاد پرستی پر فخر محسوس کرتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول نہ صرف انسانیت بلکہ تمام دنیا کے لیے مفید ہیں۔اسلام کا کوئی ایک بھی بنیادی اصول ایسا نہیں ہے جو انسان کے فائدے کے لیے نہ ہو۔ یا اس کے اندر انسان کے لیے کوئی نقصان ہو۔

بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں غلط نظریات رکھتے ہیں اور ان کے بقول اسلام کی بہت سی معلومات صحیح نہیں۔ایسی سوچ اسلام کے بارے میں غلط اور نامکمل معلومات کیوجہ سے ہے۔اگر کوئی شخص کھلے دل سے اسلام کی تعلیمات کا جائزہ لے تو اس حقیقت کو قبول کئے بغیر نہیں رہے گا کہ اسلام انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے مفید ہے۔ویب سائٹ کی انگلش ڈکشنری کے مطابق Fundamentalism ایک تحریک تھی جو بیسوی صدی کے شروع میں امریکہ کے پروٹسٹنٹز نے شروع کی۔یہ تحریک جدیدیت کے خلاف ردعمل تھا ان کا کہنا تھا کہ بائبل کے عقائد و اخلاق تاریخی ریکارڈ کے حوالے سے غلطیوں سے پاک ہیں۔ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ بائبل کا متن ہو بہو خدا کے الفاظ ہیں۔اس طرح بنیاد پرست کی اصطلاح سب سے پہلے عیسایوں کے ایک گروہ نے استعمال کی۔ جو اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ بائبل حرف بہ حرف خدا کا کلام ہے اس میں کمی بیشی یا غلطی نہیں ہے۔آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق بنیاد پرستی کسی خاص مذہب خاص طور پر ''اسلام کے قدیم یا بنیادی نظریات پر عمل پیرا ہونا ہے''۔مغربی دانشوروں اور ان کے میڈیا نے بنیاد پرستی کو عیسایوں سے ہٹا کر مسلمانوں سے منسلک کردیا۔آج جب بنیاد پرستی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو استعمال کرنے والے کے ذہن میں فوراً ایک ایسے مسلمان کا تصور پیدا ہوتا ہے جو اس کے خیال میں دہشت گرد ہے۔جس طرح پولیس ڈاکوؤں کے لیے دہشت گرد ہے۔ اس طرح ہر مسلمان کو چور، ڈاکو اور زناکار جیسے عوام دشمن عناصر کے لیے دہشت گرد ہونا چاہیے۔یعنی صرف ان عناصر کے لیے جو معاشرے میں فساد کا باعث بنتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک مسلمان بے گناہ عوام کے لیے امن وسلامتی کا باعث ہے۔ہندوستان کی آزادی سے پہلے، انگریز کے زمانے میں مجاہدین جو عدم تشدد کے حامی نہیں تھے۔انہیں انگریزی حکومت دہشت گرد کہتی تھی لیکن عام لوگوں کے نزدیک یہ افراد محب وطن تھے۔ان لوگوں کی سرگرمیوں کو دونوں گروہ مختلف نام دیتے تھے۔

وہ لوگ جن کے خیال میں ہندوستان پر حکومت کرنا انگریزوں کا حق تھا وہ ان لوگوں کو دہشت گرد کہتے تھے جبکہ دوسرے لوگ جن کے خیال میں انگریزوں کا ہندوستان پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں تھا وہ ان لوگوں کو محب وطن اور مجاہدین آزادی کہتے تھے۔اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ کسی بھی شخص کے بارے میں فیصلہ کرنے سے پہلے اس کا موقف سنا جائے۔دونوں طرف کے دلائل سن کر حالات کا جائزہ لیا جائے اور پھر اس شخص کی دلیل اور مقصد کو دیکھتے ہوئے اس کے بارے میں رائے قائم کی جائے۔لفظ اسلام، سلام سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں سلامتی۔یہ امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔جو اپنے ماننے والوں کو دنیا میں امن وامان قائم کرنے اور اس کو فروغ دینے کی تلقین کرتا ہے۔اس لیے ہر مسلمان کو بنیاد پرست ہونا چاہیے اور اس کو دین اسلام جو امن کا دین ہے کہ بنیادی اصولوں پر عمل کرنا چاہیے اور اسے سماج دشمن عناصر

کے لیے دہشت گرد ہونا چاہیے تا کہ معاشرے میں امن وامان اور عدل وانصاف کا بول بالا ہو اور معاشرتی بدحالی کا خاتمہ کیا جاسکے۔

سوال: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں غیر مسلموں کو داخلے کی اجازت کیوں نہیں؟

جواب: ایک اسلامی قانون کے تحت غیر مسلموں کو مکہ اور مدینہ میں داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر میں مسلمان ہوں میں بھارت کا شہری ہوں اس کے باوجود مجھے بھارت کے کچھ ممنوعہ علاقوں میں جانے کی اجازت نہیں مثلاً فوجی چھاؤنی وغیرہ، ہر ملک کے اندر کئی ایسے علاقے ہوتے ہیں جہاں غیر ملکی تو کیا؟ اپنے ہی شہریوں کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ بالکل اسی طرح اسلام بھی تمام لوگوں کے لیے ایک عالمی مذہب ہے۔ اسلام کی چھاؤنی یا ممنوعہ علاقے صرف 2 ہیں۔ ایک مکہ اور دوسرے مدینہ۔ اس میں صرف اسلام کے محافظ یعنی جو اسلام قبول کرلیں وہ جاتے ہیں۔ ایک عام آدمی کے لیے یہ بات غیر منطقی ہے کہ وہ چھاؤنی میں داخلے کی پابندی کے خلاف اعتراض کرے۔ اسی طرح غیر مسلموں کا یہ اعتراض بھی بالکل غلط ہے کہ ان کو مکہ اور مدینہ میں داخلے پر پابندی کیوں ہے؟ جب کوئی آدمی کسی دوسرے ملک میں جاتا ہے تو سب سے پہلے اسے اس ملک کے ویزے کے لیے درخواست دینی پڑتی ہے۔ جو ایک طرح سے اسے اس ملک میں داخلے کے لیے اجازت نامہ ہوتا ہے۔ ویزے کے بارے میں سب سے زیادہ سخت قانون امریکہ کے ہیں اور جبکہ خاص طور پر تیسری دنیا کے ویزے کا معاملہ ہو۔ سنگاپور جانا ہو تو امیگریشن فارم میں یہ درج ہے کہ وہاں منشیات لے جانے والے کو سزائے موت دے دی جائے گی۔ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ وحشیانہ سزا ہے۔ اگر ہم ان کی شرائط سے متفق ہوں۔ میں ان کی شرائط پر پورا اترتا ہوں تو وہاں جانے کی اجازت مل جائے گی۔ مکہ اور مدینہ میں داخلے کی بنیادی شرط یا ویزہ یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے اس بات کا اقرار کرے کہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

سوال: سور کا گوشت حرام کیوں؟

جواب: ہر گوشت اور ہر پوست کی ایک خاصیت ہوتی ہے۔ اسلام میں سور کے گوشت کو حرام قرار دینے کی چند واضع وجوہات موجود ہیں۔ قرآن پاک میں سور کا گوشت نہ کھانے کی 4 مقامات پر ممانعت کی گئی ہے۔ عیسایوں کی بائبل میں بھی سور کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ سور کا گوشت مختلف قسم کی کم از کم ستر بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ اس کے کھانے والے کے پیٹ میں کئی قسم کے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً راونڈ وارم، پن وارم، اور یک وارم وغیرہ۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک Taenia Solium جسے عام طور پر کدو دانہ کہا جاتا ہے۔ یہ آنتوں میں پایا جاتا ہے اور یہ بہت لمبا ہوتا ہے اور اس کا انڈا خون میں شامل ہو کر جسم کے تقریباً تمام اعضا تک پہنچ جاتا ہے اور یہ دماغ میں داخل ہو جائے تو یاداشت کو متاثر کرتا ہے اگر یہ آنکھ میں داخل ہو جائے تو نابینا پن پیدا کرتا ہے اگر جگر میں چلا جائے تو جگر کے نقصان کا باعث بنتا ہے اور تقریباً جسم کے تمام حصوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور یہ بات بھی بالکل غلط ہے کہ اگر سور کے گوشت کو صحیح طریقے سے پکایا جائے تو نقصان پہنچانے والے انڈے تلف ہو جاتے ہیں۔ سور میں چربی زیادہ ہوتی ہے اس لیے ہائی بلڈ پریشر اور ہارٹ اٹیک کا باعث ہوتی ہے اور یہ بھی کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ 50% امریکی ہائی بلڈ پریشر کے مریض ہیں۔ سور دنیا کا غلیظ ترین جانور ہے جو گوبر، فضلہ اور گندگی پر پرورش پاتا ہے۔ کھلی جگہوں پر جنگلوں میں کسی کی رفع حاجت کی غلاظت کو سور ہی ختم کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف اپنی گندگی کھالیتا ہے بلکہ دوسرے جانوروں کی گندگی بھی کھالیتا ہے۔ یہ دنیا میں پایا جانے والا سب سے زیادہ بے شرم جانور ہے۔ ایک سور اپنے ہم جنس پر چست کرتا ہے اور دوسرے یہ دنیا کا واحد جانور ہے جو دوسرے ساتھیوں کو اپنی ساتھی سورنی کے ساتھ جنسی فعل کی دعوت دیتا ہے۔ امریکہ میں اکثر لوگ اس کا گوشت کھاتے ہیں اور اکثر ڈانس پارٹیوں کے بعد اپنی بیویوں کا تبادلہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم میری بیوی کے ساتھ سو جاؤ اور میں تمہاری بیوی کے ساتھ سو جاتا ہوں۔ کسی بھی کھائی جانے والی چیز کا اثر سب سے پہلے دماغ پر ہوتا ہے۔ جو سور کے گوشت کے استعمال کے بعد ایسی بے حیائی پر آسانی سے آمادہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے جو لوگ ایسے جانور کا گوشت کھائیں گے جس کی ممانعت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے ان سے ایسی ہی بے حیائی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

سوال: کیا اسلام تشدد، خونریزی اور حیوانیات کو فروغ دیتا ہے؟۔

جواب: یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ قرآن پاک کی بعض مخصوص آیات کو غلط انداز میں اس لیے حوالہ کے طور پیش کیا جائے تا کہ غلط تصور پیدا کیا جاسکے کہ اسلام تشدد کی جماعت ہے اور اپنے ماننے والوں کو کہتا ہے کہ اسلام سے باہر رہنے والوں کو قتل کردو اس سلسلے میں ناقدین سورہ توبہ کی آیت نمبر 5 کا حوالہ دیتے ہیں تا کہ اس سے ثابت کیا جاسکے کہ اسلام تشدد، خونریزی اور حیوانیات کو فروغ دیتا ہے۔ سورہ توبہ آیت نمبر 5

ترجمہ: ''تم مشرکوں کو جہاں پاؤ انہیں قتل کردو''۔

بات اصل میں یہ ہے کہ اسلام پر تنقید کرنے والے اس آیت کا حوالہ اصل متن سے ہٹ کر دیتے ہیں۔ آیت کا اصل مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس

سورہ کا مطالعہ پہلی آیت سے ملا کر کیا جائے جس میں کہا گیا ہے کہ مسلمان اور مشرکوں کے درمیان جو امن معاہدے ہوئے تھے ان سے علیحدگی کا اعلان کیا جاتا ہے۔اس معاہدے کو ختم کرنے سے عرب میں شرک اور مشرکین کا وجود عملاً خلاف قانون قرار پایا۔کیونکہ ملک کے زیادہ حصے پر اسلام کا کنٹرول ہو چکا تھا۔ان کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہا کہ یا تو لڑیں یا پھر ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں یا اپنے آپ کو اسلامی حکومت کے نظم وضبط کے مطابق کرلیں۔مشرکین کو اپنے رویئے میں تبدیلی کرنے کے لیے چار ماہ کا وقت دیا گیا تھا۔سورہ توبہ آیت نمبر 5 میں ہے۔

ترجمہ:''پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ اور انہیں پکڑو اور انہیں گھیرو،اور ان کے لیے ہر گھات میں بیٹھو،پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بے شک اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے''۔

ماضی کی بات کو یاد کریں۔جب ایک وقت میں امریکہ ویت نام سے لڑ رہا تھا۔فرض کریں کہ امریکی جرنیل نے جنگ کے دوران سپاہیوں کو کہا''جہاں کہیں ویت نامیوں کو پاؤ انہیں قتل کرو'' یہ جنگ کے دنوں کا ایک ہنگامی قسم کا حکم ہوگا۔جنگ کے ختم ہونے کے بعد منسوخ ہو جائے گا۔اس طرح سورہ توبہ کی آیت نمبر 5 کا حکم جنگ کی حالت میں آیا اور یہاں مسلمان فوجیوں کو یہ کہا جارہا ہے کہ''وہ خوف زدہ نہ ہوں اور جہاں ان کا سامنا دشمنوں سے ہو انہیں قتل کردیں''

بھارت میں اردن شوری اسلام کا سخت مخالف ہے۔اس نے بھی اپنی کتاب فتاوٰی دنیا کے صفحہ 572 پر سورہ توبہ کی آیت نمبر 5 کا حوالہ دیا ہے۔آیت 5 کا حوالہ دینے کے بعد وہ اچانک آیت نمبر 7 پر پہنچ گیا اور آیت نمبر 6 سے پہلوتہی کی کیونکہ آیت نمبر 6 میں ارشاد ہے

ترجمہ:''اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں۔یہ اس لیے کہ وہ علم نہیں رکھتے''۔

ہمارا پاک قرآن تو پناہ بھی دیتا ہے اور امن کی جگہ پر بھی پہنچاتا ہے۔یعنی جنگ کے دوران پناہ مانگنے والوں کو پناہ دیں اور نہ صرف پناہ دیں بلکہ اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے تو ان کی مرضی ان کو محفوظ جگہ پر پہنچا دو۔دنیا کے کسی مذہب میں دشمن کو پناہ دینے کے بعد محفوظ جگہ میں پہنچانے کی ہدایت نہیں کی گئی اور نہ ہی آج تک کسی نے ایسا کیا ہے۔

سوال:قرآن پاک میں ذکر ہے کہ اللہ نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے جبکہ سائنس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل وفہم اور ایمان کا قبول کرنا دماغ کا کام ہے تو کیا قرآن کا یہ دعویٰ سائنس کے خلاف ہے؟

جواب: قرآن پاک کی سورہ بقرہ آیت نمبر 6 اور 7 میں ہے۔

ترجمہ:''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے برابر ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے''۔قلب عربی کا لفظ ہے۔اس کا مطلب دل بھی ہے،ذہانت بھی اور عقل وفہم کا مرکز بھی۔یعنی ان آیات کی رو سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پر مہر لگا دی ہے۔انگریزی میں بھی محبت اور جذبات کا مرکز دل ہی کو کہا جاتا ہے۔یہی لفظ''دل'' کے خیالات،محبت اور جذبات کے مرکز کے طور پر استعمال میں آتا ہے جبکہ آج ہم جانتے ہیں کہ خیالات،محبت اور جذبات کا مرکز دماغ ہے۔اس کے باوجود جب بھی کوئی انسان اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے تو کہتا ہے کہ''میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں'' تو کیا کوئی سائنس دان اپنی بیوی سے اسی اظہار کے لیے یوں کہے گا کہ''میں تم سے دماغ کی گہرایوں سے محبت کرتا ہوں''؟۔ایسا نہیں کہے گا۔قلب کا لفظ خیالات کا مرکز اور عقل فہم کے طور پر بولا جاتا ہے۔کوئی عرب یہ کبھی نہیں کہے گا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے کافروں کے دلوں پر مہر کیوں لگائی۔اس لیے کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس معنی میں اس سے مراد انسان کے خیالات وجذبات کا مرکز ہے۔

سوال:جنت میں آدمیوں کو حوریں ملیں گے،حور کا متبادل کیا ہوگا؟

جواب: حور کا لفظ قرآن پاک میں چار جگہ پر آیا ہے۔

سورہ دخان آیت 54''اسی طرح ہم بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے ان کے جوڑے بنائیں گے''۔سورہ طور آیت نمبر 20''اور ہم نے ان کو دیا بڑی آنکھوں والی حوروں کو''۔سورہ رحمن آیت نمبر 72''خیموں میں پردہ نشین عورتیں(حوریں)ٹھہرائی گئیں''۔سورہ واقعہ آیت نمبر 23,22''اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے موتی کے دانے(سیپ)میں چھپے ہوئے''۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن پاک ترجمہ کرنے والوں نے(خاص طور پر اردو ترجمہ کرنے والوں نے)حور کا ترجمہ خوبصورت دوشیزائیں یا لڑکیاں کیا

ہے۔ ایسی صورت میں یہ صرف مردوں کے لیے ہوئیں پھر عورتوں کا کیا ہوگا؟۔ لفظ حور اصل میں ''احور'' اور ''حورا'' دونوں کا صیغہ جمع ہے اور یہ ایسے آدمی کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی آنکھیں حور جیسی ہوں۔ جو جنت میں جانے والے مردوں اور عورتوں کو دی جانے ولی خاص صفت ہے۔ اور یہ روحانی آنکھ کے سفید حصے کی انتہائی اجلی رنگ کو ظاہر کرتی ہے۔ بہت سی دیگر آیات میں بھی قرآن پاک میں یہی کہا گیا ہے۔ جنت میں ازواج یعنی جوڑے ہوں گے اور تمہیں تمہارا جوڑا یا پاک ساتھی ملے گا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حور کا لفظ کسی خاص جنس کے لیے مخصوص نہیں۔ علامہ محمد اسد صاحب نے حور کا ترجمہ خاوند کا بیوی کیا ہے spouse جبکہ علامہ عبداللہ یوسف علی نے حور کا ترجمہ ساتھ کیا ہے companion۔ بہت سے علما نے حور کا مطلب حور ہی کیا ہے کہ مردوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کا جواب ایک حدیث میں ہے جو سب کو قبول ہے۔ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر مرد کو جنت میں خوبصورت دوشیزہ یعنی حور دی جائے گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟ انہوں نے کہا ''عورتوں کو وہ جن کی ان کے دل میں نہ کبھی خواہش پیدا ہوئی ہوگی نہ تو ان کے کانوں نے اس کا ذکر سنا ہوگا نہ ان کی آنکھوں نے اسے کبھی دیکھا ہوگا''۔ دوسرے لفظوں میں جنت میں عورتوں کو کوئی خاص چیز دی جائے گی جس کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

سوال: قرآن کے مطابق اللہ کے کافروں نے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ تو پھر وہ اسلام کیسے لائیں گے وہ تو قصوروار ہی نہیں ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ آیت نمبر 6 اور 7 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے برابر ہے۔ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھ پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

یہ آیات عام کافروں کے لیے نہیں ہیں جو ایمان نہیں لائے۔ قرآن میں ان کے لیے (اِن الذِین کفرو) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق کو جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ ''تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یعنی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں''۔

اب فرض کریں ایک ٹیچر فائنل امتحان سے پہلے یہ کہتا ہے کہ فلاں طالب علم امتحان میں فیل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ وہ بالکل پڑھائی میں توجہ نہیں دیتا۔ نہ ہوم ورک کرتا ہے۔ شرارتی ہے اسے نصاب اور پڑھائی سے کوئی سروکار نہیں۔ اب اگر وہ طالب علم امتحان میں فیل ہو جاتا ہے تو اس کا الزام کس کو دیں گے؟۔ استاد کو صرف اس لیے الزام نہیں دیا جا سکتا کہ اس نے پیشن گوئی کر دی تھی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے حق کو جھٹلانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اسی طرح یہ غیر مسلم خود ایمان اور اللہ سے منہ موڑنے کے ذمہ دار ہیں۔

سوال: آج کے ترقی یافتہ دور میں غیر مسلموں کو کافر کہنا گالی نہیں ہے؟

جواب: پہلے تو یہ جان لیں کہ کافر کے معنی کیا ہیں؟ کافر کا مطلب ''منکر، انکار کرنے والا'' یہ لفظ کفر سے نکلا ہے جس کا مطلب ''جھٹلانا یا چھپانا'' اسلام کی اصطلاح میں کافر کا مطلب وہ شخص ہے جو اسلام کا انکار کرتا ہے۔ اسے غیر مسلم بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی اسلام کے منکر کو کافر کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کافر کا مطلب غیر مسلم۔ یہ لفظ مسلمانوں اور دوسرے مذاہب کے درمیان صرف امتیاز قائم کرنے والی اصطلاح ہے۔ اس کو گالی سمجھنا کم علمی اور کم فہمی کی علامت ہے۔

سوال: اگر ایک دہریا کہتا ہے کہ وہ خدا پر یقین نہیں رکھتا تو اس کا تصور کیسے ٹھیک کیا جائے گا؟

جواب: سب سے پہلے اس سے پوچھا جائے گا کہ خدا کی تعریف کیا ہے؟ خدا سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیونکہ اگر دہریا کہتا ہے کہ کوئی خدا نہیں ہے تو اسے خدا کے معنی معلوم ہونے چاہئیں۔ ہمیں دہریے کے سامنے اللہ کے معنی بتانے ہیں کہ اللہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بہترین تعریف جو ہم کر سکتے ہیں وہ سورہ اخلاص میں ہے۔

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

اللہ جو ایک ہے ہمیشہ قائم رہنے والا قادر مطلق ہے۔ اس کا کوئی آغاز نہیں کوئی انجام نہیں۔ وہی ہے جو لوگوں کی مدد کرتا ہے لیکن خود اسے مدد کی ضرورت نہیں اس کا کہیں بھی کوئی ثانی یا ہمسر نہیں۔ یہ اللہ کی چار لائنوں کی تعریف ہے۔ اگر کوئی خدا کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے ان چار لائنوں پر پورا اترنا ہے۔ اور اگر کوئی ہستی ایسی ہے جو ان چار لائنوں پر پوری اترے تو اسے تسلیم کر لینے میں مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (قل ھو اللہ واحد) کہہ کہ اللہ صرف ایک ہے۔ فرض کر لیں ہندو کہتے ہیں کہ بھگوان رجنیش خدا ہے اب فرض کیا۔ رجنیش نے کہا کہ میں ایک ہوں (یعنی مجھ سا کوئی نہیں) آگے دیکھیے (اللہ الصمد) اللہ بے نیاز ہے۔ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں وہ باقی تمام کی مدد کرتا ہے۔ ہم رجنیش کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ شوگر کا مریض دمہ کا مریض تھا۔ تو جو اپنے مرض کا علاج نہ کر سکے وہ کسی کا کیا کرے گا؟۔ وہ قیدی بنایا گیا، اسے زہر دیا

گیا، اسے یونان سے باہر نکالا گیا۔ غرض کہ بے شمار چیزیں ہیں کہ وہ محتاج تھا اور اپنی مدد نہ کر سکا تو کسی کو کیا دیتا؟۔

تیسرے (لم یلد ولم یولد) ''نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا''۔

جبکہ بھگوان دسمبر 1931ء میں جبل پور میں پیدا ہوا 19 جنوری 1990 میں انتقال کیا۔ جب اس کے گھر پونا جائیں تو وہاں لکھا ہوا ہے (نہ کبھی پیدا ہوا نہ کبھی مرا)۔ لیکن اس نے دسمبر 1931ء سے 1990ء تک زمین کا دورہ کیا۔ اسے 21 ممالک میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی گئی۔ ویزہ ہی نہ دیا گیا۔ اندازہ کیجئے کہ خدا زمین میں پھر رہا ہے اور اسے 21 ممالک میں داخلے کی اجازت نہیں مل رہی۔ کیا یہ خدا ہے؟

ولم یا کن لہ کفوا احد

ترجمہ: ''اور اس کا کوئی ہمسر نہیں''

جہاں میں اس جیسا کوئی نہیں، کوئی نہیں جو اس کا موازنہ کرے۔ کیا ہم سوچ سکتے ہیں کہ خدا کیا ہے۔ اگر ہم اس کی کوئی تصویر ذہن میں لاتے ہیں تو وہ خدا نہیں ہے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ بھگوان رجنیش کے لمبے بال تھے، اس کی سفید رنگ کی داڑھی تھی اور وہ چغہ پہنتا تھا۔ وہ لمحہ جس میں ہم خدا کی تصویر بنالیں وہ خدا نہیں۔ تو طے ہوا کہ وہ خدا نہیں تھا۔ خدا وہی ہے جس کے مندرجہ بالا 4 صفات ہیں۔

ترجمہ سورہ اخلاص: ''اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ کوئی بیٹا، اس کا کوئی ہمسر نہیں''۔

اور ان صفات پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں اترتا، چاہے سارے زمانے کے بھگوانوں کو لے لیں۔ (ڈاکٹر ذاکر نائیک)

****

دین اسلام

سوال:۔ قرآن مجید میں کل کتنے انبیاء کرامؑ کے نام مبارک آئے ہیں؟

جواب:۔ قرآن مجید میں کل (28) اٹھائیس انبیاء کرامؑ کے نام مبارک آئے ہیں۔

سوال:۔ اُن انبیاء کرامؑ کے نام کیا ہیں؟

جواب:۔ اُن انبیاء کرامؑ کے اٹھائیس نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1-	حضرت آدم علیہ السلام	2-	حضرت نوح علیہ السلام	3-	حضرت ادریس علیہ السلام
4-	حضرت صالح علیہ السلام	5-	حضرت ھود علیہ السلام	6-	حضرت لوط علیہ السلام
7-	حضرت ابراہیم علیہ السلام	8-	حضرت اسماعیل علیہ السلام	9-	حضرت اسحاق علیہ السلام
10-	حضرت یعقوب علیہ السلام	11-	حضرت یوسف علیہ السلام	12-	حضرت شعیب علیہ السلام
13-	حضرت موسیٰ علیہ السلام	14-	حضرت ہارون علیہ السلام	15-	حضرت الیاس علیہ السلام
16-	حضرت یسع علیہ السلام	17-	حضرت داؤد علیہ السلام	18-	حضرت سلیمان علیہ السلام
19-	حضرت ایوب علیہ السلام	20-	حضرت یونس علیہ السلام	21-	حضرت ذوالکفل علیہ السلام
22-	حضرت عزیر علیہ السلام	23-	حضرت ذکریا علیہ السلام	24-	حضرت یحییٰ علیہ السلام
25-	حضرت یوسف بن ابراہیم بن یوسف علیہ السلام	26-	حضرت لقمان علیہ السلام	27-	حضرت عیسیٰ علیہ السلام
28-	حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم				

سوال:۔ الہامی کتابیں کل کتنی ہیں؟

جواب:۔ الہامی کتابیں چار ہیں۔

سوال:۔ کس کس پیارے نبی پر کتابیں نازل ہوئیں؟

جواب:۔ توراتِ شریف (حضرت موسیٰ علیہ السلام پر)　　　زبور شریف (حضرت داؤد علیہ السلام پر)
انجیل مقدس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر)　　　اور　　　قرآن مجید (حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر)

سوال:۔ کیا ہمارے پیارے نبی کریم حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کے بعد اب نبوت کا دروازہ بند ہو گیا یا کوئی نیا نبی آئے گا؟

جواب:۔ ہرگز نہیں! آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کے بعد اب نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔

سوال:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے کس چیز کی تخلیق فرمائی؟

جواب:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے ہمارے نبی کریم رؤف ورحیم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی تخلیق فرمائی۔

سوال:۔ یہ کس نے فرمایا ہے کہ ہر چیز سے پہلے ہمارے نبی کریم رؤف ورحیم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی تخلیق ہوئی ہے؟

جواب:۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم رؤف ورحیم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔

سوال:۔ اس حدیث شریف کے راوی کون ہیں؟

جواب:۔ اس حدیث شریف کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہُ ہیں۔

سوال:۔ یہ حدیث شریف کس کتاب میں ہے؟

جواب:۔ یہ حدیث شریف حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ علیہ کے استاد حافظ الکبیر ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانیؒ (ولادت 126ھ وفات 211ھ) نے اپنی کتاب ''المصنف'' میں لکھی۔

سوال:۔ مردوں میں سب سے پہلے کون خوش نصیب مسلمان ہوئے؟

جواب:۔ مردوں میں سب سے پہلے امیر المؤمنین حضرت سیدّ نا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے۔

سوال:۔ عورتوں میں سب سے پہلے کون سی پاکیزہ خاتون مسلمان ہوئیں؟

جواب:۔ عورتوں میں سب سے پہلے اُم المؤمنین حضرت سیدّہ خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئیں۔

سوال:۔ بچوں میں سب سے پہلے کون مسلمان ہوا؟

جواب:۔ بچوں میں سب سے پہلے امیر المؤمنین حضرت سیدّ نا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے۔

سوال:۔ اعمال کا انحصار کن چیزوں پر ہے؟

جواب:۔ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔(بخاری جلد اص ۱۳)

سوال:۔ اخلاص کے معنی کیا ہیں؟

جواب:۔ اخلاص کے معنی ہیں بغیر لالچ، طمع اور دکھاوے کے خالصتاً اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول کریم رؤف ورحیم خاتم النبیین ﷺ کی خوشنودی کیلئے کام کرنا ہے۔
جب انسان کے دل میں کسی نیکی کے کرنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ارادہ کرنے والے کی نیت کے مطابق عمل کرنے سے پہلے ہی ثواب لکھ دیتا ہے۔

سوال:۔ کیا کسی کام کے کرنے کی نیت زبان سے کی جاتی ہے؟

جواب:۔ ضروری نہیں۔

سوال:۔ اگر زبان سے نیت کرلی جائے تو اس کا کیا درجہ ہوگا؟

جواب:۔ زیادہ سے زیادہ مستحب کہہ سکتے ہیں۔یعنی اچھا ہے برا نہیں ہے۔

سوال:۔ اسلام کے بنیادی اصول کتنے ہیں؟

جواب:۔ اسلام کے بنیادی اصول پانچ ہیں۔(بخاری جلد اص 4)

سوال:۔ کون کون سے ہیں؟

جواب:۔ (1) کلمہ توحید ورسالت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (2) نماز (3) زکوٰۃ (4) روزہ (5) حج

سوال:۔ کسی مسلمان پر نماز کب فرض ہوتی ہے؟

جواب:۔ جب مسلمان (مرد اور عورت) بالغ ہوجائے تو فرض ہوجاتی ہے۔

سوال:۔ جب تک نماز فرض نہ ہو تو کیا اس وقت بھی نماز پڑھنی چاہیے؟

جواب:۔ پڑھنی چاہیے تاکہ نماز کی محبت بچپن سے ہی دل میں پیدا ہوجائے۔ہمارے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو پیار سے نماز پڑھاؤ۔ بلکہ فرمایا جب بچے کو دائیں بائیں کی پہچان ہوجائے تو اسے نماز سکھانا شروع کرو اور جب دس سال کا ہوجائے تو (مار کر) سختی سے نماز پڑھاؤ۔

سوال:۔ ایسا کیوں فرمایا گیا؟

جواب:۔ محبت اور شوق پیدا کرنے کیلئے، چونکہ نماز تمام عبادات سے اہم اور بڑی عبادت ہے۔جو امیر وغریب اور مرد وعورت کسی کو بھی معاف نہیں۔

سوال:۔ کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد اسلام کا اہم بنیادی رکن کون سی عبادت ہے؟

جواب:۔ نماز۔

سوال:۔ مومن کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ مومن اسے کہتے ہیں جو دل وجان سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات اور رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات وصفات اور عظمتوں کو مانتا ہو اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی محبت کو ایمان کی روح سمجھتا ہو اور ساری کائنات اور مخلوقات سے بڑھ کر رسول کریم خاتم النبیین ﷺ سے محبت کرتا ہو ہمارے پیارے نبی

خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد مبارک بھی ہے ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میرے ساتھ اپنے ماں باپ، اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت نہ کرے''۔(مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۱۸)

سوال:۔ مسلمان کی چند خصوصیات بیان کریں؟

جواب:۔ مسلمان کی چند خصوصیات یہ ہیں کہ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہتا ہے۔یعنی نہ تو وہ اپنی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے، بلکہ اپنے مسلمان بھائی کی خیر خواہی کرتا ہے اس کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے۔اس کی مشکل کشائی کرتا ہے۔

سوال:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اور بندگی اور رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کی محبت اور اطاعت کے بعد سب سے اہم عمل کیا ہے؟

جواب:۔ ماں باپ کی خدمت کرنا۔اُن کا ادب واحترام کرنا۔

سوال:۔ اگر بچے بڑوں کی صف میں کھڑے ہوجائیں تو پھر کیا کیا جائے؟

جواب:۔ جس بچے کی عمر 9 سال یا 9 سال سے زائد ہو تو اس کو صف میں سے نہیں نکالنا چاہیے۔ہاں 5 سے 8،7 سال کا بچہ ہو اسے پیچھے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ایسا کرنے سے نماز میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔

سوال:۔ مسلمانوں پر پانچ وقت کی نمازیں کب فرض کی گئیں؟

جواب:۔ شب معراج میں۔

سوال:۔ نفلی نمازوں میں کونسی نماز بلند درجہ رکھتی ہے؟

جواب:۔ تہجد کی نماز۔

پاکیزگی

سوال:۔ پاکیزگی کیا ہے؟

جواب:۔ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے پیارے صحابی ابو مالک اشعریؓ فرماتے ہیں رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا۔

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ ۔ (مسلم جلد ا ص ۸۱۸)

''پاکیزگی نصف ایمان ہے''

سوال:۔ وضو میں کتنے فرض ہیں؟

جواب:۔ وضو میں چار فرض ہیں۔

سوال:۔ کون کون سے ہیں؟

جواب:۔ (1) پورے چہرے کو ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک اور پیشانی سمیت چہرے کی گولائی تک دھونا۔

(2) ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا۔

(3) چوتھائی سر کا مسح کرنا۔

(4) پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا۔

سوال:۔ جنت کی کنجی کیا ہے؟

جواب:۔ جنت کی کنجی نماز ہے۔ (الترغیب والترہیب)

سوال:۔ نماز کی کنجی کیا ہے؟

جواب:۔ نماز کی کنجی وضو ہے۔ (الترغیب والترہیب)

سوال:۔ وضو کرنے کے بعد کیا پڑھنا چاہئے؟

جواب:۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (مشکوٰۃ ص ۳۹)

ترجمہ:۔ ’’میں گواہی دیتا ہوں/ دیتی ہوں یہ کہ اللہ (تبارک وتعالیٰ) کے سوا کوئی معبودِ (برحق) نہیں وہ ایک ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں/ دیتی ہوں کہ (حضرت) محمد (خاتم النبیین ﷺ) اس کے (محبوب) بندے اور (پیارے) رسول (خاتم النبیین ﷺ) ہیں‘‘۔

سوال:۔ اس کلمہ کے پڑھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

جواب:۔ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروقؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد مقدس ہے ’’جس شخص نے اچھا اور کامل وضو کیا پھر مذکورہ بالا کلمات پڑھے۔ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا۔ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے‘‘۔ (مشکوٰۃ ص ۳۹)

واقعہ معراج

سوال:۔ واقعہ معراج شریف کیا ہے؟

جواب:۔ واقعہ معراج شریف ہمارے پیارے نبی خاتم النبیین ﷺ کا عظیم معجزہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو عطا فرمایا۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک رات اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے محبوب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو مکہ پاک سے مسجدِ اقصیٰ کی طرف لے گیا اور پھر آسمانوں، سدرۃ المنتہیٰ اور عرش سے آگے کی سیر کروائی۔

سوال:۔ اس کو معراج کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ معراج ’’عروج‘‘ سے نکلا ہے۔ جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں چونکہ احادیث مبارک میں آپ خاتم النبیین ﷺ سے عُرِجَ بِیْ مروی ہے۔ جس کے معنی ’’مجھے اوپر چڑھایا گیا‘‘ اس لئے اس کا نام ’’معراج‘‘ پڑا۔

سوال:۔ معراج شریف کس مہینے میں ہوئی؟

جواب:۔ رجب المرجب شریف کے مہینے میں۔

سوال:۔ کون سی رات میں؟

جواب:۔ مشہور یہ ہے کہ رجب المرجب کی ستائیسویں رات کو۔

سوال:۔ معراج شریف جاگتے ہوئی یا سوتے ہوئے خواب میں؟

جواب:۔ معراج بحالت بیداری جسم وروح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی۔ اور یہی اہل ایمان کا عقیدہ ہے۔

سوال:۔ جب معراج شریف ہوئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ کہاں تھے؟

جواب:۔ مکّہ مکرمہ میں۔

سوال:۔ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو معراج کیلئے لے گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کیسے لے گیا؟

جواب:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لانے کیلئے حضرت جبرائیل امین علیہ اسلام کو بھیجا تھا۔

سوال:۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کیسے لے گیا؟

جواب:۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب حضرت جبرائیلؑ کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے آئے تھے۔ لہٰذا حضرت جبرائیلؑ نے جو کام سرانجام دیا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہی کام تھا۔

سوال:۔ جب حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو لینے کیلئے آئے تو حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اس وقت سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے؟

جواب:۔ سو رہے تھے۔

سوال:۔ کیا حضرت جبرائیلؑ آپ خاتم النبیین ﷺ کے آستانہ مقدس کا دروازہ کھٹکھٹا کر اندر تشریف لائے؟

جواب:۔ نہیں۔

سوال:۔ تو پھر کیسے آئے تھے؟

جواب:۔ گھر کی چھت کھول کر آئے تھے۔

سوال:۔ یہ کہاں لکھا ہوا ہے؟

جواب:۔ بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۰ پر لکھا ہے۔

سوال:۔ آستانۂ پاک سے کدھر تشریف لے گئے؟

جواب:۔ آستانۂ پاک سے حطیم میں تشریف لے گئے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۴۸)

سوال:۔ حطیم کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ خانہ کعبہ کے چار کنارے یا کونے ہیں۔ایک کونے میں حجرِ اَسود ہے یہ کنارہ بیت اللہ شریف کے مشرق جنوبی گوشہ کی طرف ہے۔باقی تین کونوں کے نام ہیں، رکنِ عراقی، رکنِ شامی، اور رکنِ یمنی (یمانی)۔رکنِ عراقی اور رکنِ شامی کے درمیان تقریباً چھ گز کھلی جگہ ہے۔جس پر گولائی کی صورت میں قدِ آدم کے برابر دیوار ہے۔رکنِ عراقی اور رکنِ شامی اور اس گولائی نما دیوار کا درمیانی حصّہ خالی ہے۔اسے حطیم کہتے ہیں۔

سوال:۔ حطیم میں کس لئے لے جائے گئے تھے؟

جواب:۔ حطیم میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا نورانی سینہ مبارک چاک کیا گیا تھا۔(جسے شق صدر کہتے ہیں) اور قلبِ منور نکال کر اس کو بھی چاک کیا گیا۔(بخاری جلد ۱ ص ۵۴۸)

سوال:۔ سینہ اور قلبِ منور کو چاک کرنے کے بعد کیا کیا؟

جواب:۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے سینہ مبارک کو آبِ زم زم سے غسل دیا گیا۔(بخاری جلد ۱ ص ۵۴۸)

سوال:۔ سینہ مبارک اور قلبِ منور کیوں چاک کیا گیا؟ اس کی کیا وجہ اور حکمت عملی تھی؟

جواب:۔ اس کی وجہ اور حکمتِ عملی یہ تھی کہ دل مبارک میں خون کا ایک منجمد لوتھڑا تھا جس کو نکال دیا گیا۔پھر ایک نورانی طشت جو ایمان وحکمت سے لبریز تھا وہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے سینہ اقدس میں بھر دیا گیا۔اس میں حکمت یہ تھی کہ قلبِ منور میں ایسی پاک نورانی قوت پیدا ہو جائے جس سے آسمانوں پر تشریف لے جانے اور آسمانی دنیا کو دیکھنے اور خاص طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار میں کوئی دقت اور دشواری نہ آئے۔

سوال:۔ جب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تو کیا خون نکلا تھا؟

جواب۔ نہیں۔ (روح البیان جلد 5 ص 104)

سوال:۔ کیا آپ خاتم النبیین ﷺ بشر نہیں؟

جواب:۔ آپ خاتم النبیین ﷺ بے مثل نوری بشر ہیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ کی تخلیق نوری ہے اور پیدائش بشری لبادہ میں ہوئی ہے۔اس لحاظ سے آپ خاتم النبیین ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی۔نور و بشر کو بے مثل نورانی شکل بشریت میں پیدا کرنا قدرتِ خداوندی میں ہے۔خون کا نہ نکلنا آپ خاتم النبیین ﷺ کی نورانیت کی دلیل اور بشریت کا معجزہ ہے کہ بشر بھی ہیں اور خون نہیں نکلا۔

سوال:۔ جب مشرکین نے غزوہ احد کے دن آپ خاتم النبیین ﷺ پر پتھر پھینکنے کی ناپاک حرکت کی تو پتھر لگنے سے آپ خاتم النبیین ﷺ زخمی ہوئے اور خون بہا۔وہ کیوں؟

جواب:۔ خون بہنا بشریت کی دلیل ہے اور نورانیت کا معجزہ ہے۔کہ نور بھی ہیں اور خون بھی بہہ رہا ہے۔کبھی آپ خاتم النبیین ﷺ پر نورانیت کا غلبہ ہوتا تھا تو کبھی بشریت کا۔

سوال:۔ ہمیں رسول خاتم النبیین ﷺ کی ذات پاک کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

جواب:۔ ہمیں یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی یعنی بے مثل نوری بشر خاتم النبیین ﷺ۔کبھی آپ خاتم النبیین ﷺ پر بشری کیفیت طاری ہوتی تھی تو کبھی نوری۔

سوال:۔ معراج شریف کا سفر آپ خاتم النبیین ﷺ نے کیسے کیا؟

جواب:۔ یہ سفر آپ خاتم النبیین ﷺ نے بُراق پر کیا۔

سوال:۔ یہ بُراق کیا چیز تھی؟

جواب:۔ یہ سفید رنگ اور لمبے قد کا ایک خوبصورت جنتی جانور ہے جو قد میں گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ (بخاری جلد 1 ص 548)

سوال:۔ براق پر سوار ہو کر آپ خاتم النبیین ﷺ کہاں تشریف لے گئے؟

جواب:۔ بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) میں۔

سوال:۔ راستے میں کہیں رُکے بھی تھے؟

جواب:۔ جی ہاں! تین مقامات پر رُکے تھے۔

سوال:۔ وہ کون کون سے مقامات تھے؟

جواب:۔ مدینہ منورہ، طور سینا اور بیت اللحم تشریف۔

سوال:۔ یہاں کس مقصد کیلئے اُترے؟

جواب:۔ حضرت جبرائیل علیہ اسلام نے عرض کیا ان مقامات پر دو دو نفل ادا کریں۔

سوال:۔ ان مقامات پر نفل پڑھنے کا کیا مقصد تھا؟

جواب:۔ تا کہ کلمہ پڑھنے والے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جن مقامات کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے انبیاء کرام سے ہو جائے وہاں نوافل پڑھنا جائز ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ہمارے نبی خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عیسی بن مریم علیہ اسلام کی جائے پیدائش پر نفل پڑھے اگر ایسا کرنا ناجائز یا بدعت ہوتا تو نہ تو حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ وہاں نفل پڑھتے اور نہ ہی جبرائیل امینؑ ایسا کرنے کیلئے عرض کرتے۔

سوال:۔ رسول خاتم النبیین ﷺ کی جائے پیدائش کہاں ہے؟

جواب:۔ مکہ مکرمہ میں۔

سوال:۔ مسلمان علماء کرام سے سنا ہے کہ جب رسول کریم روف ورحیم خاتم النبیین ﷺ حضرت موسیٰؑ کی قبر کے پاس سے گذرے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کیا یہ بات سچی ہے؟

جواب:۔ جی ہاں! یہ بات سچی ہے۔

سوال:۔ اگر کوئی شخص بے علم ہو نہ مانے اور کہے کتاب میں لکھا ہوا دکھاؤ تو پھر کون سی کتاب دیکھیں؟

جواب:۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ ہدایت اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی نگاہِ شفقت سے ہے۔ ایک کتاب کا نام ملاحظہ ہو۔ (ابن کثیر جلد ۳ ص ۷)

سوال:۔ مسجد اقصیٰ میں جب رسول کریم خاتم النبیین ﷺ پہنچے تو وہاں مسجد میں کون کون سی ہستیاں موجود تھیں؟

جواب:۔ مسجد اقصیٰ میں رسول خاتم النبیین ﷺ کے پہنچنے سے پہلے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء کرامؑ موجود تھے۔ ان کے علاوہ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ جو نبی تھے وہ مسجد اقصیٰ میں موجود تھے اور جو نبی نہیں تھا وہ وہاں نہیں تھا رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد آج تک جس جس دشمنِ اسلام نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے وہ وہاں نہیں تھا۔

سوال:۔ جب رسول کریم خاتم النبیین ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو وہاں کن کن انبیاء کرامؑ سے ملاقاتیں ہوئیں؟

جواب:۔ جن انبیاء کرامؑ سے آسمانوں میں حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی ملاقاتیں ہوئیں وہ یہ ہیں۔ حضرت آدمؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ۔

سوال:۔ کیا ان انبیاء کرامؑ سے ملاقاتیں ایک ہی آسمان پر ہوئیں یا مختلف آسمانوں پر؟

جواب:۔ مختلف آسمانوں پر۔

سوال:۔ کس نبیؑ سے کس آسمان پر ملاقات ہوئی ؟

جواب:۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ، تیسرے پر حضرت یوسفؑ سے، چوتھے پر حضرت ادریسؑ سے، پانچویں پر حضرت ہارونؑ سے، چھٹے پر حضرت موسیٰؑ سے اور ساتویں پر حضرت ابراہیمؑ سے۔

سوال:۔ سدرۃالمنتہیٰ کس کا مقام ہے؟

جواب:۔ یہ حضرت جبرائیلؑ کا مقام ہے۔

سوال:۔ سدرۃالمنتہیٰ کیا ہے؟

جواب:۔ سدرۃالمنتہیٰ بیری کا ایک درخت ہے۔اس کا پھل مٹکوں کی طرح اور پتے ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں۔ (تفسیر درمنشور جلد ۶ ص ۱۲۴)

سوال:۔ حضرت جبرائیلؑ کہاں تک نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ رہے؟

جواب:۔ سدرۃالمنتہیٰ تک۔

سوال:۔ سدرۃالمنتہیٰ سے آگے کیوں نہ گئے؟

جواب:۔ حضرت جبرائیلؑ نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے گزارش کی اگر میں انگلی کے ایک پوروے کے برابر آگے بڑھا تو جل کر راکھ ہوجاؤں گا۔(روح البیان جلد ۹ ص ۲۶۷)

سوال:۔ جب رسول کریم خاتم النبیین ﷺ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنے تحفے عطا فرمائے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے تین تحفے عطا فرمائے۔

(1) سورۃالبقرہ کی آخری تین آیات

(2) امت میں سے ہر ایک شخص کو جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو، اس کے لئے بخشش کا پروانہ

(3) امت کیلئے پچاس نمازیں۔

سوال:۔ لیکن ہم تو پانچ نمازیں پڑھتے ہیں؟

جواب:۔ پینتالیس نمازیں معاف ہوچکی ہیں۔

سوال:۔ پینتالیس کیسے معاف ہوئی؟

جواب:۔ حضرت موسیٰؑ کی سفارش پر حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر کم کرواتے رہے۔یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں۔

سوال:۔ جب آپ خاتم النبیین ﷺ کو ربِ کائنات نے پچاس نمازیں عطا فرمائی تھیں اس وقت آپ خاتم النبیین ﷺ نے کم کیوں نہ کروائیں؟

جواب:۔ یہ تو بات بعد کی ہے اصل بات تو یہ ہے کہ اگر اللہ کریم نے بالآخر پانچ ہی کرنا تھیں تو پہلے پچاس کیوں فرمائیں؟

دراصل قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یہ حقیقت بتانا اور سمجھانا چاہتے تھے۔کہ اُس کے پیارے اور محبوب بندے دنیا سے جانے کے بعد بھی مخلوقِ خدا کی خیر خواہی اور امداد کرتے ہیں۔

اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کا وسیلہ، ذریعہ اور سفارش بے معنی اور بے حقیقت ہوتا تو ربِ کائنات کی بارگاہ میں نہ تو رسول خاتم النبیین ﷺ جا کر سفارش کرتے اور نہ ہی حضرت موسیٰؑ سفارش کرواتے۔اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کسی سفارش، شفاعت اور گزارش کسی کام نہ ہوتی تو نہ تو حضرت موسیٰؑ جانے کیلئے کہتے اور نہ ہی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ جاتے۔کیونکہ توحید سب سے زیادہ انبیاء کرامؑ جانتے ہیں۔باقی دنیا توحید کی چاشنی اور عظمت ان کے مقابلے میں اور ان جیسا کیسے سمجھ سکتی ہے؟

شعبان المعظم

سوال:۔ شعبان المعظم کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ اسلامی کیلنڈر کے ایک مہینے کا نام ہے۔

سوال:۔ شعبان المعظم کے بارے میں ہمارے پیارے رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے کیا فرمایا؟

جواب:۔ حضرت اُسامہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''شعبان المعظم کا مہینہ (رجب المرجب) اور ماہِ رمضان (المبارک) کے درمیان ہے۔ لیکن لوگ اس مہینے سے غافل ہیں''۔ (بیہقی شعب الایمان جلد ۷ ص 405)

سوال:۔ اس مبارک مہینے میں کیا ہوتا ہے؟

جواب:۔ رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اس مبارک مہینے میں اعمال رب العالمین کی بارگاہِ اقدس میں (خصوصی طور پر) پیش کیے جاتے ہیں تو میں اس بات کو محبوب رکھتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں''۔

سوال:۔ ایک صاحب فرما رہے تھے کہ رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے کہ شعبان المعظم میرا مہینہ ہے؟

جواب:۔ ہاں! یہ درست ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے اور ایک روایت میں اس کا ذکر آتا ہے۔

سوال:۔ کیا یہ مہینے اور دن اور رات اللہ تبارک وتعالیٰ کے نہیں؟

جواب:۔ ہیں تو سب مالک حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کے، سب کچھ اسی کا ہے لیکن یہ نسبت اور تعلق فضیلت اور برکت کو ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ مثلاً ہم سب کا عقیدہ یہ ہے کہ مسجد یں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہیں۔ لیکن ہمارے پیارے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے ''جو میری اس مسجد (نبوی شریف) میں ایک نماز پڑھے گا اُسے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملے گا''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے مسجد کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ اسی طرح شعبان المعظم کی نسبت بھی اپنی طرف فرمائی۔ (ابن ماجہ: ۱۴۱۳)

سوال:۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ اس لئے کہ ماہِ رمضان المبارک کے علاوہ رسول کریم خاتم النبیین ﷺ سب سے زیادہ اسی مہینے میں روزے رکھتے تھے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کو رمضان المبارک کے مہینے کے علاوہ شعبان المعظم سے زیادہ کسی میں روزے رکھتے نہ دیکھا۔ (شرح السنۃ)

سوال:۔ شعبان المعظم کی آمد پر رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کس طرح اظہارِ خوشی فرماتے؟

جواب:۔ آپ خاتم النبیین ﷺ اس ماہِ مبارک کے آنے پر برکت کی دعا فرماتے۔

سوال:۔ وہ دعا کیا ہے؟

جواب:۔ دعا یہ ہے:۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبٍ وَّ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ ۞

ترجمہ:۔ ''اے میرے اللہ (تبارک وتعالیٰ) رجب (المرجب) اور شعبان (المعظم) میں ہمارے لئے برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان المبارک میں پہنچا''۔

سوال:۔ شعبان المعظم کے مہینے کی پندرھویں رات کی کیا حقیقت ہے؟

جواب:۔ احادیث مبارکہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ امیر المومنین حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''جب شعبان المعظم کے مہینے کی پندرھویں رات ہو تو اس میں عبادت کرو اور دن میں روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ غروب آفتاب کے وقت سے آسمان دنیا کی طرف نزولِ رحمت فرماتا ہے اور فرماتا ہے، ''ہے کوئی مجھ سے بخشش مانگنے والا کہ میں اس کو بخش دوں؟ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق عطا فرماؤں؟ ہے کوئی بیمار کہ میں اسے شفاء وعافیت عطا فرماؤں؟ ہے کوئی ایسا؟ ہے کوئی ایسا؟ یہی فرماتا رہتا ہے یہاں تک صبح طلوع ہو جاتی ہے''۔ (بیہقی فی شعب الایمان جلد ۷ ص ۲۰۸)

سوال:۔ کیا یہ درست ہے کہ اس رات اللہ تبارک وتعالیٰ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی بخشش فرماتا ہے؟

جواب:۔ جی ہاں! یہ بات درست ہے۔

سوال:۔ کیا یہ کسی حدیث شریف میں ہے؟

جواب:۔ جی ہاں!

سوال:۔ وہ حدیث شریف کیا ہے؟

جواب:۔ وہ حدیث شریف یہ ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہے کہ ایک رات میں نے رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کو بسترِ انور پر نہ پایا۔

تو میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو ڈھونڈنے نکلی۔ میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو جنت البقیع میں پایا۔ دیکھا آپ خاتم النبیین ﷺ اپنا سرانور آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے مجھے (دیکھ) کر فرمایا: ''اے عائشہؓ کیا تو یہ خوف محسوس کرتی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کریم خاتم النبیین ﷺ تم پر ظلم کریں گے''؟ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا، مجھے ہرگز ایسا گمان نہیں تھا بلکہ یہ گمان تھا کہ شاید کسی اور زوجہ کے ہاں تشریف لے گئے ہوں گے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نصف شعبان المعظم (یعنی شعبان المعظم کی پندرھویں رات) کو آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی بخشش فرمادیتا ہے۔ (ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۳۸۹)

سوال:۔ کیا رات کو قبرستان جاسکتے ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں! رات کے وقت قبرستان جاسکتے ہیں۔

سوال:۔ کیا شعبان المعظم کی پندرھویں رات کو بھی قبرستان جاسکتے ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں! حضور خاتم النبیین ﷺ بھی جنت البقیع میں تشریف لے گئے تھے۔

سوال:۔ کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کی اس رات بخشش نہیں ہوتی؟

جواب:۔ جی ہاں! چند لوگ ایسے ہیں جن کی اس رات بخشش نہیں ہوتی۔ ہاں، البتہ! اگر وہ سچے دل سے توبہ کرلیں تو اُن کی بھی بخشش ہوجاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس جبرائیلؑ حاضر ہوئے اور جبکہ شعبان المعظم کی نصف شب (پندرھویں رات) تھی اور مجھ سے عرض کیا، "یا محمد (خاتم النبیین ﷺ) آسمان کی طرف اپنا سر (انور) اٹھائیں"۔ میں نے کہا "یہ کیسی رات ہے"؟ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا، "اس رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ رحمت کے تین سو دروازے کھول دیتا ہے۔ اور اس رات تمام لوگوں کی بخشش فرمادیتا ہے۔ سوائے مشرک، جادوگر، کاہن، دائمی شرابی، سودخور اور زانی کے۔ ہاں! اگر یہ لوگ توبہ کرلیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی بھی بخشش فرمادیتا ہے"۔ رسول کریم خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں "جب رات کا چوتھائی حصہ گزرا تو حضرت جبرائیلؑ پھر نازل ہوئے اور عرض کیا "یا محمد خاتم النبیین ﷺ! اپنا سر مبارک اٹھائیں"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں "میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، پہلے دروازے پر ایک فرشتہ آواز دیتا ہے، خوشخبری ہے اس کیلئے جو آج کی رات رکوع میں ہے۔ دوسرے دروازے پر فرشتہ صدا بلند کرتا ہے، ندا کرتا ہے خوشخبری ہے اس کیلئے جو آج کی رات سجدہ کرتا ہے، تیسرے دروازے پر فرشتہ ندا کرتا ہے خوشخبری ہے اس کے لئے جو آج کی رات دعا کرتا ہے۔ چوتھے دروازے والا فرشتہ آواز دیتا ہے خوشخبری ہے آج کی رات جو ذکر کرتا ہے۔ پانچویں دروازے والا فرشتہ آواز دیتا ہے خوشخبری ہے اس کیلئے جو آج کی رات خوفِ الٰہی سے روتا ہے۔ چھٹے دروازے والا فرشتہ ندا کرتا ہے ہر مسلمان کو آج کی رات بشارت ہے۔ ساتویں دروازے والا فرشتہ صدا کرتا ہے کوئی جو سوال کرلے اور اس کا سوال پورا کیا جائے اور آٹھویں دروازے والا فرشتہ کہتا ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ اسے بخش دیا جائے"؟ حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اے جبرائیلؑ یہ دروازے کب تک کھلے رہتے ہیں'' (یہ پوچھنا اس لئے تھا کہ سب کو معلوم ہوجائے) تو جبرائیلؑ نے عرض کیا "اوّل رات سے صبح کے ظاہر ہونے تک یہ دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اس رات اللہ تبارک وتعالیٰ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کے شمار کے مطابق لوگوں کو بخشش دیتا ہے"۔ (غنیۃ الطالبین مترجم عربی ص ۳۶۵)

سوال:۔ آپ نے یہ بار بار کہا ہے پندرھویں شب کو اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب:۔ احادیث مبارکہ میں رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ ''جب شعبان المعظم کی پندرھویں رات ہوتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس رات کو آسمان دنیا کی طرف سورج کے غروب ہوتے ہی اپنی شان کے مطابق نزول فرماتا ہے''۔ (یعنی اترتا ہے)

یہاں یہ بات سمجھنے والی ہے کہ ہم لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اترنے کی کیفیت نہیں سمجھتے وہ ہماری طرح کسی مقام سے اترتا چڑھتا نہیں۔ کیونکہ اترنا چڑھنا مخلوق کی شان ہے۔ اللہ رب العزت اس اترنے چڑھنے سے پاک ہے لہٰذا جب نزول اجلال کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ربّ کائنات اس رات میں اپنی مخلوق کو انتہائی قرب عطا فرماتا ہے۔ اور اپنی رحمت لوگوں کے نزدیک کردیتا ہے۔ اور نگاہِ کرم فرماتا ہے۔

سوال:۔ ایک مولانا صاحب تقریر میں فرمارہے تھے کہ اس رات ماں باپ کا بے ادب نہیں بخشا جاتا؟

جواب:۔ درست ہے۔ یہ مولانا صاحب کا فتویٰ نہیں بلکہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے ایک حدیث شریف میں اس کا ذکر ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے

بارگاہِ رسالت خاتم النبیین ﷺ میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اس رات اللہ رب العزت چند لوگوں کی طرف نگاہِ کرم نہیں کرتا۔

رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''وہ کون لوگ ہیں''؟ عرض کیا۔

(1)مشرک (2) کینہ پرور (3)قطع رحمی کرنے والا (4)ٹخنوں سے نیچے کپڑا (پاجامہ،شلوار،تہبند وغیرہ) لٹکانے والے

(5)ماں باپ کوستانے والا (6)ہمیشہ شراب پینے والا (بیہقی فی شعب الایمان جلد ۷ ص ۲۲۰)

سوال:۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ شب برات کو حلوہ بریانی وغیرہ پکاتے ہیں اور روزے رکھواتے ہیں کیا یہ عمل درست ہے؟

جواب:۔ جی ہاں! حلال طیب کھانا پکانے ،لوگوں کو کھلانے اور روزے رکھوانے کی کہیں بھی ممانعت نہیں آئی۔کھانا تو ہرانسان کھاتا ہے جو کھانوں پر اعتراض کرتا ہے وہ بھی کھانا کھاتا ہے، بھوکا تو وہ بھی نہیں رہتا،عظیم لوگ وہ ہیں جو دوسروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ یہ تو خدائی صفت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے،فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) اسلام میں بہترین عمل اور خصلت کیا ہے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' کھانا کھلانا''۔ (الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۶۲)

سوال:۔ اس کا مطلب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری قوم نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے فرامین سے بالکل بے خبر ہے؟

جواب:۔ بے خبری بھی ہے اور اسلام سے دوری بھی۔آج ہندو،سکھ،عیسائی،اور یہودی کو دیکھو جس چیز کا تعلق ان کے مذہبی شعائر سے ہے۔اس کا احترام کرتے ہیں۔ جب کہ مسلمان قوم اس قدر پستی کا شکار ہو چکی ہے کہ ایسی چیز جس کو رسول کریم خاتم النبیین ﷺ پسند فرماتے ہیں اس سے طنزومزاح اور ٹھٹھہ کرتی ہے۔رزق حلال اور طیب کھانوں کا احترام کرنا چاہیئے۔اور کھانوں پر اعتراض سے بچنا چاہیئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۝ (سورۃ البقرۃ،آیت نمبر 168)

ترجمہ:۔ ''اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ''۔

جو لوگ مذاق کرتے ہیں ان لوگوں کو بتا دینا چاہیے کہ جو چیز ہر وقت حلال اور طیب ہے۔وہ ۱۵ شعبان المعظم کو بھی حلال اور طیب ہے اور اس کے کھانے پر اعتراض کرنا کسی حدیث شریف سے ثابت نہیں۔

سوال:۔ معراج شریف اور شب برات کو لوگ آتش بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ نہیں قطعاً ناجائز ہے۔

سوال:۔ اس مبارک رات میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کوئی خاص نماز پڑھتے تھے؟

جواب:۔ جی ہاں! امیر المومنین حضرت سیدنا علیؓ سے روایت ہے،فرماتے ہیں ''میں نے رسول خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا آپ خاتم النبیین ﷺ شعبان المعظم کی پندرھویں رات کھڑے ہوئے اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے چودہ رکعتیں نماز پڑھیں۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے 14 بار سورۃ الفلق ،14 بار سورۃ الناس اور ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھی اور ایک مرتبہ لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ ۝ یعنی سورۃ توبہ کی آیت نمبر 128 کی تلاوت فرمائی''۔جب آپ خاتم النبیین ﷺ فارغ ہوئے تو امیر المومنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں ، میں نے عرض کیا'' یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس شخص کیلئے کیا حکم ہے جو اس طرح نماز ادا کرے''؟ تو رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''جو اس طرح نماز پڑھے جیسے تو نے مجھے دیکھا ہے تو اس کیلئے بیس حج مبرور اور بیس سال کے روزوں کا ثواب ہے۔اور اگر اس رات کے بعد دن میں روزہ رکھے تو دو سال کے روزوں کا اس کیلئے ثواب ہے۔ایک سال ماضی کا اور ایک سال مستقبل کا''۔(منشور جلد ۷ ص ۴۰۴)

رمضان المبارک

سوال:۔ ماہ رمضان المبارک کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ ماہ رمضان المبارک اسلامی مہینوں میں سے ایک مہینے کا نام ہے جو شعبان المعظم اور شوال المکرم کے درمیان آتا ہے۔

سوال:۔ رمضان المبارک کو رمضان کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ اس سلسلہ میں دو باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ایک یہ کہ یہ رمضاء سے مشتق ہے۔رمضاء موسم خریف کی بارش کو کہتے ہیں۔جس سے زمین دھل جاتی ہے۔اور ربیع

کی فصل خوب ہوتی ہے۔ چونکہ یہ مہینہ بھی دل کے گرد وغبار سے دھودیتا ہے اور اس سے اعمال کی کھیتی ہری بھری رہتی ہے۔ اس لئے اسے ''ماہِ رمضان'' کہتے ہیں۔(تفسیر نعیمی جلد 2 صفحہ 321)

سوال:۔ ماہ رمضان المبارک کی خاص بات کیا ہے؟

جواب:۔ اس میں روزے فرض کیے گئے اور قرآن مجید اتر نا یا نازل ہونا شروع ہوا۔

سوال:۔ روزے کس سن میں فرض ہوئے؟

جواب:۔ روزے اعلانِ نبوتؐ کے پندرھویں سال سن ۲ ہجری میں فرض ہوئے۔

سوال:۔ ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے بھی کوئی روزے رکھے جاتے تھے؟

جواب:۔ شروع شروع میں ایک ہی روزہ فرض تھا جو عاشورہ کے دن کا تھا۔ (بخاری جلد ا ص ۵۴)

سوال:۔ سحری کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے کے وقت کو سحر کہتے ہیں۔ اس وقت کے کھانے پینے کو سحری کہتے ہیں۔ یعنی رات کے آخری حصے کی غذا۔ سحری کا وقت آدھی رات سے شروع ہوجاتا ہے مگر سنت یہ ہے رات کے اختتام کے آخری حصّہ اور طلوع صبح صادق سے سحری کا وقت ختم ہونے سے پہلے کھانا کھالینا چاہیے۔ تقریباً دس پندرہ منٹ پہلے۔

سوال:۔ اگر کوئی شخص سحری کے وقت بیدار نہ ہوسکے بلکہ اس وقت بیدار ہو جبکہ اذانیں ہورہی ہوں یا ہوچکی ہوں تو کیا ایک گلاس پانی پی کر رکھ سکتا ہے؟

جواب:۔ وقت گزر جانے کے بعد کچھ بھی نہیں کھایا پیا جاسکتا۔ اگر علم ہو کہ وقت گزر چکا ہے۔ پھر کوئی شخص کھائے پیئے گا تو روزہ نہیں ہوگا۔ اگر آذان ہورہی ہے تو جلدی سے پانی کا گلاس پی کر نیت کرلیں۔

سوال:۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب:۔ ایسی صورت میں بغیر کھائے پیئے روزہ رکھ لیا جائے۔

سوال:۔ روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیے؟

جواب:۔ روزہ کھجور، چھوہارے، پانی (یا دودھ) سے افطار کرنا چاہیے اس لئے کہ چھوہارے میں برکت ہے اور پانی پاک کرنے والا ہے۔ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نماز سے پہلے چند (طاق تعداد میں) تر کھجوریں تناول فرما کر روزہ افطار فرماتے یا پھر چھوہارے سے یا پانی کے چند گھونٹ نوش فرما لیتے۔ (ترمذی جلد 1)

سوال:۔ افطاری جلدی کرنی چاہیے یا دیر سے؟

جواب:۔ افطاری جلدی کرنی چاہیے۔

سوال:۔ کتنی جلدی؟

جواب:۔ ریڈیو، ٹی وی، مسجد یا کسی سائرن کے ذریعے اعلان ہوتے ہی کہ ''افطاری کا وقت ہوگیا''۔ افطاری کرلینی چاہیے۔

سوال:۔ افطاری جلدی کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب:۔ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''لوگ جب تک افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے، دین غالب رہے گا۔ یہودی اور عیسائی افطاری میں دیر کرتے ہیں'' (مشکوٰۃ ص 175)

سوال:۔ کیا مسواک کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب:۔ نہیں!

سوال:۔ کیا سُرمہ لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب:۔ نہیں! حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا، عرض کی (یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ) میری آنکھوں میں تکلیف ہے، کیا میں روزے کی حالت میں سُرمہ لگا سکتا؟ ہوں فرمایا! ''ہاں''۔

سوال:۔ روزہ دار کو کن چیزوں سے بچنا چاہیے؟

جواب:۔ روزہ دار کو جھوٹ، چغلی، گالی گلوچ سے بچنا چاہیے۔

سوال:۔ رمضان المبارک کے ماہ مبارک میں عشاء کی نماز کے بعد ایک زائد نماز پڑھی جاتی ہے اسے کون سی نماز کہتے ہیں؟

جواب:۔ اُسے نماز تراویح کہتے ہیں۔

سوال:۔ اس نماز کی کل کتنی رکعتیں ہوتی ہیں؟

جواب:۔ اس نماز کی کل بیس رکعتیں ہوتی ہیں۔

سوال:۔ اعتکاف کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ اعتکاف وہ عبادت ہے جو ماہ رمضان المبارک کے بیس روزے گزر جانے کے بعد ادا کی جاتی ہے۔

سوال:۔ اعتکاف کرنے والے کو کتنا ثواب ملتا ہے؟

جواب:۔ اعتکاف کرنے والے کو دو حج اور دو عمرے کے برابر ثواب ملتا ہے۔

سوال:۔ ماہ رمضان المبارک میں اعتکاف فرض، واجب، سنت یا نفل ہے؟

جواب:۔ ماہ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں جو اعتکاف کیا جاتا ہے وہ سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔

سوال:۔ سنت موکدہ علی الکفایہ کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ یہ وہ سنت مبارکہ ہے جسے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ہمیشہ ادا فرمایا۔

سوال:۔ اس کو علی الکفایہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ اس کو علی الکفایہ اس لیے کہتے ہیں کہ اگر محلے کی مسجد میں ایک شخص بھی اعتکاف ادا کرلے تو باقی مسلمانوں سے یہ بوجھ اُتر جاتا ہے۔ کیونکہ فرض دو طرح کے ہیں۔ فرض عین اور فرض کفایہ۔ فرض عین ہر ایک پر فرض ہوتا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ فرض کفایہ وہ فرض جو امت میں سے کچھ لوگ ادا کردیں تو سب سے یہ بوجھ اتر جاتا ہے۔ مثلاً نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اعتکاف فرض کفایہ ہے علما کا وجود فرض کفایہ ہے۔

سوال:۔ لیلۃ القدر کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ لیلۃ القدر یعنی قدر کی رات۔ یہ ایک رات ہے جو ماہِ رمضان المبارک کے آخری نو یا دس دنوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

سوال:۔ کیا ہر سال لیلۃ القدر ظاہر ہوتی ہے؟

جواب:۔ جی ہاں! ہر سال ظاہر ہوتی ہے۔

سوال:۔ اس رات کی کیا فضیلت ہے؟

جواب:۔ یہ رات ہزار مہینوں یعنی تراسی (83) سال اور چار (4) ماہ سے افضل ہے۔

سوال:۔ لیلۃ القدر ماہ رمضان المبارک کی کون کونسی رات کو تلاش کرنی چاہیے؟

جواب:۔ لیلۃ القدر ماہِ رمضان المبارک کی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ اور ۲۹ کی طاق راتوں میں تلاش کرنی چاہیے۔

سوال:۔ لیلۃ القدر کی خصوصی وظیفہ کیا ہے؟

جواب:۔ لیلۃ القدر کا خصوصی وظیفہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ ۞

سوال:۔ اس رات میں اور کیا کچھ ہوتا ہے؟

جواب:۔ اس رات میں حضرت جبرائیل امینؑ اور دیگر فرشتے اترتے ہیں اور لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔

سوال:۔ لیلۃ القدر میں جو قیام کرتے ہیں اُس کا کیا ثواب ہے؟

جواب:۔ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان اور ثواب کی نیت سے قیام کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

سوال:۔ اس رات کی خصوصی بات کیا ہے؟

جواب:۔ اس رات میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔

سوال:۔ قرآن مجید کتنے عرصے تک نازل ہوتا رہا؟

جواب:۔ قرآن مجید ۲۲ سال ۷ ماہ اور ۱۴ دن تک نازل ہوتا رہا۔

آدابِ تلاوت قرآن

سوال:۔ قرآن مجید کی تلاوت کیسی کرنی چاہیے؟

جواب:۔ اگر کوئی عذر نہ ہو تو بیٹھ کر اور قرآن مجید رحل پر رکھ کر تلاوت شروع کرنی چاہیے۔

سوال:۔ آغازِ تلاوت شریف کن کلمات سے کرنی چاہیے؟

جواب:۔ جب تلاوت شروع کریں تو پہلے تعوذ پڑھیں۔

سوال:۔ تعوذ کیا ہوتا ہے؟

جواب:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ کو کہتے ہیں۔

سوال:۔ تعوذ پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں ہے یا حدیث پاک میں؟

جواب:۔ قرآن مجید میں۔

سوال:۔ وہ حکم کسطرح آتا ہے؟

جواب:۔ وہ حکم ایسے ہے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ (النحل:۹۸)

''جب قرآن (مجید) (پڑھو) کی تلاوت کرنے لگو تو شیطان سے (بچنے کیلئے) اللہ (تبارک وتعالیٰ) کی بارگاہ میں پناہ حاصل کرو۔

سوال:۔ تعوذ کے علاوہ بھی کچھ پڑھنا ہے؟

جواب:۔ تعوذ کے علاوہ تسمیہ پڑھنا ہے۔

سوال:۔ تسمیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ کو کہتے ہیں۔

سوال:۔ قرآن پاک کی تلاوت کے وقت منہ کدھر ہونا چاہیے؟

جواب:۔ مستحب ہے کہ تلاوتِ قرآن پاک کے وقت منہ قبلہ (کعبۃ اللہ) شریف کی طرف ہو۔

سوال:۔ مستحب کیا ہوتا ہے؟

جواب:۔ مستحب کے معنی ہیں محبت کیا گیا، پسند کیا گیا۔

مستحب عبادات میں سے وہ نفل جسے رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے پسند فرما کہ خود ادا کیا ہو یا اُس کا ثواب بیان فرمایا ہو۔ اگر کسی بنا پر کوئی یہ عمل نہ کر سکے تو وہ گنہگار نہیں کہلاتا بس ثواب نہیں پاتا۔ اور جو یہ کام کرلے اُسے ثواب بھی حاصل ہوتا ہے اور روحانی فائدہ بھی۔

سوال:۔ تلاوت قرآن پاک کتنی دیر کرنی چاہیے؟

جواب:۔ اس سلسلہ میں حضرت جندب بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جب تک تمھارا دل لگے قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہو۔ پھر جب دل ادھر اُدھر ہونے لگے تو اس سے اٹھ جاؤ''۔ یعنی تلاوت کرنا چھوڑ دو، یہی اس کا ادب ہے۔ ذوق وشوق، لذتِ تلاوت اور حضورِ قلبی ضروری ہے۔ (مسند احمد جلد 4 صفحہ 313)

سوال:۔ تلاوت قرآن مجید پر کیا ثواب حاصل ہوتا ہے؟

جواب:۔ قرآن مجید کے ایک حرف کے پڑھنے پر دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کیلئے ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔(فرمایا) میں یہ نہیں کہتا کہ 'الم' ایک حرف ہے بلکہ '' ا ''ایک حرف ''ل'' ایک حرف اور ''م'' ایک حرف ہے۔یعنی الف پر دس نیکیاں، ل پر دس اور م پر دس''۔(یہ کل تیس نیکیاں ہوگیں (ترمذی جلد 4 صفحہ 119)

سوال:۔ زیادہ سے زیادہ کتنے دنوں میں قرآن مجید ختم کرنا چاہیے؟

جواب:۔ قرآن مجید چالیس دنوں میں ایک مرتبہ پڑھنا چاہیے۔(ترمذی جلد 4 صفحہ 123)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں۔میں نے رسول کریم خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا'' یارسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) میں کتنے دنوں میں قرآن ختم کروں'' تو رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''ایک ماہ میں ختم کرلو''۔(فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا ''میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں'' ۔فرمایا:''بیس دنوں میں ختم کرلو''۔عرض کیا، میں اس بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں فرمایا:''پندرہ دنوں میں ختم کرلو''۔عرض کیا میں اس بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں فرمایا:''دس دنوں میں ختم کرلو''۔میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں'' ،فرمایا:''پانچ دنوں میں ختم کرلو''۔میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں'' ۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں، مجھے رسول کریم خاتم النبیین ﷺ نے اس سے کم دنوں میں ختم کرنے کی اجازت نہ دی۔(ترمذی جلد ۲ ص ۱۲۳)

سوال:۔ کیا ایک دن میں قرآن پاک پڑھا جاسکتا ہے؟

جواب:۔ جی ہاں!

سوال:۔ کیا ایک رکعت میں سارا قرآن مجید پڑھا جاسکتا ہے؟

جواب:۔ جی ہاں!

سوال:۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے؟

جواب:۔ جی ہاں!

سوال:۔ کون کون سے صحابہ کرامؓ ایسا کرتے تھے؟

جواب:۔ حضرت عثمان غنیؓ ،تمیم داریؓ اور سعید بن جبیرؓ ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔(تیسر الباری جلد 6 صفحہ 544)

سوال:۔ ایک صاحب فرمارہے تھے کہ تین دن میں قرآن پاک ختم کیا جاسکتا ہے؟

جواب:۔ صحیح ہے۔احادیث میں تین دن میں قرآن پاک ختم کرنے کا بھی ذکر آتا ہے۔حضرت سعد بن منذر انصاریؓ رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کی اجازت سے تین دنوں میں قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔(مجمع الزوائد جلد 7 صفحہ 171)

****

مُصَنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	خاتم النبیین مُحسنِ اِنسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مُختصرتذکرئہ انبیاءکرامؑ، صحابہ کرامؓ و آئمہ کرامؒ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)

www.jamaat-aysha.com